6/5
25

جامعہ عثمانیہ

OSMANIA UNIVERSITY

تاریخ یونان قدیم

جلد اول

سلسلۂ نصابات تعلیم جامعۂ عثمانیہ

تاریخ یونان قدیم

(جلد اوّل اردو)

تالیف

پروفیسر اڈولف ہولم

(جلد اوّل انگریزی کے کل اور جلد دوم کے ۶ ابواب)

ترجمہ

مولوی محمد ہارون خاں شروانی صاحب ایم۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا
سینیر پروفیسر جائزہ دار شعبۂ تاریخ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ
رکن مجلس شعبۂ فنون و مجالس نصاب تاریخ و معاشیات جامعۂ عثمانیہ
رفیق (فیلو) جامعۂ عثمانیہ
ممتحن سیاسیات علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

۱۳۴۶ھ م ۱۳۳۷ف م ۱۹۲۷ء
دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

فہرست [illegible]

(جلد اول)

صفحہ	مضمون
[illegible]	دیباچہ
[illegible]	[illegible]

تتمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اڈولف ہولم

تاریخ یونانِ قدیم

جلد اول

دیباچہ

میری تصانیف کے شائع کرنے والوں نے جنھوں نے ازمنۂ قدیم کے حالات کے مطالعے اور تحقیقات کے لیئے بہت کچھ کیا ہے مجھ سے فرمائش کی کہ میں تاریخ یونان پر ایک مختصر سی کتاب لکھوں، لیکن اگر مجھے اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ ایک نئی تاریخ ان لوگوں کے لیے کارآمد ہوگی جنھیں اس مضمون سے دلچسپی ہے تو میں ہرگز اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتا۔ مجھے اپنی قابلیت کی کمی اور اُس کی بساط کا پورے طور پر احساس تھا اور یہ معلوم تھا کہ نہ تو میں اس باریک بینی اور نکتہ رسی پر قادر ہوں جو گروٹ اور ڈنکر کی تصانیف میں پائی جاتی ہیں اور نہ میری عبارت میں وہ سلاست اور شیرینی ہے جس کا کرتیوس مسلّمہ اُستاد ہے۔ ساتھ ہی میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ایک خاص موضوع کی بہت کم تحقیقات کی گئی ہے اور اگر میں اسی کو اپنا مقصد تصنیف بنالوں تو یہ سودمند ہوگا: وہ یہ کہ اہم ترین امور کو نسبتًا مختصر طور پر بیان کیا جائے اور یہ بھی واضح کردیا جائے کہ وہ کونسے امور ہیں جو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئے ہیں اور کونسے ہنوز معرض بحث میں ہیں۔ یہی میں نے اس کتاب کے ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

مؤرخ کا کام یہ ہے کہ اہم ترین واقعات کو غیراہم سے ممیّز کرے اور اس طرح گویا

دیباچہ

ازمنۂ ماضیہ کا ایک مرقع تیار کردے۔ میں نے اس کتاب کی تصنیف کے آخری زمانے میں اُس کے متن میں بہت سے نئے فقروں کا اضافہ کیا ہے اور بہت سے ایسے فقروں پر قلم پھیر دیا ہے جو ابتدا میں لکھے جا چکے تھے۔ اگر ہم تاریخ نویسی کے اُصول پر غور کریں تو یہ عیاں ہو جائیگا کہ نہ تو تسلسل واقعات اور نہ تفصیلی حالات کے بعض خصوصیات نظر انداز کئے جا سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے تفصیلات کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا جا سکتا اور اُن واقعات کو بھی پیش نظر رکھنا پڑتا ہے جن میں صدق و کذب دونوں کا شائبہ ہونے کا ہمیں یقین ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ کے عام خاکے پر بھی زور دینا نہایت ضروری ہے اور میں نے اس پر کافی توجہ کی ہے۔ چونکہ اس ضمن میں امور زیر بحث کی صحیح تقسیم پر بہت کچھ مدار ہوتا ہے اس لئے میرے ابواب ذرا چھوٹے چھوٹے ہیں، انہیں سے ہر ایک کا طرز بیان جداگانہ ہے، ہر ایک فی حدّ ذاتہٖ مکمل ہے اور ہر ایک کے مضمون کے مطابق مخصوص براہین و دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

یہاں ایک خاص امر نظر انداز نہ ہونا چاہیئے۔ کوئی مورّخ اُس وقت تک کسی اہم قوم کی تاریخ نہیں لکھ سکتا جب تک اُسے اُس قوم کی خصوصیات، و خصائل کا اندازہ نہ ہو جائے، اس سے نہ صرف اُس کی رائے پر عظیم الشّان اثر پڑتا ہے بلکہ اُس کی مدد سے وہ مختلف واقعات کے انتخاب پر قادر بھی ہو جاتا ہے۔ میں نے قدیم یونانیوں کی خصوصیات کا جو اندازہ کیا ہے وہ میری کتاب کی پہلی جلد سے اچھّی طرح واضح ہو جائیگا۔ اگر مجھے اُن کی خصائص ایک خاص زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کی اجازت دیجائے تو میں بلا خوف رد کہوں گا کہ میں یہ تو ہرگز نہیں سمجھتا کہ جو کچھ اس قوم کے افراد نے کیا اُس کے نتائج تمامتر بہترین ہی ثابت ہوئے؛ لیکن اس میں بھی شبہہ نہیں کہ میں اسے بنی نوع انسان کی ایک ممتاز قوم سمجھتا ہوں جس کے افراد نے زندگی کے اہم ترین شعبوں میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کی، جن میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک جفاکش محقق کے لئے ضروری ہیں اور اسی قسم کا جذبہ سرایت کئے ہوئے تھا جس کا لیسنگ کی تصانیف میں پتہ لگتا ہے۔ جب کبھی اُنھیں موقع ملا اُنھوں نے جدید انکشافات کئے؛ حالانکہ محض ایک یا دو شعبوں میں بھی زندگی کی کوئی نئی بات دریافت کرنا بہت بڑی کامیابی ہے۔

میں نے یہی مطمح نظر بڑے بڑے یونانیوں کی طبائع کا اندازہ کرنے میں برابر قائم رکھا ہے۔ اسی طرح میرے نزدیک سیاسیات میں یونانیوں کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ یہاں بھی اُنھوں نے بے انتہا تفحص و تجسس کیا۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُنھوں نے ان تمام مسائل کا جو اُن کے سامنے آئے بحسن تمام تصفیہ کیا، اور یہاں جس چیز پر ہمیں رطب اللسان ہونا پڑتا ہے وہ صرف وہ امور ہی نہیں جنھیں اُنھوں نے انجام کو پہنچایا بلکہ اُس قوم کے مقاصد اور آراء بھی شامل ہیں جن کی خواہش رہبران قوم کو ہمیشہ پیش نظر رکھنی پڑتی تھی۔

اس کتاب میں میں نے یہ التزام رکھا ہے کہ بس اسی وقت کسی باب میں قطعی رائے قائم کروں جب میری اسناد مجھے اس کی اجازت دیں، اور اگر کسی امر میں تیقن کی گنجائش نہیں ہوتی تو میں صاف صاف اپنا شبہہ ظاہر کر دیتا ہوں اس طرح میں نے اپنی کتاب کے محدود دائرے میں وہ تمام تاریخی مواد بھر دیا ہے جس پر مجھے دسترس حاصل تھی۔ آجکل کے زمانے میں اس اصول پر عام طور پر عمل نہیں کیا جاتا، لیکن حال ہی میں ڈرواے سن سے مورّخ نے جس کی مہارت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا صاف اعلان کر دیا ہے کہ گو مورخوں کی اس روش میں کہ محض تحقیقات کے نتائج کو تاریخی واقعات کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے بہت سی خوبیاں ہیں اور اس سے بیان کی خوبصورتی، سلاست و لطافت میں بہت کچھ اضافہ ہوتا ہے لیکن یہ روش نہایت ہی ناپسندیدہ ہے:

جہاں تک تنقید کا تعلق ہے مجھے یہ امر متواتر مدّ نظر رکھنا پڑتا ہے کہ میری تصنیف کی نوعیت تاریخی ہے محض تفتیش واقعات کی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یونان کی تاریخ لکھنا چاہے تو بلاشبہہ اُسے متعدّد شعبوں میں تحقیقات کرنی پڑیگی لیکن اگر وہ تاریخ کے جملہ شعبوں میں تحقیقات کریگا تو اندیشہ ہے کہ اُس کی تصنیف ایک نہایت مختصر طبقے تک محدود رہے گی۔ اس کتاب کے مصنّف کا یہ خیال ہے کہ ہم میں سے ان افراد کا طرز تنقید جو یونان کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں ایک دوسرے سے بالکل جدا گانہ ہے اور ہم اکثر مکمل تاریخ یونان کو قطعاً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہم ابتدائی اسناد کے پرکھنے میں بہت کچھ مغز پاشی کرتے ہیں لیکن اس سے کما حقّہٗ استفادہ حاصل نہیں کرتے

یا ہم تاریخی طرز تنقید کو اپنی بنیاد قرار دیتے ہیں لیکن اُس کے نتائج کے استعمال کے متعلق کوئی متحد رائے قائم نہیں کرتے۔ حکمیات کے دیگر شعبوں کی صورت حال بالکل مختلف ہے۔ ماہر آثار قدیمہ تعمیرات کے مختلف طریقوں پر اپنی رائے قائم کرتا ہے اور اُسی پر تاریخ فنون لطیفہ کی بنیاد مستحکم کر دیتا ہے، عالم لسانیات قلمی نسخوں کو چھانٹتا ہے اور اُن کی مدد سے اپنی تصانیف مرتب کرتا ہے؛ اس کے برعکس ہم قدیم اسناد کا تجزیہ کرتے ہیں لیکن ہمارا نصب العین یہ نہیں ہوتا کہ اُس سے ہم تاریخ کا تسلسل قائم کریں بلکہ صرف یہ کہ ہم ایک فرضی **الیفوروس** یا **کٹیسیو پومپوس** کا تصور پیش کریں؛ اور لطف یہ ہے کہ چونکہ اس **الیفوروس** یا **کٹیسیو پومپوس** کو ہر ایک مصنف نے ایک نئے رنگ میں رنگا ہے اس لیے باوجود اس تزئین و ندرت کے ان خیالی اشخاص کی زندگی نہایت ہی مختصر ہوتی ہے۔ ان دونوں حدود کے درمیان یعنی ایک جانب تو وہ نہایت قابل تعریف و توصیف تصانیف جنہوں نے تاریخی تفحّص و تجسّس میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے اور دوسری جانب اُن کے مخصوص نصب العین یعنی حقیقی تاریخ یونان کے درمیان ایک عظیم الشّان قعر حائل ہے۔

اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم بہت کم فی نفسہٖ تاریخی تنقید کے اصولوں پر غور کرتے ہیں۔ ہر شخص کے نزدیک ان اصولوں کی ایک خاص کیفیت ہے اور ہر شخص جس طرح چاہتا ہے اُن کو استعمال کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ ان اصولوں کو اپنے لئے انفرادی طور پر مدوّن کرتا ہے اس لئے خواہ مخواہ وہ اپنے نتائج پر پہنچنے میں مبالغے سے کام لیتا ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اُصول تنقید کے چند ایسے غیر مکتوب قواعد بھی ہیں جو مسلّمہ ہیں، اور اب اُس کا وقت آ پہنچا ہے کہ ان میں سے کم از کم اہم ترین قواعد پر ہم متفق الرّائے ہو جائیں۔ میرا خیال ہے کہ ان غیر مکتوب قواعد میں مفصلۂ ذیل بھی شامل ہیں:-

اس وقت تک یہ قاعدہ رہا ہے کہ تاریخ کے محققوں نے اپنی توجّہ کلّیتہً گم شدہ کتابوں کے اجزا کو مربوط کرنے پر مبذول کی ہے اور جن مصنّفوں کی کتابیں سالم موجود ہیں ان پر بہت ہی کم التفات کیا ہے۔ میرے نزدیک آیندہ ہمیں بنسبت اُن اجزا کے اُن سالم کتابوں پر زیادہ توجّہ کرنی چاہیئے۔

اس طرز کا اصل مقصد یہ ہے کہ نئے واقعات منکشف ہو جائیں؛ جن باریک تنقیدی اصولوں کا اس سے تعلق ہے وہ چند مخصوص قواعد کے تحت ہی قابل عمل ہیں؛ اور ان قواعد کا علم مورّخ کو صرف اپنے مواد کی چھان بین اور تحقیق و تدقیق کی مشق سے ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں مفصلۂ ذیل نکات پر غور کرنا مناسب ہوگا کسی مصنّف کے مخصوص مطمح نظر کے معیار کا (خصوصاً سیاسیات کے ضمن میں) اطلاق کرتے وقت ہمیں نہایت ہوشیاری سے قدم رکھنا چاہیئے اس لیئے کہ ممکن ہے کہ اس کی تحریر میں ایسا جذبہ مضمر ہو جس سے اس کا پیرایہ ہی بدل گیا ہو۔ مناسب تو یہ ہے کہ جو واقعات اس قسم کے ہوں اُن کی ایک فہرست مرتب کر لی جائے۔

رسم و رواج ثابت کرنے کے لیے اکثر چند واقعات پر استدلال کر کے نئے کلیئے قائم کیئے جاتے ہیں اور اس پر عمارت کھڑی کر دی جاتی ہے۔ لیکن ایسی صورتیں بہت کم ہوتی ہیں کہ اس قسم کے جعل کی اصلیت تک ہماری دسترس ہو سکے؛ اور اگر ہم قطعیہ مسائل کی ایک فہرست مرتب کر لیں تو ہمیں اُن مسائل کا بھی علم ہو جائیگا جو ہنوز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچے۔

اس قسم کے خود ساختہ انکشافات بعض مرتبہ مخصوص خود غرضی کے لیئے کیئے جاتے ہیں! مثلاً قدیم یونان میں پرانے دفاتر تو موجود تھے ہی نہیں اور ساتھ ہی ملک میں یہ ایک وقت بہت سی ریاستیں اور شخصیتیں پھیلی ہوئی تھیں؛ ان باتوں کی وجہ سے اراضی کی بابت اکثر جھگڑوں کی بنیاد محض روایتی حق توریث پر تھی۔ اور یہ حقوق قدیم مذہبی واقعات میں جڑ پکڑے ہوئے تھے۔ بدیں وجوہ بڑے بڑے سورماؤں کی طرف ایسی نئی نئی جانبازیاں منسوب کی جاتی تھیں جو منسوب کرنے والوں کے لیئے کار آمد ثابت ہوں۔ مثلاً یہ کہا جاتا تھا کہ فلاں سورما فلاں فلاں مقامات پر گیا یا ایک دوسرے سورما کا فلاں حسب نسب تھا۔ یہ حسب نسب مسلّم نہیں ہوتے تھے بلکہ ان میں نہایت آزادی کے ساتھ قطع و برید کی جاتی تھی۔ نظر برآں اس کی سخت ضرورت ہے کہ ان سب امور کی فہرست بنائی جائے اور انھیں پرکھا جائے۔

اگر ہم مختلف عہدوں میں ایک ہی قسم کے واقعات کا اعادہ پائیں تو ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ واقعات دراصل ایک ہی مرتبہ پیش آئے ہوں گے اور زمانہ مابعد میں نہایت جسارت سے اُنھیں دیگر واقعات کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہوگا۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ زمانۂ مابعد کے کسی واقعے کے نمونے پر ابتدائی زمانے میں چند واقعات کا اختراع کیا گیا ہو۔ لیکن اس امر سے زیادہ کوئی امر مسلّم نہیں کہ تاریخ خود اپنا اعادہ کرتی ہے اور محض واقعات کے تطابق سے یہ ضرور نہیں کہ ہم کسی مخصوص واقعے سے انکار کریں۔

اسی طرح بعض مرتبہ زمانۂ مابعد کی لفّاظی سے زمانۂ ماضیہ کی ایک ایسی تصویر تیار کر دی جاتی ہے جو اصل سے بہت دور جا پڑتی ہے۔ اس کی بدیہی مثال جنگ ایران کی تاریخ سے ملتی ہے۔ ایسے موقع پر بھی ہم شکل واقعات کی فہرست ہمارے مفید مطلب ہوگی اور واقعات کے شمار اور مخصوص تمثیلات کے مباحث سے نہ صرف بہت سے نئے واقعات معلوم ہو جائیں گے بلکہ بہت سے جدید مسائل بھی حل ہو سکیں گے۔ اس وقت تک مورخوں کا عام قاعدہ یہ رہا ہے کہ وہ ہر ایک انفرادی واقعے پر کسی مخصوص قانون کا اطلاق کرتے ہیں جیسے وہ مشہور و معروف فرض کر لیتے ہیں؛ اور اس لیئے اُن کی تنقید کا لہجہ درشت ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ فعل کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

جب اس قسم کی تصانیف کے ذریعے سے ان امور پر بحث کی جائے گی جن میں تاریخ یونان کے حقایق اس وقت پوشیدہ ہیں تو اُس کے تفصیلی حالات سے وہ ثمرات حاصل ہوں گے جو اس وقت تک بڑے بڑے طبّاع اور ذہین علما کی کاوش و محنت کے باوجود بھی نہیں ہوئے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ علم لسانیات کا مبصّر مختلف ہم شکل الفاظ کی تحقیقات کرتے ہوئے اُن کے تلفّظ کا فرق شمار کر کے چند مخصوص نتائج پر پہنچتا ہے۔

اسناد کے انتخاب میں بھی مجھے وہی مشکلات پیش آئی ہیں جن کا مجھے واقعات کے ضمن میں مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ میں ہر مرتبہ ان دلائل کو بیان نہیں کر سکا ہوں جن کی بنا پر میں نے زمانۂ حالیہ کے محققوں کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور بعض مرتبہ

میں نے یہ کافی سمجھا ہے کہ کسی قدیم سند کا حوالہ دیئے بغیر محض آجکل کی کسی مفید مطلب تصنیف کا اقتباس ناظرین کے سامنے پیش کردوں۔

آخری بات قابل تحریر یہ ہے کہ جب میں اس مقصد کا اصل کتاب سے مقابلہ کرتا ہوں جسے تالیف کتاب سے پیشتر اپنے سامنے رکھا تھا تو تفصیلی واقعات اور بالکلیہ تمام کتاب میں مجھے بہت سی خامیاں نظر آتی ہیں۔ ابتدا ہی سے میرا نصب العین یہ رہا ہے کہ میری کتاب مختصر ہو۔ ممکن ہے کہ اسی وجہ سے میں نے بعض امور کو اچھی طرح روشن نہ کیا ہو۔ چند مرتبہ مجھے بعض مورخوں کی رائے سے مجبوراً اختلاف کرنا پڑا ہے؛ اور مجھے یقین ہے کہ محض اختصار کی وجہ سے اس عزت و احترام کا احساس جو میرے دل میں اپنے وقتی فریق مخالف کا ہمیشہ ہوتا ہے اس کتاب کے ناظرین سے پوشیدہ نہ رہیگا۔

اڈولف ہولم

نیپلز،

نومبر ۱۸۸۵ء

انگریزی مترجموں کی یادداشت

انگریزی مترجموں کی یادداشت

انگریزی مترجم جناب مولف کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ اُنھوں نے کتاب کے چند واقعات کی تصحیح کی ہے نیز بعض امور کی تفصیل میں کچھ اضافے کیے ہیں جنھیں مترجموں نے ترجمے میں شامل کر لیا ہے ساتھ ہی وہ فریڈرک کلارک صاحب کا بھی (جو جامعۂ آکسفرڈ میں کسی زمانے میں "ٹیلری" وظیفہ یاب تھے) شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنھوں نے ترجمے پر غائر نظر ڈالی ہے اور پروف کی تصحیح کی ہے۔

تمہید

اہل یونان ان اقوام کی زنجیر میں بطور ایک نہایت اہم بالشان کڑی کے ہیں جن کے واقعات اور حالات پر تاریخ عالم مشتمل ہے۔ ایسی قومیں بہت کم صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئی ہیں جنھوں نے آئندہ نسلوں پر اس قدر عظیم الشان اثر ڈالا ہو، اور ان اقوام کی تعداد بہت کم ہے جن کے حالات کے مطالعے سے اس قدر دلچسپی ممکن ہو جتنی ہمیں تاریخ یونان سے ہے۔

چونکہ یونانی قوم حضرت عیسیٰؑ سے پہلے ہی معراج کمال کو پہنچ چکی تھی اسلیئے اُس کا مذہب، عیسویت کی طرح ارفع واعلیٰ نہیں تھا؛ لیکن جہاں تک مذہب اور عام زندگی کے باہمی تعلقات کا سوال ہے ان میں اور مشرقی اقوام میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مشرقی اقوام میں ہمیں ایک نہایت زبردست مذہبی طبقہ نظر آتا ہے جس کا اثر اور سطوت ہر جگہ بہت بڑھی ہوئی ہے اور بعض ممالک میں تو یہ طبقہ ایک علیحدہ ذات بن جاتا ہے۔ اس کے افراد کے سپرد صرف مقدس رسوم کی بجاآوری ہی نہیں ہوتی بلکہ اُن تمام علوم کا مدار بھی اُن پر ہوتا ہے جن پر قوم کی ترقی کا انحصار ہے اور ساتھ ہی اخلاق کے جملہ مسایل پر انھیں کا حکم ناطق سمجھا جاتا ہے۔ یونان کی حالت اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ بلاشبہہ وہاں بھی پجاریوں کا بہت بڑا اثر تھا اور اُن کی بے حد عزت کی جاتی تھی لیکن اس اثر کے یہ معنے نہ تھے کہ انھیں ہر بات میں تفوق اعلیٰ حاصل ہو یا کوئی شخص اُن کے احکام کی پابندی پر مجبور کیا جاسکے۔ چونکہ ان کے فرائض کسی خاص دیوتا کی خدمت تک ہی محدود تھے،

تمہید

اور لوگوں کا خیال تھا کہ دیوتاؤں کی خدمت اور زندگی کے لوازمات یہ بالکل مختلف چیزیں ہیں جن میں آپس میں کوئی فطری تعلق نہیں بلکہ اُن میں جو کچھ بھی واسطہ ہے وہ دراصل قوم اور اس کے سپوتوں کی معقول رائے سے پیدا ہوا ہے؛ اسی وجہ سے کوئی شخص ان پجاریوں کے مرتبے کو دیگر افراد کے مرتبے سے بہت زیادہ ارفع واعلیٰ نہیں تصور کرتا تھا - یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم کو اس کلیے سے کہانت کے بعض مرکز خصوصاً ویلفی کا بت خانہ (جس کا دور ریاستی ترک وطن اور جنگ ایران کے درمیان ایک خاص رتبہ تھا) مستثنیٰ کرنا پڑیگا؛ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یونانی ان کہانت خانوں کی کارروائیوں پر آزادانہ تنقید کرنے سے کبھی نہیں جھجکتے تھے - ان میں اخلاق اور زہد و تقوےٰ دونوں موجود تھے، لیکن یہ کسی مافوق الفطرت ہستی کے احکامات کے باعث نہ تھے بلکہ یہ دراصل اس باہمی معاملہ داری کا مظاہرہ تھا جسے فطرۃً ہر فرد بشر محسوس کرتا تھا، حق تو یہ ہے کہ اُن کے اخلاق پر مذہب سے زیادہ مملکت کو اختیارات حاصل تھے - یونانیت کی ممتاز خصوصیت مذہبی اور اخلاقی آزادی ہے اور یہی دراصل اُن کے حصول علم کی طرف توجہ کرنے کا اصلی باعث تھا۔

سیاسیات میں بھی اسی قسم کی آزادی کا تخیل موجود تھا اور یہاں بھی یونان مشرقی ممالک سے متباین نظر آتا ہے باوجودیکہ مشرق میں مطلق العنان حکومتوں اور عظیم الشان سلطنتوں کا ایک عام قاعدہ ہے، پھر بھی یونان میں جو چیز سب سے زیادہ ممتاز نظر آتی ہے وہ چھوٹی چھوٹی جمہوریتیں ہیں، اور یونانی مملکت ایک زندہ عضویت ہے جو اپنے انتظام و انصرام اور اپنے مستقبل کی تشکیل کی خود ہی ذمہ دار ہے۔

باوصف ان تمام باتوں کے یعنی ذہنی اور سیاسی آزادی کو پیش نظر رکھ کر بھی اس رتبے اور حیثیت کا کافی اندازہ نہیں ہو سکتا جو قدیم یونانیوں کو اقوام عالم میں حاصل تھا - محض سطحی طور پر بھی یہ یونانیوں کے خصوصی امتیاز کے لئے بالکل ناکافی ہے، اس لئے کہ گوروسنوں کی ذہنی قابلیت محدود تھی اور ابتدائی زمانے میں ہی اُن کی سیاسی آزادی کا وہ عنصر جس کو یونان میں اس درجہ وقعت حاصل تھی جاتا رہا تھا

تمہید

اس طرح کہ بجائے متعدد انفرادی شخصیات کے ایک واحد سلطنت قائم ہوگئی تھی پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں ایک حد تک ذہنی اور سیاسی آزادی کا مادہ موجود تھا، اور اگر ہم یونانی ذہن وعقل کی انتہائی علوی کیفیت کو معیار قرار دیں؛ تو یہ تعریف بالکل ہی نا مکمل رہ جاتی ہے۔

یونانیوں کے تشخص کی تکمیل کے لیئے ابھی ایک جزو باقی ہے اور وہ اُن کی مخصوص حسّ "حسن وجمال" ("توکالون") ہے۔ اُنھوں نے ادبیات اور فنون لطیفہ کے بہترین نمونے تیار کیے اور علی العموم ایسی مثالیں پیدا کیں جو باستثنائے چند ے اس وقت تک ادیبوں اور نقاشوں کے لیے مایۂ ناز ہیں۔ یہ بہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ (برخلاف اقوام مشرقی اور ازمنۂ جدیدہ کے) مفصلۂ بالا خصائص اُن کی فنی قابلیت کے ممد ومعاون ہوئے ہوں گے جس قسم کے علم ادب اور فنون لطیفہ نے یونان میں نشو ونما پایا اُس کا ارتقا کسی عیسوی ملک یا کسی مشرقی مطلق العنان حکومت میں بالکل ناممکن ہے اور وہ کمابیش مکمّل شکلیں جو یونانی ماہروں نے بنائیں صرف اسی سیاسی اور ذہنی آزادی کی فضا میں پیدا ہو سکتی تھیں جو یونانیوں ہی کا خاص ورثہ تھا۔ یونانی "حسن وجمال" کے اس درجہ فریفتہ تھے کہ ابتدا ہی سے اُن کے اخلاقیات کے لیئے یہی لفظ استعمال ہوتا تھا۔

اگر امور متذکرۂ بالا میں اس رتبے کا صحیح اندازہ کیا گیا ہے جو یونان کو اقوام عالم میں حاصل ہے یعنی اگر ہمیں اُنکی اس وقعت کا اندازہ ہوتا ہے جو اُنھیں ہمیشہ حاصل رہیگی بااین ہمہ ایک امر ضرور ہے جس سے اُن کی اُس قابلیت کا راز معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی ذہانت کو تکمیل کے درجے پر پہنچا سکے؛ اور یہ وہ ادراک تھا جو اُنھیں اصول تناسب کی قدر وقیمت کا تھا۔ "زو فرونزیوتے" کا اصل مفہوم "صحت قوائے ذہنیہ" ہے اور یہ وہ صفت ہے جو یونانی ادبیات اور فنون لطیفہ کو مشرقی فنون سے ممتاز کرتی ہے بلکہ در اصل اسی کمی کی وجہ سے اعلیٰ ترین یونانی تصور کی تشکیل حکمن ہوگئی۔ اگر ان میں تناسب کا احساس نہ ہوتا تو وہ صرف اُن خصوصیات پر ہی اکتفا کرتے جو خوبصورت اجسام میں پائی جاتی ہیں اور اس صورت میں وہ اکثر اپنے خیالات کو مبالغہ آمیزی کے ساتھ ظاہر کرتے۔

تمہید

اس امر کا اظہار کرنے کی بہت کم ضرورت ہے کہ اگر ہم یونانیوں کو اتنی ہی اہمیت دیں جس کے وہ مستحق ہیں تو اس کے یہ معنی ہرگز نہ ہوں گے کہ انھوں نے ہر ایک شعبۂ زندگی میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ عیسویت جیسے مذہب کے ذریعے سے جو بلاشبہہ اُن کے مذہب سے ارفع و اعلیٰ ہے بہترین ادبیات اور اعلیٰ ترین علوم و فنون پیدا ہوں گے اور اس کے دور دورے میں جو کچھ بھی کیا جائیگا وہ عہد ارباب پرستی کی کارگزاری سے کہیں بہتر ہوگا۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے زمانے میں بہت سے ایسے نفسیاتی اور معاشرتی مسئلوں پر غور ہونا ممکن ہے جن سے قدیم یونانی بالکل ہی نابلد تھے اسی لیئے آجکل کے زمانے میں ہم بہ نسبت یونانیوں کے کہیں زیادہ عمیق مباحثہ کر سکتے ہیں۔

سیاسیات کی طرح اخلاقیات میں بھی یہی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ یونانی قوم کی خصوصیات میں چند ایسے نقائص موجود تھے جن سے اُن کے بہترین افراد بھی بری نہ تھے، اور یہ نقائص دراصل اُصول انفرادیت کی اسی محبت کا باعث تھے جو اُن کے عشق آزادی کی گویا بنیاد تھی۔ کسی شخص کا قول ہے کہ وہ ہمارے مفہوم کے مطابق جذبۂ انسانیت کے تخیل سے مطلق ناآشنا تھے۔ اوّل تو ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ”حبّ البشر“ ایک بالکل ہی یونانی تخیّل ہے؛ اور جہاں تک مفصّلۂ بالا الزام حقیقت پر مبنی ہے اس کی اصل وجہ اُن کی مخصوص روش تھی جو مسائل زندگی کے متعلق اُنھوں نے اختیار کی تھی اور یہ طریقہ محض کسی چھوٹی سی شہری مملکت میں ہی کارآمد ہو سکتا تھا؛ لیکن اس طرح ان مظالم کی توجیہ ہو سکتی ہے جس کے تاریخ یونان کے بہترین عہد میں یونانی مرتکب ہوئے ؀

اس کے برعکس اخلاقیات کے دائرے میں یونانیوں کو کسی قسم کی پابندی سے جو نفرت اور اُصول انفرادیت کی طرف اُن کا جو فطری میلان تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے فلسفیوں اور شعرا کی رہبری میں شاہراہ ترقی پر پورے انہماک اور جوش کے ساتھ قدم بڑھایا۔ ہم اس تحریک کا صحیح اندازہ صرف اسی وقت کر سکتے ہیں جب ہم خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ سب کچھ بغیر کسی قسم کے مذہبی دباؤ کے ظہور میں آیا تھا۔[۱]

[۱] جس دور کا ذکر کیا جا رہا ہے اُس کے ادبیات میں جو طرز اختیار کیا گیا ہے وہ غور و فکر اور

تمہید

یونانیوں کی طبیعت میں خیال اور عمل دونوں کا جو تطابق پایا جاتا ہے اُسکی وجہ سے اس قوم میں متعدد افراد ایسے پیدا ہوگئے جن کی مخصوص خصائل اور نمایاں اور ممتاز عادتوں کا مطالعہ ہر ایک دور میں کیا جاتا ہے جس طرح یونان کی مختلف نسلوں، مملکتوں اور گروہوں کو ایک خاص وقعت حاصل ہے اسی طرح وہاں کے سر برآوردہ اور ممتاز افراد نے بھی اپنی وقعت تاریخ عالم پر ثبت کردی ہے، اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان میں سے ہر ایک شخصیت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کریں۔ اگر آج کل کا کوئی مورخ ازمنۂ قدیمہ کے کسی فرد کی جانبداری کرے تو خواہ وہ اخلاقی یا سیاسی اصول پر ہی کیوں نہ مبنی ہو اور اُس کا جذبہ کتنا ہی فطری یا قدرتی کیوں نہ قرار دیا جائے پھر بھی اس سے اکثر بے انصافی سرزد ہوجانے کا احتمال ہے۔ یونان قدیم کے ممتاز افراد کو صرف خصوصیات انسانی کے مختلف الاقسام نمونے سمجھنا چاہیے اور اُن پر غور کرنے میں محض اسی کا لحاظ کرنا چاہیے۔

اس بیان سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یونان کی تاریخ مرتب کرنے والے کو وہاں کی سیاسی ترقی کا بیان ذہنی اور فنی ترقی کے ذکر سے علٰحدہ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ تاریخ جس میں ان مرکزی اصولوں پر جو یونان کی حیات و ممات کی گویا بنیاد تھے بحث نہ کی جائے بلکہ اس میں سیاسی ارتقا کا ہی تذکرہ ہو، ہرگز مکمل نہیں کہی جاسکتی۔ اگر ہم سے تاریخ یونان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لئے کہا جائے تو ہم پہلے حصّے میں اس اثر کو بیان کریں گے جو اصول انفرادیت نے (جو اُن کے جملہ افعال کی گویا جان تھا) یونانیوں پر ڈالا تھا، اور دوسرے میں اُن کے فنی ارتقا کا ذکر کریں گے، لیکن

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ بحث و مباحثے کا ہے اور یہ اُسی طریقے سے بالکل متفائر ہے جو آجکل مروّج ہے اور جو ایک حد تک محض عقیدہ پرستی پر مبنی ہے۔ یونانی فنون لطیفہ میں ابتدا ہی سے بحث و مباحثے کا طرز جاری ہے؛ اور گو سیاسیات کے میدان میں جو کچھ یونانیوں نے حاصل کیا وہ ہمارے لئے کسی طرح نمونہ نہیں بن سکتا لیکن یہاں بھی ہمیں اُن کی داد دینی چاہئیے کہ اُنھوں نے ہمیشہ اپنی سیاسی ادارات کی مکمل صورت پیدا کرنے کی کوشش کی، یونانیوں کے حب تناسب کے لئے **پولی بیوس** ۵، ۹ کا مطالعہ کیا جائے۔

تمہید

تاریخ یونان کی تکمیل ان دونوں کو یک جا کرنے سے ہی عمل میں آئیگی۔

یونانیوں کے نزدیک شہری آزادی کا ارتقا اور فنّی نصب العین کی جستجو دونوں کی رفتار دوش بدوش تھی۔ اُن کی سیاسی آزادی اور میدان فنون میں ترقی دونوں ایک ہی مدّت تک جاری رہی، ایک ہی زمانے میں معراج کمال کو پہنچی اور بہ یک وقت دونوں کا زوال شروع ہوگیا؛ اس لیے کہ گو ایک زمانہ ایسا بھی آیا جب معاملات خارجہ میں اُن کی شوکت باقی نہیں رہی تھی لیکن اُس وقت بھی اُنھیں اندرونی آزادی برابر حاصل تھی۔ غرض یہ ہے کہ یونانی تمدّن اور سیاسیات سمجھنے کا صرف ایک طریقہ ہے، وہ یہ کہ ان دونوں کا ساتھ ساتھ مطالعہ کیا جائے۔

ان امور پر بحث کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاریخ یونان کے مکانی و زمانی حدود کیا ہیں۔ اگر یونان کی آزادی کا خاتمہ جنگ خیرونیہ پر ہی تسلیم کرلیا جائے تو پھر اس کے بعد کے واقعات پر قلم اُٹھانا بیکار ہے، لیکن یہ طرز عمل صحیح نہوگا۔ بلاشبہ جو رتبہ اس لڑائی سے پیشتر یونانیوں کو حاصل تھا وہ اسکے بعد زائل ہوگیا، لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ اس کی اندرونی خودمختاری کا ایک جزو باقی رہ گیا اور بہت سی یونانی حکومتیں پہلے ہی کی طرح خودمختار رہیں۔ بہرحال یہ ہرگز مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اسپارٹیوں کی کوشش کہ وہ اپنی قوم میں از سر نو روح پھونک دیں اور اکائیائیوں اور اتولیوں کے وفاقی اصول حکومت کی تخلیق، ان دونوں ممتاز واقعات کو ہم اپنے دائرۂ عمل سے خارج کردیں؛ اسی لیئے ہمیں کورنتھ کی بربادی کے واقعات تک چلانا پڑیگا۔ اب رہے جغرافی حدود، سو وہ ہر عہد میں برابر گھٹتے بڑھتے رہے ہیں اور جہاں کہیں یونانی معیار کے مطابق زندگی بسر ہوتی ہے وہی مقام تاریخ یونان کے لیئے گویا ایک میدان بن جاتا ہے؛ مثلاً جب نوکراتیس، پانتی کاپیوم اور مسالیہ کا ذکر آتا ہے تو فوراً ہمیں مصر، کریمیہ اور غالیہ پر بحث کرنی پڑتی ہے۔ چونکہ دیار یونان کا کوئی مستقل مرکز نہیں اس لیئے ہماری مشکلات اور بھی بڑھ جاتی ہیں، لیکن یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ مرکزیت کا بالکل ہی فقدان ہے بلکہ کبھی ایک اور کبھی دوسری حکومت دیار یونان کی رہبری کے

تمہید

فرائض انجام دیتی ہے چنانچہ اکثر تو اسپارٹا بعض مرتبہ ایتھنز اور اس سے کم درجہ تھیبز اور مختلف وفاقیتوں کی قسمت کے ساتھ چند روز کے لئے تمام یونان کی قسمت وابستہ ہوجاتی ہے۔

ہمارے خیال کے مطابق تاریخ یونان کو چار مختلف عہدوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دور کے (جو ۵۰۰ ق م تک رہتا ہے) ابتدا میں محض نسلیاتی اور بعد میں تنقیدی مسائل پیش نظر رکھنے پڑیں گے، ہمیں یہاں ایک محض روایتی تاریخ سے کام پڑیگا اور قابل وثوق واقعات کو اخذ کرنے کے لیے اُن کی مکمل جانچ کی ضرورت لاحق ہوگی۔ جہاں تک ابتدائی دور کا تعلق ہے یہ واقعات محض ارتقائے تہذیب کے چند حوادث پر مشتمل ہیں۔ یونان کی سیاسی نشو ونما ایک مکمل اتحاد سے شروع ہوتی ہے جو ایک حد تک مذہبی بنیاد پر قائم ہے؛ لیکن دنیا بہت جلد دیکھ لیتی ہے کہ اس قوم کے اندر بلاد عالم میں پھیل جانے کا مادّہ موجود ہے اور اُن کی مملکتوں کے ارتقا میں ایک خاص ضابطہ پایا جاتا ہے۔ یونان میں دو مہتم بالشان ریاستیں ایتھنز اور اسپارٹا تھیں؛ ان میں سے اسپارٹیوں نے تو اپنے لئے ابتدا ہی میں ایک دستور مرتب کرلیا، لیکن ایتھنز نے اس دور کے آخر ہی میں اپنی شوکت کا سکہ جمایا۔ غرض یہ ہے کہ تاریخ یونان کے ابتدائی دور میں جو چھٹی صدی ق م تک برابر جاری رہتا ہے یونانی نسل کی تشکیل ہوتی ہے اور یونانی خصائل ایک مخصوص سانچے میں ڈھل جاتے ہیں؛

دوسرا دور (۵۰۰ ق م تا ۴۰۰ ق م) اس حملے سے شروع ہوتا ہے جو مشرق اور مغرب میں بیک وقت اُس پر کیا گیا اور جس میں یونانیوں نے اپنے دشمنوں کو خاص ارض یونان اور سسلی دونوں میں شکست فاحش دی۔ ان فتوحات سے یونان کی ذہنی اور سیاسی کیفیات میں شباب کے آثار نمودار ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس میں ضعف کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے۔ یونان کی ترقّی کا اصلی سبب یہ تھا کہ اُس میں متعدد ریاستیں ایک دوسرے کی معاونت پر ہمیشہ کمربستہ رہتی تھیں؛ اور صرف یہی تنوّع اُن کی بربادی کا بھی باعث ہوا۔ دوریانیوں اور ایونیائیوں نے مشرق اور مغرب میں ایک دوسرے سے لڑنا شروع کیا، بعد ازاں

تمہید

مشرق میں تو ایونیائی ایتھنز نے اور مغرب میں دریانی سرقوسہ نے سیاوت حاصل کرلی جو مدّت دراز تک برابر قائم رہی؛ آخر کار گو دریانیوں کو ہی فتح حاصل ہوئی لیکن ایتھنز کو یہ تفوّق حاصل رہا کہ اُس نے ان تمام اوصاف کو جو علوم و فنون میں یونانیوں کو حاصل تھے یک جا کر کے اُن کی قابلیت کو بدرجۂ اتم مکمّل کردیا۔ گو یہاں بھی انحطاط کی ابتدائی جھلک نظر آتی ہے، باایں ہمہ ان ایّام کی ابتدائی کیفیات بھی ایک مخصوص شان سے خالی نہیں اور یوریپدیس سوفوکلیس کا ہرمعنی میں صحیح جانشین ہے۔ غرض یہ ہے کہ تاریخ یونان کے دوسرے دور میں جو پانچویں صدی ق م میں ختم ہو جاتا ہے یونان پایۂ کمال کو پہنچ گیا اور ساتھ ہی اس کے تہذیب و تمدّن کو زوال بھی شروع ہو گیا؛

تیسرے دور میں (۴۰۴ ق م تا ۳۳۸ ق م) مشرقی اور وسطی یونان کے اندر اسپارٹا کے برابر کوئی اور مملکت ذی اثر نہیں باقی رہتی اور تھبز کے ساتھ اُس کو ایران کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ مغرب میں سُرقوسہ کو سیادت حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کے طرزِ عمل پر قرطاجنہ کے ساتھ باہمی تعلقات کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اب مشرق اور مغرب دونوں میں شمالی اقوام تماشاگاہ یونان پر نمودار ہوتی ہیں؛ مغرب میں تو اُنھیں کسی قدر نیچا دیکھنا پڑتا ہے، لیکن مشرق میں مقدونیہ کی نیم ملکی ملوکیت کے سر ہی سہرا رہتا ہے اور وہ یونانی مملکتوں کے خارجی اثر کا خاتمہ کردیتی ہے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس تیسرے دور میں یونانیوں کی سیاسی زندگی کا آخری مرتبہ اچھا ہوتا ہے اور مشرق میں چھوٹی چھوٹی یونانی مملکتوں کو سرنگوں ہونا پڑتا ہے؛

چوتھے دور میں (۳۳۸ ق م تا ۱۴۶ ق م) یونان روز بروز مقدونیوں کا ایک کھلونا بنتا جاتا ہے؛ لیکن ساتھ ہی مقدونیہ کی سیادت میں یونانی دیارِ مشرقی میں جا کر اپنی تہذیب اور تمدّن کی مشعل روشن کرتے ہیں۔ مغرب میں یونانی نوآبادیاں قرطاجنہ کے خلاف جنگ آزما ہو کر اپنی خودمختاری قائم رکھتی ہیں لیکن رومۃ الکبریٰ کے سامنے وہ بھی ہتھیار ڈال دیتی ہیں اور یہی حشر آخر کار اقلیم یونان کا بھی ہوتا ہے۔ الغرض اس چوتھے دور میں جسے اکثر "دورِ یونانیت"

کا بھی لقب دیا جاتا ہے جو جنگ خیرونیہ سے شروع ہو کر ممیس کی تاراجی کورنتھ تک چلتا ہے، یونانی تمدن بڑی بڑی غیر یونانی اقوام میں پھیل جاتا ہے اور اسمیں خود مختار حکومت کو بحال کرنے کی آخری مرتبہ کوشش کی جاتی ہے۔ یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ یونانی اقوام خصوصاً مشرقی یونان کی بلدیات نے سیادت روما کے ماتحت اپنی اندرونی آزادی کو متواتر مستحکم رکھا تھا۔

تاریخ یونان مرتب کرنے کا خیال سب سے پہلے حال ہی کے زمانے میں پیدا ہوا۔ ممکن ہے کہ یونانیوں نے بھی اپنی تاریخ مرتب کرنی چاہی ہو اس لیے کہ وہ ہمیشہ اپنا اور غیر یونانیوں کا مقابلہ کیا کرتے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی یونانی نے کبھی تاریخ یونان کے موضوع پر کچھ نہیں لکھا، اور خود ایفوروس کے تذکروں میں یونانی اور غیر یونانی دونوں قوموں کے حالات موجود ہیں۔ زمانۂ حالیہ میں انگریزوں نے ہی سب سے پہلے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اگرچہ جرمانیوں نے بھی اس میدان میں بے حد ترقی کی ہے اور گرتیوس کی فاضلانہ تصنیف فنی حیثیت سے کمال کو پہنچ گئی ہے، ساتھ ہی ڈنگر کی تاریخ فن تنقید اور تفسیر نویسی کا بدرجۂ اتم مظہر ہے، بااین ہمہ گروٹ کی تاریخ ہماری پوری تعریف و توصیف کی مستحق ہے، وہ ہر ایک تفصیلی واقعے کی تحقیق و تفسیر کا گویا ایک نمونہ پیش کرتی ہے اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے مولف کو یونانی سیاسیات اور یونانیوں کی خصوصیات پر پورے طور پر عبور حاصل تھا۔[1]

---

[1] ہمارا ارادہ ہے کہ اپنے حواشی میں صرف اُن کتابوں کے حوالے پر اکتفا کریں جن کا ذکر اشد ضروری ہے اور محض اہم ترین اسناد اور زمانۂ حالیہ کی تصانیف کے اقتباسات درج کریں۔ قدیم یا جدید مورخین یونان کے حالات سے اس کتاب کو اتنا ہی بُعد ہے جتنا تاریخ ادبیات سے۔ ہمارا انتخاب ہمیشہ مضمونی ہوتا ہے اور ہم ہمیشہ اس نکتہ چینی کے لیے تیار رہتے ہیں کہ ہم نے فلاں اہم واقعہ نظر انداز کر دیا۔ یا فلاں معاملے میں جو آخرترین تحقیقات ہوئی ہے اُس سے مدد نہیں لی۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر مواقع پر ہم اپنے حوالوں کو ضرورت سے زیادہ مختصر نہیں کر سکتے۔ بہر حال اگر کسی کو تاریخ یونان کا مطالعہ کرنا یا

تمہید

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس کتاب کے اصول سمجھنا ہے تو اُس کی رہبری کے لیے ہم مفصلۂ ذیل
امور کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اول تو پڑھنے والے کو تاریخ یونان کی دو کتابوں کا مقابلہ کرنا چاہیے یعنی
(۱) فیشر کا مضمون تاریخ یونان کے متعلق آخرترین کتب "مکتوبات مختصر" جلد ۱، لائپزگ ۱۸۶۷ء
(Kl. Schriften) اور مہافی "مسائل تاریخ یونان" Mahaffy: Problem
In Greek History (لندن ۱۸۹۲ء) انکے علاوہ منجملہ موجودہ زمانے کی تصانیف کے مفصلہ ذیل
ضرور مطالعے کے قابل ہیں:۔ (۱) گروٹ: "تاریخ یونان" (Grote: History
of Greece) ۱۲ جلد، لندن ۱۸۴۶-۵۵ء، اشاعت ہائے مابعد۔ جرمن ترجمہ، اشاعت دوم، ۶ جلد،
برلن ۱۸۸۰ء (۲) کُرتیوس "تاریخ یونان" (E. Curtius: Griechische Geschichte)
تین جلد، برلن ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کی اشاعتیں جن میں آخری تحقیقات کا ملخص دیا ہوا ہے۔
(۳) م۔ ڈُنکر: "تاریخ قدیمیات" M. Duncker: Geschichte des Alterthums
جلد ۵ تا ۷، اشاعت ۳ تا ۵، لائپزگ ۱۸۷۸-۸۱ء، سلسلۂ جدیدہ جلد ۱، لائپزگ ۱۸۸۴ء۔ ان کے
علاوہ (۴) تھرل وال: تاریخ یونان Thrill-wall: History of Greece
اور زمانہ مابعد کی تصانیف یعنی (۵) ڈیوریوئی (Durny) جسکی اہمیت خاصکر اسلیے ہے کہ اسمیں
نہایت نادر تصانیف کی نقلیں دی ہوئی ہیں (۶) بوسولٹ: "تاریخ یونان" Busolt: Griechische
(Geschichte)، اشاعت جدیدہ، جلد ۱، ۱۸۹۳ء۔ (۷) ا، ایبٹ: "تاریخ یونان"
(E. Abbot. History of Greece) جلد ۱و۲ (۸) پرسی گارڈنر: "تاریخ یونان کے
چند نئے ابواب" Percy Gardner: new chapters in Greek History
لندن ۱۸۹۲ء میں بھی بہت سی مفید معلومات ہیں۔ (۹) وارڈ فاؤلر "یونان اور روما کی شہری مملکتیں"
Warde Fowler: City States of the Greeks and Romans
لندن ۱۸۹۳ء تاریخ یونان کی ایک نہایت عمدہ تمہید ہے۔ (۱۰) پاپاریگوپولو "تاریخ اقوام یونان"
Historia tou Hellanikou ethnous hypo K. Pappar egopoulou
ایتھنز ۱۸۸۱ء بھی اچھی کتاب ہے۔ ان تمام تصانیف کے علاوہ طالب علم یقیناً چند تصانیف کا ضرور
مطالعہ کریگا جو مخصوص موضوعوں پر لکھی گئی ہیں خاصکر ا، میولر (Ottfr. Muller) کی دو کتابیں یعنی
"اُرخومینوس" اور "دوریانی قوم" ضرور قابل مطالعہ ہیں اور یہ کہنا بیجا نہیں کہ ان دونوں تصانیف میں فاضل مصنف نے
اپنے تبحر اور علمیت کا ثبوت دیا ہے۔ (۱۱) ہے یر کی کتاب "تاریخ قدیمیات" ایک جلد (سلسلۂ تاریخ دیار مشرقی تا ابتداء دولت ایران)

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ
E. Meyer: Geschichte der Uterthums, I Bd.,
Geschichte des Orients bis zur Gruendung des Perserreiches
اشٹٹگارٹ ۱۸۸۴ء تمہید کے طور پر بہت مفید ثابت ہوگی۔
سنویت کے اعتبار سے ہماری بہترین سند یوسے بیوس ہے جس کی آخری اشاعت
A. Schoene: Eus. (برلن ۱۸۷۵-۷۶ء
ا، شیونے کی ادارت میں شائع ہوئی ہے
-chronicorum Lib. II. زمانۂ حال کی سنوی تصانیف میں مفصلۂ ذیل قابل ذکر ہیں۔ ہ، ف، کلینٹن
(N. F. Clinton: Fasti Hellenici) اس کتاب کے تین
"یونانی کاروباری ایام" آکسفرڈ ۱۸۳۴ء
حصّے ہیں، پہلا پندرھویں اولمپیاد تک، دوسرا اولمپیاد ۱۲۴ تک اور تیسرا اگسٹس کی موت
تک، جب رومن جنتری رائج ہوجاتی ہے۔ کلنٹن کی کتاب کے پہلے حصّے کا فیشر اور
Vischer) "تاریخ جدول ہائے ازمنہ"
سیوٹ بیر نے جرمن زبان میں ترجمہ کرکے اُسکا نام
und Soetbeer. Geschichte Zeittafeln) نام رکھا ہے اور یہ التونا میں
۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی تھی اور اُس کے دوسرے حصّے کا ک، و، کریگر نے لاطینی میں
ترجمہ کرکے لائپزگ سے ۱۸۳۰ء میں شائع کیا (K. W. Kreieger) اسکے علاوہ ک، پیٹر کی
C. Peter: Zeittafeln) ہالے ۱۸۷۳ء
"جدول ہائے تاریخ یونان" اشاعت چہارم،
der griech Geschichte) نہایت کارآمد ہے اور اُنگر (Unger) نے اپنے متعدد مضامین
میں بہت سے تفصیلی واقعات کی نہایت عمدہ تحقیقات کی ہے۔ ہمارے لیے بنیادی اسناد
کا مطالعہ اس وقت سے اور بھی آسان ہوگیا ہے جب سے ک، میولر نے "اجزائے تواریخ اہل یونان"
میں بہت سا مواد جمع کردیا ہے جسے ف، ڈیڈو نے پانچ جلدوں میں پیرس سے شائع کیا ہے
C. Mueller: Fragmenta Historicorum Graecorum, F. Didot
Paris, 5 Vols. اور جس میں اصل متن کے ساتھ لاطینی ترجمہ بھی دیا ہوا ہے۔ ظاہر ہے
کہ تاریخ یونان کے لیے کسی قدیم مورخ کی تصنیف کا استعمال محض اس پر منحصر ہے کہ ہم اس خاص
بلکہ شخص کو کس قدر اعتبار و اعتماد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یعنی ہمارے نزدیک وہ کس قدر حق پسند
ہے اور صحیح روایات کا کہاں تک اعادہ کرتا ہے۔ اگر کسی ایسے قدیم مورخ کی تصانیف جس نے
اپنی دیکھی ہوئی باتیں نہ لکھی ہوں ہمارے سامنے آجائیں تو یہ دریافت کرنا مناسب ہے کہ خود
اُس کے ماخذ کا کیا پایہ ہے۔ اس ضمن میں حال ہی میں بہت کچھ تحقیق و تدقیق کی گئی ہے،

بقیۂ حاشیۂ صفحہ گزشتہ۔ لیکن مختلف مورخ کسی خاص اصول پر متحد نہیں ہوئے۔ اس لیے یہ ناممکن ہو گیا ہے کہ اس تحقیقات سے جو عام نتائج نکالے جاتے ہیں انھیں تاریخ یونان کے مہتم بالشان واقعات پر چسپاں کیا جا سکے ۔ یہاں ایک اور امر بھی ملحوظ رکھنا چاہیے؛ کسی زمانے میں یہ خیال عام تھا کہ ازمنۂ قدیمہ کے بڑے بڑے مورخ محض نقل نویس تھے اور مثال کے طور پر یہ دعوےٰ کیا جاتا تھا کہ پلوٹارک میں ان اسناد کے اقتباسات تقریباً لفظ بہ لفظ دیے ہوئے ہیں جن کو اس نے نقل کیا ہے۔ لیکن یہ نظریہ اب مسترد ہو گیا ہے اور اس کتاب کے مصنف نے بھی حتے الامکان کوشش کی ہے کہ اس کی پیروی نہ کی جائے لیکن قابل وثوق اسناد کو مختلف مورخوں کی تحریروں سے بالکل الگ کر دینا کوئی آسان کام نہیں اور مکمل تاریخی ایوان کی تعمیر میں زمانۂ حال کے مورخ کے مخصوص انداز پر بہت کچھ مدار ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر بالفرض ہم کسی خاص سند کو قابل وثوق ٹھیرالیں، تب بھی اس کے جملہ بیانات محض اسی اصول پر مسترد کر دینا ہر حالت میں درست نہ ہوگا۔ صرف اسی حالت میں جب ایک مخصوص واقعہ قابل وثوق انداز سے چند مستند تصانیف میں بیان ہو چکا ہے لیکن اسی واقعے کے متعلق بعض وقائع نگاروں نے غلط معلومات بہم پہنچائی ہیں تو ایسی صورت میں اسے ترک کر دینا مناسب ہے۔ تاریخ یونان کی اسناد کا بہترین خلاصہ اے شیفر نے اپنی کتاب "خلاصۂ مآخذ تاریخ یونان تا پولی بیوس جلد ا۔
A. Schaeffer: A briss der griechischen und roemirschen Quelbnkunder der Geschischte, I, Abth: Griechische Geschichte bis auf Polybins, 3 aufl., Lpz., 1882 میں دیا ہے:

قدیمیات یونان کے نوشتوں کی بنا پر جو تصانیف مرتب کی گئی ہیں ان میں تاریخ یونان پر ایک مخصوص اور مہتم بالشان حیثیت سے توضیح کی گئی ہے۔ علاوہ گلبرٹ کی جھپی تصنیف ("بیاض قدیمیات یونان" جلد ا، لائپزگ ۱۸۸۱ء
Gilbert: Handbuch der Griechischen Staatsalter thumer) دو اور تصانیف کا ذکر کرنا ضروری ہے یعنی ایک توشیومان کی "قدیمیات یونان" (Schoemann: Griechioche Alterthumer) پر دو جلدیں جو اس ماہر مصنف نے نہایت سلیس پیرائے میں لکھی ہیں اور دوسرے سی، ایف، ہرمان C. F. Hermann کی تصنیف جو عمدہ ادبی اقتباسات

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ - کی وجہ سے نہایت کارآمد ہے اور جس کی حال ہی میں از سر نو اشاعت ہوئی
ہے - اس کے علاوہ پاؤلی کے "دائرۃ المعارف" Pauly's Realencyclopadie میں
بہت سے مضامین خصوصاً وہ مختلف اقتباسات کی تفسیر کے طور پر لکھے گئے ہیں نہایت عمدہ ہیں - اسمتھ
کی انگریزی "فرہنگوں" Smith's Dictionaries کے خاصکر وہ حصے جنھیں سوانحی و جغرافی مضامین قابل دید
ہیں کتبوں پر جو تصانیف لکھی گئی ہیں انمیں سے "یونانی کتبوں کا مجموعہ" Corpus Inscriptionum
Graecarum اور "مجموعۂ نوشتہ جات اٹیکا" Corpus Inscriptionum
Atticarum اور وہ بیان ضمنیں جو حال ہی میں مدون کیگئی ہیں یعنی اے ل ہکس کی "کتابچہ نوشتہ جات تاریخ یونان قدیم"
A. L. Hicks: Manual of Greek Historial Inscriptions آکسفرڈ
۱۸۸۲ء اور گ. ڈٹن برگر کی "مجموعہ نوشتہ جات یونان" G. Dittenburger: Sylloge
Inscriptionum Graecarum لائپزگ ۱۸۸۳ء کا مطالعہ کیا جائے نیز نیوٹن کا ایک نہایت عمدہ مضمون
۱۸۸۰ء Newton: Essays on Art and archacology اسکے مضامین فنون و آثار قدیمہ
اور رائناش: یونانی کتبوں کا رسالہ S. Reinach: Traite d' Epigraphic grecque
پیرس ۱۸۸۵ء اور وہ جرمن فرانسیسی اور یونانی جرائد جو ایتھنز میں طبع ہوئے ہیں یعنی "روئداد انجمن آثار قدیمہ جرمانیہ بہ بلدۂ ایتھنز"
Mittheilungen des deutsches archaeologischer Instituts
in Athen "روئداد مراسلات یونانی" Bulletin de correspondence
Hellenique اور جریدۂ آثار قدیمہ Ephemeris archaiologike
اور لندن کا مخزن مطالعات یونانی 'Journal of Hellenic Studies یہ
سب مطبوعات کارآمد ہیں -

ایسے متبحر مصنفوں جیسے فریڈلینڈر، امہوف، ہیڈ، فون سالٹ، سکس، واڈنگٹن
Eriedlauder, Imhoof, Head, Von Sallet, Six Waddington.
وغیرہ کی محنت کا یہ نتیجہ ہے کہ علم سکہ جات کی تعمیر بالکل نئی بنیاد پر شروع ہو گئی
ہے اور اب میونے (Mionnet) کی جامع تصنیف کسی حالت میں کافی نہیں سمجھی جاتی -
عجائب خانۂ برطانیہ میں جو یونانی سکے ہیں اُن کی فہرست آجکل بتدریج شائع ہو رہی ہے، اور اُسکے
وہ حصے جن کا تعلق اٹلی، سسلی، وسطی اور شمالی یونان کے بعض حصوں، ایشیا اور مصر سے
ہے چھپ چکے ہیں، یہ سب مورخین یونان کے لیے کارآمد ثابت ہوں گے انکا نہایت عمدہ ملخص

تمہید

بقیۂ صفحۂ حاشیۂ گذشتہ۔ ب، و، ہیڈ نے اپنی تصنیف سکہ جات اقوام قدیمہ (Barclay
V. Head: coins of the ancients) (لندن ۱۸۸۷ء) میں دیا ہے اور اس کو
سکوں کی تصاویر کے ۷۰ تختوں سے مزین کیا ہے۔ ف، لینورمان کی غیر مکمل تصنیف
"قدیم زمانے کے سکے" F. Lenormant: Lamonnaie dans l' antiquite
میں بہت کچھ مواد موجود ہے امہوف کی کتاب "سکہ جات یونان" Imhoof:Monnaies
greecques اور اسکی تالیف موسوم "قدیم یونانی اقوام کے سکوں کی تصاویر" Portrait koepf
auf antiken Muenzen hellen. Voelker ۱۸۸۵ء) تاریخ کے طالب علم
کے لیے گویا ایک معدن معلومات ہے۔ ان کے علاوہ پرسی گارڈنر کی کتاب "یونانی
سکوں کے اقسام Percy Gardner: Types of Greek coins کیمبرج ۱۸۸۳ء
بھی سبق آموز ہے اور ہلچ "مقیاسیات Hultsch: Metrologie اشاعت دوم
کا بھی مقابلہ کیا جائے۔ جغرافی اہمیت کے لیے دوسرا باب دیکھا جائے۔

دثنیات، تاریخ فنون لطیفہ اور تعمیرات کے مطالعے پر اس کتاب میں زیادہ زور نہیں
دیا گیا۔ ان مضامین کے مطالعے کے لیے جن تصانیف سے بہت مدد ملیگی وہ و، ہ، روشر "قاموس وثنیات"
W. H. Roscher: Lexicon der mythologie لائپزگ، ا، باؤمیسٹر
"تعمیرہائے ازمنۂ قدیمہ" A. Bau-meister: Denkmaler des
Klassischen Aiterthums میونخ، داران برگ و سالیو: "قاموس قدیمیات رومانیہ و یونانیہ"
Daremberget Saglic: Dictionnaire des antiquites
Grecques et romaines پیرس میں اور موخر الذکر ابھی شائع ہو رہی ہے۔
یونانی فنون لطیفہ کے مطالعے کے لیے پیرو اور شپیئے کی کتاب "تاریخ فنون قدیمہ
Perrote et chipiez: —Histoire de l' art (پیرس، آسنہ ۱۸۸۱ء)
dans l' antiquite کے وہ حصے جن میں مصر، خالدیہ، اشور، فنیقیہ اور قبرس
شامل ہیں نہایت عمدہ تمہید کا کام دیں گے۔ ان کے علاوہ طالب علم کو مفصلۂ ذیل کتابوں کا
مطالعہ کرنا چاہیئے (لیکن واضح ہو کہ اس فہرست میں وہ کتابیں شامل نہیں ہیں جو آج سے
بہت پہلے لکھی گئی تھیں)۔ ل، م، و، "تاریخ سنگتراشی قدیمہ" (L.M Michel; History
of ancient Sculpture کولی نیون (Colignon) "تاریخ سنگتراشی قدیمہ"

بقیۂ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جلد ا، پیرس ۱۸۹۲ء ا، ایس، مرے: "کتابچۂ آثار یونان قدیمہ"
A. S. Murray: Handbock of Greek Archaeology اور ڈرم:
"کتابچۂ فن تعمیر" (Durm: Handbuch der architectur) جلد ا "یونانیوں کا فن تعمیر"
Baukunst dex Griechen دوسری اشاعت ڈارمشاٹ ۱۸۹۲ء بیڈیکر (Baedeker)
"کی رہبر یونان و اطالیہ" مین کیکولے (Kekule) کی تمہید نہایت عمدہ ہے۔ تاریخ ادبیات
کے لیے ا، میولر (O. Mueller) کی کلیات (اشاعت جدیدہ)، برنہارڈی، برگک
اور بلاس (Bernhardy, Bergk, Blass) کی کلیات کا مطالعہ کیا جائے۔ فلسفے کیلیے
تسیلر نے (Zeller) اور یونانیوں کی زندگی کے ایک اہم پہلو پر ل، شمڈٹ نے "اخلاق یونان قدیم"
L. Schmidt: Ethik der alten Griechen (۲ جلد، برلن ۱۸۸۲ء) میں بحث
کی ہے۔ ا، کرٹیوس نے یونانیوں کی تاریخی قابلیت پر ایک لکچر دیا ہے جو اس کے "ایام ماضیہ و حالیہ"
E. Curtius: Alterthum und Gegenwart (برلن ۱۸۷۷ء) میں طبع ہوا
ہے اور ساتھ ہی دنیائے یونان کے متعلق اس کے دیگر مضامین بھی جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے
ہیں سب نہایت کارآمد ہیں۔ اسیطرح س، رائناش کی "کتابچۂ لسانیات قدیمہ" S. Reinach.
(Manuel de Philologie classique) اشاعت دوم پیرس ۱۸۸۴ء سے بہت سے
مفید مطالب حل ہوسکتے ہیں اور ایوان میولر کے "قدیمیات" Iwan Mueller: Hand buch
der Klassischen alter thunwiseen schaft نیورڈلنگن ۱۸۸۵ء کی بھی
یہی حالت ہے جسے بہت سے مبصر مل کر تیار کر رہے ہیں اور جو اختتام پر غالباً سات جلدوں تک
پہنچ جائے گی۔ آخرترین تحقیقات سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے ان جرائد سے جو س، کالواری
S. Calvary کے اہتمام سے برلن سے نکلتے ہی بہت مدد ملتی ہے، یہ برسیان میولر کا جریدہ
"کتب نامہ لسانیات" Bursian Mueller: Bibbottoca pailologica. Berlin
اور "ہفتہ وار جریدۂ لسانیات"
(Philologische wochenschrift
ہیں۔

ہمیں اپنے طرز تنقید کی مثالیں دینے کے لیے اتنی بات اور کہنی ہے کہ یونانیوں کو افسانہ سازی
کا بہت شوق تھا اور یہی افسانے ان کے وحشی قصوں اور زمانۂ مابعد کی تاریخ کے بہت بڑے حصے کی
گویا بنیاد تھے۔ حال ہی میں ارڈمانس ڈیورفر (Erdmannsdorfer) نے قصص تاریخ یونان

تمہید

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ - کی طرف ہماری توجہ مبذول کی ہے، یونانیوں نے اپنی تصانیف کے تاریخی زمانے میں سنوسی اصول کو اکثر ترک کر دیا ہے، اور جن اشخاص کا ذکر کیا ہے اُنمیں سے بعض کا تو سرے سے وجود ہی نہیں تھا، لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ ان میں زمانۂ متعلقہ یا نسل متعلقہ کی چند خصوصیات ضرور مضمر ہوتی ہیں اور ان حکایات میں سب سے بہترین کا پایہ تو وہی ہے جو واقعی تاریخ کے اجزا کا ہوتا ہے؛ بدیں وجوہ ان حکایات کو بھی کلیۃً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بجنسہٖ اسی طرح جیسے ایک شاعر کسی شخصیت کا بیان خود مورخ سے بہتر کر سکتا ہے یا جیسے کسی قدرتی منظر کا ہوبہو نقشہ بعض مرتبہ اُسکی حقیقت پر کما حقہٗ مبنی نہیں ہوتا جیسے کسی نقاش کی تصویر؛ اسیطرح تاریخ یونان کے بہترین قصے (مثلاً **سولن** اور **کریسیوس** کا قصہ یا **اگارستے** کے عشاق کا قصہ) نفس مطلب کے لحاظ سے ان واقعات سے زیادہ حقیقت پر مبنی ہیں جو تحقیقات و تجسس کے بعد معلوم ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے گو **ہیرو ڈوٹس** کی کتاب ۵۰۰ ق م سے پہلے کے واقعات (مثلاً **دوریانیوں** کے حملے سے پیشتر ان کی حالت یا سنوسی تعین) کے لیے کوئی سند نہیں ہے، بایں ہمہ اسے تاریخ یونان میں بہت کچھ امتیاز حاصل ہے؛ **وائڈمان** (Weidmann) کی اشاعت میں اِشٹائن (Stein) کے جو حواشی دیئے ہوئے ہیں اُن سے **ہیرو ڈوٹس** کی تاریخ استناد کا اندازہ کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ لیکن اس کتاب میں جو کافی بلسوط ہے یہ ناممکن ہے کہ ان تمام دقیق اور پر معنی وسائل کا ذکر کیا جائے جو ۵۰۰ ق م سے پہلے کے واقعات مجتمع کرنے کے لیے اختیار کیے گئے ہیں اس قدر بعید زمانے کی روایات کو کسی نئے سانچے میں ڈھالا جائے۔ ان طریقوں میں اس قدر باہمی مغائرت پائی جاتی ہے کہ ان سے دو بالکل مختلف النوع تاریخیں مرتب کی جا سکتی ہیں۔ آجکل یہ عام قاعدہ ہوگیا ہے کہ ذاتی قیاسات اور قدیم روایتوں کو یکجا کر کے دونوں کو ایک لڑی میں پرو دیا جاتا ہے؛ ہمارے خیال میں یہ طریقہ خاصکر ایسی حالت میں جب واقعات کیلیے کسی قسم کی سند موجود نہ ہو نہایت نامناسب ہے۔ اگرچہ وہ امور جنھیں قدیم مورخ واقعات کہتے ہیں محض خود ساختہ اور مخترعہ ہوتے ہیں، اور اُن کی قیمت زمانۂ حال کے نظریوں کے برابر بھی نہیں ہوتی؛ لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ اس مواد میں جو قدیم مورخ چھوڑ گئے ہیں حقیقی واقعات بھی پنہاں ہوں۔ بدیں وجہ ہمارا خیال ہے کہ تاریخ یونان کو ترتیب دیتے وقت روایات اور محض قیاس کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دینا چاہیئے اور ہم نے اس کتاب میں یہی کوشش کی ہے۔

باب اوّل

یونانیوں کا ابتدائی وطن اور یونان میں آنیکے وقت اُنکی تہذیب وشائستگی کا اندازہ

تاریخ یونان کی بنیاد اس واقعے پر ہے کہ تمام یونانی ایک ہی نسل کے افراد تھے اور ابتداءً (و نیز عام طور پر) صرف وہی قبائل جن کا ایک دوسرے سے رشتہ تھا یونانی تہذیب وتمدّن کے بانی ہوئے؛ اس باہمی تعلق کی ظاہری علامت اُن کا ہمزبان ہونا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ محض ہمزبان ہونے سے اس قسم کا تعلق کلّیتہً ثابت ہو سکتا ہے۔ گو یہ اُصول قائم کیا جاسکتا ہے کہ ہمنسل اقوام کی زبان ایک سی ہی ہوتی ہے اور گو تاریخ عالم میں ہمیں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی جہاں یہ کلّیہ قائم نہیں رہتا با ایں ہمہ عام طور پر اسی قاعدے کے مطابق عمل ہوتا ہے، اور اگر نسل اور زبان ایکدوسرے سے متبائن ہوں تو ہمیں فرض کر لینا پڑیگا کہ تمدّن نے محض قومی امتیاز کو مغلوب کرکے لوگوں کے خصائل میں تغیر پیدا کر دیا ہے۔ تاریخ یونان کے مطالعے میں ایک مشکل یہ بھی پیش آئیگی کہ ہمیں جو کچھ معلومات یونانی زبان کے متعلق ہیں وہ زیادہ تر اُس کی ادبیات سے ماخوذ ہیں اور مقامی بولیوں کے متعلق بہت ہی کم واقفیت ہے۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ سرحدی اضلاع میں دراصل یونانی زبان بولی جاتی تھی یا نہیں تاکہ ہم تاریخ یونان کے جغرافی حدود کا تعیّن کر سکیں؛ لیکن ہم کو اکثر یہاں تک دسترس نہیں ہوتی اسی لیے ممکن ہے کہ ہم ایسے ممالک کو یونان میں شامل کر لیں جو اُس میں نہیں تھے یا ایسے اضلاع کو چھوڑ دیں

جو در اصل اُسی میں شامل تھے[1]۔ اس کے علاوہ یونان کی مقامی بولیوں کی لاعلمی سے اور بہت سے نقائص پیدا ہونیکا احتمال ہے کیونکہ کسی قوم کی زبان معلوم ہونے سے اُس کے بہت سے خصائص کا اندازہ ہو سکتا ہے[2] ساتھ ہی اگر ہمارا علم تحریری الفاظ تک ہی محدود رہے تو اس میں بڑا نقص رہیگا۔ بلاشبہہ علم ادب زبان کا گویا شگوفہ ہے لیکن زبان کی صحیح وقعت کا اندازہ کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ ہم قبائلی بولیوں سے بدرجۂ اتم مانوس ہو جائیں؛

باوجود ان تمام نقائص کے یونانی زبان کے مطالعے سے ہمیں یونانی خصائص اور تاریخ کے انکشافات میں بہت مدد ملتی ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ قدیم ترین عہدوں کی تاریخ کے لیے یہ ہی ہمارے لیے واحد سند ہے؛

اس میں کلام نہیں کہ مختلف اقوام عالم در اصل ایک ہی قوم کے مختلف قبیلے تھے؛ آبادی کی زیادتی اور مزید اراضی کی ضرورت پیش آنے پر انھیں اپنا آبائی وطن چھوڑ دینا پڑا اور وہ دیگر اطراف دُنیا میں جا کر بس گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب قبائل کسی زمانے میں ساتھ ساتھ رہتے تھے اور اُن میں کسی قسم کا

---

[1] اصلی مسئلۂ زیر بحث یہ ہے کہ مقدونیوں کو یونانیوں میں شامل کرنا چاہیے یا نہیں۔ فِک Fick کی رائے کے مطابق (جو اُسنے کُون کے جریدے (Kuhn's Zeitschriften) ۲۲ میں ظاہر کی ہے) اسکا جواب اثبات میں ہے۔ اسکے برخلاف گ، مے یر (G. Moyer) کی رائے ہے۔ مقابلہ کیا جائے ڈرواے سَن: "سکندر اعظم" (Droysen: Alex) (۱، ۲)، ۶۹؛

[2] یونانی زبان کی خصوصیات کا کُرتیوس نے اپنی تاریخ یونان (Curtius: Graech. Gesch) (۱، ۲۴) میں نہایت عمدہ ملخص دیا ہے اس سے اُن صفات کا اندازہ ہو سکتا ہے جنکی وجہ سے یونانی قوم معراج کمال کو پہنچ گئی یعنی ان میں نہ تو انتہائی عریت پائی جاتی تھی نہ انتہائی عیش پرستی، نہ بیجد سختی اور نہ بیشمار ملائمت۔ چونکہ ہمیں قدیم یونانی مقامی بولیوں کا حسب دلخواہ علم نہیں اس لیے ہم اُن کے باہمی روابط کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اس زمانے میں اس ضمن میں نہایت عمق کیساتھ تحقیقات کی جارہی ہے اور نوشتوں کی تعداد میں روز مرہ اضافہ ہو رہا ہے اسلیے امید کامل ہے کہ بہت جلد ہماری معلومات بہت بڑھ جائینگی؛

نسلی امتیاز نہ تھا یہاں تک کہ ہم زبان کی ہئیت پر غور کر کے ان اقوام کے متعلقین کو پہچان سکتے ہیں اور ان کی حرکت کی سمت کا تعیّن کر سکتے ہیں۔ ان لسانیاتی مطالعات کا ایک اور بھی فائدہ ہے؛ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب یہ اقوام ایک ہی جگہ رہتی تھیں تو اُن کی تہذیب و تمدّن کی کیا حالت تھی اور وہ اپنے ساتھ اپنے آبائی وطن سے کیا کیا لائے تھے۔ مثلاً اگر ہمیں کسی قوم کی زبان میں زراعت کے مترادف کوئی لفظ ملے اور وہی لفظ بعض دیگر اقوام کی زبانوں میں بھی پایا جائے جس سے اس قوم سے کسی زمانے میں تعلق تھا تو ظنّ غالب ہے کہ جب یہ اقوام ایک دوسرے سے جدا ہوئیں تو ان میں وہ پیشہ موجود ہوگا جو اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے؛ ساتھ ہی ہم یہ بھی دریافت کر سکتے ہیں کہ وہ ملک کونسا تھا جہاں سے یہ سب اقوام نکلیں۔ یہ وہ طریقے ہیں جن کے ذریعے سے علم لسانیات نے اکثر تاریخ تمدّن کی مدد کی ہے۔ اس شعبے میں اے کون (A. Kuhn) اور یعقوب گرم (Jacob Grimm) کے زمانے سے یورپی اقوام اور ان نسلوں کی جن کا انسے رشتہ ہے بہت کچھ تحقیقات ہوئی ہے، اور روز بروز ہم پر یہ منکشف ہوتا جاتا ہے کہ جہاں تک تفصیلی حالات کا تعلق ہے بہت سے امور ہنوز متنازعہ فیہ ہیں لیکن تاریخ قدیم کے لیے زبان کے ایک نہایت عمدہ معدن واقعات ہونے میں شبہہ نہیں؛

سب سے پہلے ہمیں چند سوالات قائم کرنے پڑیں گے جن کا جواب ہمارے لیے ضروری ہے۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ وہ کونسی اقوام ہیں جن کا یونانیوں سے رشتہ تھا اور اس رشتے کی کیا نوعیت تھی؟ تیسرے یونانی اُس ملک میں، جس کو انھوں نے اپنے نام سے منسوب کیا کس راستے سے آئے اور جس وقت وہ یہاں آکر آباد ہوئے تو اُن کی تہذیب و تمدّن کی کیا حالت تھی؟

بالفعل صرف لسانیات ہی کی مدد سے ان سوالوں کا جواب دیا جا سکتا ہے؛ اس لیے کہ گو تیسرے سوال کا ایک حد تک اس معلومات سے جس پر زمانۂ قبل تاریخ کے مطالعات مشتمل ہیں، جواب مل جائیگا پھر بھی ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس دور کے متعلق ہمیں اس قدر کم معلومات حاصل ہیں کہ انسے

باب ۱

تاریخ یونان میں بہت ہی کم مدد ملیگی - بالفرض اگر تحقیقات سے ان مقبروں اور اوزاروں کی تعداد میں گونہ اضافہ ہو جائے جو اس وقت تک منکشف ہوئے ہیں تو بھی ہم کامل وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ ابتدائی یونانیوں کو وہ تہذیب و شائستگی حاصل تھی جس کا ان سے پتہ لگتا ہے؛ ممکن ہے کہ وہ اس قوم کی اُن شاخوں کے آثار ہوں جو ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے تھے یا غیر ملکیوں کی باقیات ہوں اگر ہم ایسے نتائج پر پہنچنا چاہیں جو ایک چھوٹی سی تاریخ یونان میں شامل کرنے کے قابل ہوں تو اس کے لئے ہمیں بہت سے مزید انکشافات کی ضرورت ہوگی ؎

؎ برائے نام قدیمیات قبل تاریخ کی صورت حال نہایت ندرت رکھتی ہے۔ مختلف کھدائیوں سے خصوصاً ان سے جو **شلی مان** کی سرکردگی میں کی گئی ہیں بہت سا ایسا مواد فراہم ہو گیا ہے جس کی چھان بین کے لیے بہت کوشش کی جا رہی ہے اور جس کا بیشتر حصہ قبل تاریخ کہا جا سکتا ہے۔ یونان میں روایات قدیم کی کثرت ہے اس لیے ہمارا فطری میلان یہ ہوا کہ خاص خاص مقامات پر جو انکشافات ہوئے ہیں اُن سے قدیم زمانے کے سورماؤں کا تعلق دکھایا جائے؛ اس طرح گویا یہ بتایا جائے کہ وہ امور جو دیگر ممالک میں قبل تاریخ قرار دیے جائیں وہ دراصل ان واقعات کی گویا تمثیلیں ہیں جو دیگر ماخذ سے جمع کیے گئے ہیں؛ یہی وہ ابتدائی جذبات ہیں جو غالباً اُس متبحر عالم کے ہوں گے جو سب سے پہلے کوئی انکشاف کرے۔ ہمیں اسکا یقین ہے کہ یہ انکشافات اُن ازمنہ کے متعلق ہیں جنھیں عام طور پر پیش از تاریخ کا لقب دیا جاتا ہے اور یہ وہ عہد ہے جس کی بابت ہمارے پاس کوئی تحریری مواد موجود نہیں ہے؛ لیکن ہمارا یہ بھی خیال نہیں کہ یہ سب انکشافات اس دور افتادہ اور بعید زمانے کے متعلق ہیں جنکا اس باب میں ذکر کیا گیا ہے - ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ اولین تاریخ یونان کے لیئے بالفعل لسانیات ہی کی مدد سے کچھ نہ کچھ مواد فراہم ہو سکتا ہے - بلاشبہ جزیرۂ **کتھےرا** کے انکشافات اور **الیوم** کی برآمدہ اشیا دونوں **مستثنیات** سے ہیں اور مقدم الذکر تو درحقیقت اُس جزیرے کی قدیم تاریخ کا بس ایک ہی ثبوت ہے - یونان میں **عصر الحجر** کی باقیات پر **ڈیوموں** نے اپنے مضمون "یونان قبل حکایات و قبل تاریخ" جریدۂ آثار قدیمہ جلد ۱۶ (A. Dumont)

La Grece avant la legende et avant l'histoire, Revue

بہر نہج بالفعل صرف لسانیات ہی ایسا علم ہے جس کی مدد سے ان سوالات کا کسی قدر جواب دینا بھی ممکن ہے؛

منجملہ اُن اقوام کے جن کا ہمیں علم ہے یونانیوں کا چند اطالوی اقوام خصوصًا لاتینیوں، امبریائیوں اور اوسکائیوں سے نہایت قریب کا رشتہ ہے اور ان سے ذرا بعید تعلق کلٹیوں، جرمانیوں، اسلافیوں، ارمنوں اور ایرانیوں سے یعنی اُن اقوام سے ہے جنھیں مجموعی طور پر "ہند و یورپی" کہتے ہیں قیاس غالب یہ ہے کہ ان تمام اقوام میں اطالوی ہی زمانہ دراز تک یونانیوں کے ساتھ رہے اور یہ دونوں قومیں ایک دوسرے سے سب کے بعد علیحدہ ہوئیں لیکن اگر ہم یہ کوشش کریں کہ محض لسانیات کی مدد سے ہی ابتدائی تاریخ یونان کا تسلسل قائم ہو جائے تو ہم فورًا یہ محسوس کریں گے کہ ہمارے بیان میں بہت بڑا امید افزا چھوٹ جاتا ہے؛ ہمیں اطالوی قوم کی جنوبی شاخ، جزیرہ نمائے بلقان کے جنوبی نصف اور ایشیائے کوچک کی زبانوں کا بہت ہی کم علم ہے، حال آنکہ یہی وہ قومیں ہیں جن سے زمانۂ مابعد میں یونانیوں کا سب سے زیادہ ربط ضبط رہا اور جن کے ساتھ وہ بہ نسبت دیگر اقوام کے بہت زیادہ عرصے تک متفق و متحد رہے ہوں گے۔ ہم یہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ افروجیوں، تھریسیوں، الیریائیوں اور مساپیوں سے یونانیوں کا کس قسم کا تعلق تھا، نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ان اقوام میں کونسی قوم نے سب سے پہلے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ Archeologique T. Xui اور لامپروس نے اپنی کتاب "مطالعات" (Sp. Lampros: Meletemata) (ایتھنز ۱۸۸۴ء) میں بحث کی ہے۔ او، شراڈر نے جو رائے اپنی کتاب "لسانیات متقابلہ و تاریخ دور ابتدائی" (O. Schrader; Sprach ver-gleichung-und Urgeschichte) صفحہ ۲۱۰ پر ظاہر کی ہے وہ ہماری رائے کے مطابق ہے۔ ہمیں ان انکشافات کو اس لیے نامناسب اہمیت نہیں دینی چاہیے کہ ان سے وہ بالکل غیر معلوم امور کی بابت ہیں ایک تو قوم اور دوسرے وہ دور جن سے ان اشیاء کا تعلق ہے یا اسی وجہ سے بڑے بڑے متبحر علما میں بھی ایسے مباحث جیسے دریائے پو کے وادی میں جھیلوں کے مکانات پر بھی اختلاف رائے رہتا ہے؛

اُن کا ساتھ چھوڑا اور کونسی نے بعد میں؟ مثلاً کیا افروجیوں نے اپنے اعزہ و اقارب کو سب سے پہلے خیرباد کہا، اس کے بعد تھریسیوں نے اور سب کے بعد الیریائیوں اور مسایپیوں نے؟ کیا کبھی کوئی زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب ان اقوام کی مفارقت کے بعد یونانی اور اطالوی ایک دوسرے کے ساتھ بطور "اطالو یونانیوں" کے رہے؟ ہم ان سوالوں کا جواب کماحقہٗ تیقّن کے ساتھ نہیں دے سکتے۔ جن یورپی زبانوں کا ہمیں علم ہے اُن کی مثال بالکل اس میزانِ الوان کی سی ہے جس میں ایک دو بنیادی رنگ مع تمام ارتقائی رنگوں کے بالکل مفقود ہوں؛ ایسے رنگوں کو صحیح نوعیتوں میں تقسیم کرتے ہوئے جو دقت پیش آئیگی وہ ظاہر ہے۔ اگر ہم کو یہ پتا لگ جاتا کہ وہ کونسی قوم ہے جو نسل کے اعتبار سے یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان رکھی جاسکتی ہے تو اس کی مدد سے ہمیں خود یونانیوں کی اصل کے متعلق مزید معلومات حاصل ہو جاتیں۔ ان "ہند و یورپی" زبانوں کی ایسے درخت سے بھی تشبیہ دی جاسکتی ہے جس کی بہت سی شاخوں پر پردہ پڑا ہوا ور ہمیں یہ بھی نہ معلوم ہو کہ ان شاخوں کا جو ہماری نظر کے سامنے ہیں ایک دوسرے سے اور ان شاخوں سے جو ہماری نظر سے اوجھل ہیں کیا رشتہ ہے، نہ ہم اس سے واقف ہیں کہ اصل تنے کے کس حصّے سے یا کس ڈالی سے وہ شاخ جسے ہم یونانی کہتے ہیں نکلی ہے۔ ہم فرض کرلیتے ہیں کہ افروجیہ سے سسلی تک بہت سی ہم نسل اقوام پھیلی ہوئی تھیں جنھیں ہم افروجی، ٹرویائی، تھریسی، مقدونوی، الیریائی، اسپائیروسی، یونانی، اطالوی، مسایپی، کائونیائی، اوئے نوتری، صقالی اور سکانی کا لقب دیتے ہیں؛ یونانی اسی شجرے کی ایک شاخ تھے۔ ممکن ہے کہ بعض مورّخوں کی رائے کے مطابق ان ہم نسل اقوام کا ابتدائی مسکن اندرون براعظم ایشیا میں نہ ہو بلکہ سرزمین یورپ ہی ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یونانی قوم کا ایک حصّہ ایشیا سے یورپ نہیں آیا، بلکہ اس کے برعکس جن واقعات کا ہمیں علم ہے ان کے لحاظ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یونانی اس ملک میں دو مختلف سمتوں سے داخل ہوئے، ایک تو جزیرہ نمائے بلقان کے شمالی حصّے سے بجانب جنوب اور دوسرے ایشیائے کوچک سے بحیرۂ ایجیین ہوتے ہوئے

بجانب غرب۔ اگر یورپ ہی یونانیوں کا جنم بھوم تھا تو ہمیں یہ فرض کرلینا پڑیگا کہ وہ تھریس پہنچ کر متفرق ہو گئے ہوں گے اور آخرکار ارض یونان میں از سر نو مل گئے ہوں گے۔
اب تیسرے سوال کو لیجئے، یعنی جب یونانی یونان میں آکر آباد ہوئے تو اُن کی تہذیب و تمدن کی کیا حالت تھی؟ اس کا جواب علم لسانیات یہ دیتا ہے کہ یہ قوم کسیطرح غیر مہذب نہیں کہی جا سکتی۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ "ہل چلانے" اور "ہل" کو یونانی "آرو" اور "آروترون" (Arow, Arotron) اور رومن "آرو" اور "آراترم" (Aro. Aratrum) کہتے تھے تو ہم فوراً اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو انھیں فن کاشتکاری سے واقفیت حاصل تھی۔ حال ہی میں اس نظریہ کے خلاف کہ یونانیوں کی تہذیب کا پایہ بلند تھا نہایت مناسب پیرایے میں صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے اور اس میں شبہہ نہیں کہ فن زراعت میں بھی انھوں نے بہت زیادہ ترقی نہیں کی ہوگی عہ، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھیں اس فن میں ضرور کچھ نہ کچھ معلومات تھی۔ وہ متواتر خانہ بدوش نہ تھے بلکہ جہاں تہاں قیام کرتے اور پھلوں کے درخت، باجرا، جوار اور جو بوتے تھے۔ باقیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جزیرۂ تھے راسکے ابتدائی باشندے زراعت سے واقف تھے، لیکن اگر وہ اپنے ساتھ ساتھ بیج کیلیے اناج لیے پھرتے تھے تو اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے پاس انگور کے قلم بھی رہتے ہوں گے، اس لیے کہ اول تو انگور کی کاشت اور ثمرباری کے لیے مختصر موسم گرما کافی نہیں ہوتا، دوسرے روٹی کی طرح شراب ضروریات زندگی میں نہیں ہے، لہذا یہ فرض کرلینے کی مطلق ضرورت نہیں کہ جب وہ یونانی جن کا ہم اس وقت ذکر کر رہے ہیں یونان میں

عہ ف، ہین نے اپنی کتاب "ایشیا سے یونان اور اٹلی کو ترک وطن کے وقت کاشتکاری اور مویشی کی حالت"
V. Hehn: Kulturpflanzen und Hausthiere in ihrem Uebergange von Asien nach Griechenland und Italien. Berlin, 1870 (برلن ۱۸۷۰ء) میں قدیم یونانیوں کے ترقی یافتہ فن کاشتکاری کے متعلق شبہات کا اظہار کیا ہے۔

آئے تو اپنے ساتھ انگور کی بیل بھی لیتے آئے؛ بلکہ جب ہم دیونی سیوس کی آمد کے افسانوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس صریح نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ ابتدا میں شراب خوار نہ تھے، لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ شراب کی ماہیت سے واقف ہوں۔ زراعت سے بھی زیادہ یونانیوں کی زندگی کا مدار مویشی کی پرورش پر تھا خواہ مخصوص مقامات پر ملک کی سطح میں کتنا ہی نشیب وفراز کیوں نہ ہو، یونان کے مختلف دیہات میں زندگی کی تقریباً یکساں کیفیت تھی؛ وادیوں میں اناج کی کاشت ہوتی اور مویشی چرائے جاتے؛ شہد کی مکھیوں سے شہد اور موم، جھاڑیوں سے کھٹے پھل، شکار سے گوشت، مردہ جانوروں سے لباس، برتن اور کمانوں کے لیئے تانت مہیا کی جاتی تھی، بھیڑوں کی اون سے نمدے کی ٹوپیاں (یونانی پیلوس Pilos لاطینی پلیوس Pileus) بنائی جاتی تھیں اور درختوں کی چھال اور ریشوں سے پہلے تو تہ در تہ اور پھر بنا ہوا کپڑا تیار کیا جاتا تھا اور وہ اپنے مٹی کے برتن دھوپ میں تپا کر بناتے تھے۔ جب کوئی قبیلہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا تو اُس کے کمزور افراد گاڑیوں میں سوار ہوتے: وہ قدرتی یا مصنوعی غاروں میں رہتے یا اپنے لیے لکڑی یا ڈالیوں، مٹی یا پتھر کے جھونپڑے بناتے۔ بلا شبہ جس طرح آجکل ان ممالک میں جہاں جھیلیں ہیں لوگ لکڑیوں کو جھیلوں میں گاڑ کر اُن پر مکانات بناتے ہیں ویسے ہی یونانی بھی کرتے ہوں گے، بلکہ خود ہیرو ڈوٹس کا بیان ہے کہ تھریس کے پاؤنیائی اپنے مکانات اسی طرح تعمیر کرتے تھے۔ سنسکرت، لاطینی اور جرمن میں تانبے کیلیے ایک ہی لفظ ہے (Ajas, ais, aes) لہذا ظن غالب ہے کہ اوّلین یونانی قوم دھاتوں کے استعمال سے واقف تھی، لیکن چونکہ یونانی زبان میں تانبے کو "خالکوس" (Chalkos) کہتے ہیں اس لیے ہم فرض کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے اوزار بنانے میں پتھر کے برابر تانبا استعمال نہ کرتے ہوں گے۔

قدیم یونانیوں کے مذہب پر علم لسانیات سے بہت روشنی پڑتی ہے؛ اس سے یہ منکشف ہو گیا ہے کہ یونانی مذہب اور ہندو دھرم میں باہمی تعلق تھا اس سے یونانی وثنیات کا مسئلہ پہلے سے نسبتہً آسان ہو جاتا ہے۔ اب ہمیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وثنیات در اصل اُس زاویہ نگاہ کی جس سے وہ قدرتی مناظر کا مطالعہ کرتے تھے گویا

ایک شاعرانہ شکل تھی۔ اُن کے ذہنی تخیلات کے تنوع کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اُن کی زبان میں ایک طرف تو بہت سی اشیا کے لیئے ایک ہی لفظ تھا اور دوسری جانب بعض الفاظ ایسے تھے جن کے بے شمار معنی تھے؛ لہٰذا جہاں ایک ہی چیز کے لئے بہت سے الفاظ استعمال کیئے جاتے تھے، وہاں اُسی چیز کے اظہار کے لیے مختلف طریقے برتے جاتے تھے۔ مثلاً جرمن، یونانی اور ہندی وثنیات میں گائے، گھوڑے، بھیڑ اور جہاز یہ سب بادلوں کے تخیل کے اظہار کے لیئے استعمال ہوتے ہیں؛ اس کے برعکس بعینہٖ جیسے ایک صفت مختلف اسما کے لیئے استعمال ہوسکتی ہے اسی طرح ایک ہی استعارے کو مختلف معنی پہنائے جاتے ہیں مثلاً "گھوڑے" سے بادل، شعاع، آفتاب، موسم بہار اور سمندر کی لہر سب ہی معنی لیئے جاسکتے ہیں۔ در اصل اسما کے اسی تنوع سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ مختلف ہم نسل اقوام میں کیوں چند ہی ایسے دیوتا ہیں جن کے نام مختلف زبانوں میں ایک سے ہیں؛ ایک ہی تخیل کے مظاہرے کے لیئے اتنے طریقے تھے کہ مختلف اقوام نے ایک دیوتا کے لیئے مختلف نام نہایت آسانی سے تجویز کرلیئے۔ اس کے باوجود بعض نام یونانیوں اور اُن کی ہم نسل اقوام میں ایک سے ہی ہیں؛ مثلاً انکے الٰہ الالٰہہ کا نام **زیوس** (حالت اضافی "**دیوس**") تقریباً وہی ہے جو ہندی خدائے سماوات یعنی **اندر** کا ہے دوسرا نام "دیوش"، حالت اضافی "دیواس" اور دونوں کے لفظی معنی صاف و شفاف آسمان کے ہیں۔ اس کے علاوہ آسمان کے لیئے ایک اور لفظ **یورانوس** ابتدائی زمانے سے برابر چلا آتا ہے اور یہ سنسکرت "ورُناس" کے بالکل ہمشکل ہے جس کے ابتدائی معنی "محیط الکل" یا ڈھکن کے ہیں۔ ساتھ ہی یونانی **ایوس**، لاطینی **اورورا** اور سنسکرت "اوشاس" ایک دوسرے کے بالکل مشابہ ہیں۔ ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یونانی عقیدے کے مطابق آسمان کو جو خاص الوہیت حاصل تھی اور اُس سے جو کرامات ظہور پذیر ہوتی تھیں اُن سب تخیلات کو یونانی اپنے ابتدائی مساکن سے اُس وقت ساتھ لائے تھے جب اُن میں اور اُن کی ہم نسل اقوام میں باہمی روابط وضوابط موجود تھے؛ آسمان سے چونکہ روشنی نکلتی تھی اس لیئے یہ قابل التفات وقابل پرستش تھا۔ لیکن اُن افسانوں میں جن میں دیوتاؤں اور عالم بالا کے موجودات کی بجائے ایسے اشخاص کا ذکر ہے جن کا

باب ۱

معمولی انسانوں سے تعلق ہے انھوں نے بالکل مختلف النوع ہیولات سماوی پر زور دیا ہے اور یہاں بھی یونان اور ہندوستان میں مشابہت پائی جاتی ہے ہندی اشوین کو مانتے تھے اور یہ وہ سوار تھے جنھیں (نعوذ باللہ) دن اور رات نے پیدا کیا تھا؛ اشوین درحقیقت صبح صادق کا دوسرا نام تھا۔ بالکل اسی طرح یونانی دیوس کوری بھی سوار مانے جاتے ہیں جو گاڑیوں اور جہازوں پر سفر کرتے ہیں۔ ہندوستان میں "اندری" راجہ اندر کے مویشی چرا کر انھیں پہاڑ کی ایک کھو میں چھپا دیتے ہیں اور بالآخر وہ اندر کو پھر مل جاتے ہیں؛ یونانی دینیات میں بجنسہ یہی قصہ بار بار دہرایا جاتا ہے۔ ہرقل گریونیس کے مویشی اری تھیا سے چرا لے جاتا ہے جو مغرب الاقصیٰ میں واقع ہے؛ اسی طرح نوزائیدہ ہرمیس اپولو کے مویشی چرا کر ایک غار میں چھپا دیتا ہے۔ ان قصوں میں جو حقیقت پنہاں ہے وہ یہ کہ "اندری" اور ہرمیس دراصل طوفان کے دیوتا ہیں اور مویشی سے بادل مراد ہیں۔ ہندوستان اور یونان دونوں میں دیوتاؤں کے لئے شراب مہیا کی جاتی ہے، ایک ملک میں "سوما" دوسرے میں نکتار اور امبروزیہ؛ ہندوستان کے گندھاروا اور یونان کے قنطار ایک ہی چیز ہیں اور دونوں سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو برسات کے بادلوں کو اڑائے لئے پھرتی ہیں؛ "گندھاروون" اور قنطاروں میں بعض موسیقی کو پسند کرتے ہیں اور بعض بالکل غیر مہذب ہیں۔ یہ یقیناً تعجب کی بات نہیں کہ دونوں قوموں نے خدائے سماوی کا آلۂ حرب بجلی ہے اور پرومتھیوس اور ہندوستانی دیوتا دونوں کے قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیم دیوتا نے دیوتاؤں سے بجلی چرا کر انسان تک پہنچا دی۔ یونان میں بجلی کا دیوتا ہفستائیوس ہے اور یہ ہندوستان میں دو مختلف حیثیتوں یعنی "اگنی" اور "توا اشتر" کی حیثیت سے نمودار ہوتا ہے، اور جس طرح ان دیوتاؤں سے جن کا ہفستائیوس سے تعلق ہے (مثلاً کیکلوپیس، تلخی نیس، کابی ری اور داکتی لی) دراصل فن مہارت مراد ہے، بالکل یہی حالت ہندی رِبھوؤں کی ہے۔ دونوں ملکوں میں طوفان باد و باراں کو دیوتاؤں اور ان کے دشمنوں کی باہمی جنگ و جدال سے تشبیہ دی جاتی ہے اور دینیات کے دونوں سلسلوں میں دیوتاؤں کے قوی ہیکل دشمن ہم شکل ہیں۔

گو اس کا کوئی خاص ثبوت نہیں دیا جا سکتا کہ مفصلۂ بالا حالات یونان کے اولین عہد میں ظہور پذیر ہوئے، لیکن بادی النظر میں ان قصوں سے نہایت ہی قدیم زمانے کا پتہ لگتا ہے اور ہم ان کو یونانیوں کے اوّل ترین مذہب پر محمول کر سکتے ہیں مخصوص طرز پرستش کے باب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دعا کا طریقہ ابتدا ہی سے رائج تھا۔ یونانی بھجن گا کر دیوتاؤں کو اپنی طرف ملتفت کرتے تھے۔ اس عہد کے ابتدائی زمانے میں کسی پینے کی چیز کی قربانی کی جاتی تھی، یعنی ہندوستان میں تو "سوما" کی یونان میں شراب یا مختمرہ شہد کی، لیکن بعض مرتبہ جانوروں کی قربانی کا ذکر بھی سننے میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ترک وطن کے سبب سے بہت سی تبدیلیاں ہوئیں اور مذہب میں نئی نئی بدعتیں پیدا ہو گئیں، اسی لئے ہندی اور یونانی پوجا کے طریقوں میں مکمل یکسانی نہیں پائی جاتی۔ بہت سی باتیں نذر نسیان ہو گئیں اور ان کی یاد اس وقت تازہ ہوئی جب مشرق اور مغرب میں از سر نو تعلقات پیدا ہوئے۔[۵]

---

۵ اس باب کے مضامین کے لئے خاص طور پر شراڈر کی کتاب "لسانیات متقابلہ و تاریخ دور ابتدائی" (O. Schrader: Sprachver-gleichung und Urgeschichte, Jena, 1883) دیکھنی چاہیئے۔ اس نادر تصنیف کے پہلے حصے میں اُس تحقیقات کا ذکر ہے جو لسانیات متقابلہ کی مدد سے تاریخ قدیم پر حال کے زمانے میں ہوئی ہے۔ نیز خاص خاص مسائل مثلاً تدریج معدنیات پر بحث کی گئی ہے اور اوّلین زمانے کی تاریخ نہایت تفصیل کے ساتھ بتائی گئی ہے۔ ماہرین لسانیات کی طرح اس کتاب کا مصنف نہایت غور وفکر کے ساتھ تاریخ تمدن کے مسائل پر بحث کر کے اصطلاح تاریخی تفحص کے لئے گویا ایک مثال قائم کر دیتا ہے۔ اس تحقیقات کی وجہ سے اب یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زمانہ ایسا بھی گزرا ہو گا جب اطالوی اور یونانی بطور ایک "اطالو یونانی" قوم کے یکجا رہتے ہوں۔ شراڈر کی کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر لاطینی اور یونانی اسلحہ کے ناموں پر بحث کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ یونانی اور آریائی زبانوں میں اُن کے نام ایک سے ہی ہیں۔ وہ صفحہ ۴۲۵ پر یہ بھی کہتا ہے کہ تاریخ تمدن کے اعتبار سے یونانیوں اور آریائیوں کے مذہب، زراعت، اسمائے اسلحہ وغیرہ میں یکسانی پائی جاتی ہے۔ ہمارا نظریہ ہے کہ یونانی صرف شمال کی جانب کے بری راستے سے ہو کر ہی نہیں آئے (جیسا شراڈر صفحہ ۴۹۴ اور دیگر مورخ فرض کر لیتے ہیں) بلکہ مشرق کی طرف سے بھی

الغرض ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جب یونانی یونان میں آئے تو وہ آریائی نسل سے تھے، اُن کی طرز معاشرت بالکل سیدھی سادی تھی، اُنھیں فن زراعت کا علم تھا، وہ مناظر قدرت کی، جن کا مظاہرہ روشنی، بجلی، بادل اور بارش کی صورت میں ہوتا تھا، پوجا کرتے تھے، اور ان چیزوں نے اُن کے دینیات کے سلسلے میں جگہ پائی تھی۔ اس قوم کے یونان میں داخلے کے مسئلے پر صرف خیالی گھوڑے ہی دوڑائے جا سکتے ہیں اور انہیں سے غالباً نصف تو شمالی بری راستے اور نصف بحری راستے سے مشرق کی طرف سے آئے ہوں گے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس ملک کے قدرتی حالات سے واقف ہو جائیں، نہ صرف اس لئے کہ اسی خطۂ زمین پر وہ واقعات پیش آئے جن پر تاریخ یونان مشتمل ہے بلکہ اس سے یونانی قوم کی خصائل بخوبی سمجھ میں آ جائیں گی۔ یہ ظاہر ہے کہ باہر سے آنے والی قوم اُس ملک کی مٹی سے تو نہیں بنتی جس میں آکر وہ بود و باش اختیار کرتی ہے لیکن اُسکی اراضی سے اُس کی خصائل پر ضرور اثر پڑتا ہے اور کسی ملک کی جغرافی کیفیات سے اُسکے باشندوں کی تاریخ بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ سمندر کو عبور کر کے یورپی یونان میں داخل ہوئے اور یہ اس نظریے کا مزید ثبوت ہے۔ ازمنۂ ابتدائیہ میں مذہب کی حالت کے متعلق اے، **کون** (A. Kuhn) اور **ماکس میولر** (Max Müller) کی مشہور آفاق کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ **شراڈر** اپنی تصنیف (صفحہ ۲۰ تا صفحہ ۱۴۱) میں ان کتابوں پر بحث کرتا ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، اس لئے مزید اقتباسات کی چنداں ضرورت نہیں۔

باب دُوم

ملک کی جغرافی کیفیت

تاریخ یونان کے مناظر صرف اُسی ملک تک محدود نہیں جو عام طور پر ارض یونان کہلاتا ہے اسی لیئے جو جغرافی خاکہ اس باب میں دیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ وسیع تر رقبے کا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو چیز یونانی خطوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے وہ خشکی نہیں بلکہ سمندر ہے، مشرقی یورپ کے میدانی دریا سب بحیرۂ اسود (پونتوس یوکسی نوس) میں آ کر گرتے ہیں جو ایک طرف تو یورپ کو ایشیا سے جدا کرتا ہے، دوسری جانب بحیرۂ مارمورا (پروپونتس) اور خاکنایوں (بوسفورس و درۂ دانیال) کے ذریعے سے اس کا بحیرۂ روم سے واسطہ ہوجاتا ہے۔ یہاں جو حصہ بحیرۂ روم کا واقع ہے اس کی نوعیت کھلے سمندر کی نہیں، اسی کے ساحلوں، راسوں اور جزیروں میں تاریخ یونان کے گوناگوں واقعات پیش آئے تھے اور ان سب کو یونان کی اراضی کے حصے کہہ سکتے ہیں۔ بدیں وجہ ارض یونان کو تین اجزا میں تقسیم کرنا مناسب ہے یعنی ساحل ایشیا، جزائر اور یورپی یونان۔ پہلا حصہ حدب ایشیائے کوچک کے کناروں کے محاذ میں پھیلا ہوا ہے، اور گو اندرون ایشیائے کوچک کی کیفیت ایران کی طرح بالکل اقلیمی ہے لیکن سمندر کے قریب اس میں پہاڑ، وادی، راسیں اور خلیجیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چونکہ پہاڑوں کے زنجیرے جنوبی ساحل کے قریب ہیں اسلیئے ملک کا ڈھلاؤ شمال اور مغرب کی جانب ہے اور اسی طرف اس کے بڑے بڑے دریا بہتے ہیں۔ مغرب کی طرف ساحل بہت کٹا ہوا ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ارض یونان کی گویا ابتدا ہوتی ہے۔ اس نواح میں بہت سے دریا بہتے ہیں اور اُن کے بیچ میں پہاڑوں کے مختلف زنجیرے ایک دوسرے کے متوازی برابر ساحل تک

بابیلہ

جاکر قریب ترین جزیروں میں نکل آتے ہیں؛ دریا طویل خلیجوں کے بالکل دہانے پر گرتے ہیں اور ان خلیجوں کی وجہ سے مختلف اقسام کے ساحل نمودار ہو گئے ہیں۔ ان دریاؤں میں ہرموس، کیستر اور میاندر سب سے بڑے ہیں؛ ہرموس کے شمال کی اراضی کا سلسلہ جزیرۂ لسبوس میں، ہرموس اور کیستر کے درمیانی زنجیرے کا سلسلہ جزیرۂ خیوس تک اور کیستر اور میاندر کا درمیانی سلسلہ جزیرۂ ساموس کی راس میکالے تک چلا گیا ہے۔ دریائے میاندر کے جنوب کی طرف جو ساحل ہے اُس کی وہی شکل ہو جاتی ہے جو ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل کی ہے، یعنی اونچے اونچے پہاڑ عمیق خلیجوں کا احاطہ کیئے ہوئے ہیں اور کوئی ایسا اہم دریا نہیں جس کی مدد سے ساحل مسطح ہو جائے۔ اس ساحل کے کنارے پر بے شمار جزیرے ہیں جن میں سے سب سے اہم کوس اور رھوڈس ہیں۔ اس کے بعد لسیہ کا مدوّر ساحل آتا ہے اور خلیج پم فیلیہ پر جاکر ارض یونان ختم ہو جاتی ہے۔

اب بحیرۂ ایجین کو عبور کر کے یورپ آئیے۔ چونکہ اکثر جزیرے اقلیمی پہاڑوں کے قدرتی تسلسل کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اس لیئے اُنھیں یورپ ہی سے وابستہ کرنا پڑیگا۔ جنوب میں ایشیا سے یورپ تک جزیروں کا گویا ایک زنجیرہ نظر آتا ہے جس میں کارپاتھوس، کاسوس، کریٹ اور کی تھرا جنوب میں، اور ساحلوں اور جزیروں کا ایک طویل خط شمال میں ہے جو بحیرۂ ایجین کو بحیرۂ تھریس سے جدا کرتا ہے۔ ایشیا میں پہلے تو ایک چوڑی چکلی سطح مرتفع نظر آتی ہے جس کا سب سے اونچا قُلّہ کوہ اَیدا ہے اور جس کے بالکل مقابل جزیرۂ تینےدوس ہے؛ اسی سلسلے کے متعلق تھریسی خرسونیز کا طویل الشکل جزیرہ نما بھی ہے؛ یہ ہیلیس پونٹ کے متوازی چلا گیا ہے اور اُس کے اور تھریس کے درمیان صرف ایک نہایت تنگ خاکنائے واقع ہے۔ یہی سلسلہ آگے بڑھ کر جزائر اِمبروس اور لیم نوس کی صورت میں رونما ہوتا ہے تھریسی ساحل اور اندرون ملک میں تین بڑی بڑی ندیاں یعنی ہبروس، نستوس اور اِستری موں بہتی ہیں اور اُن کے دہانوں پر گویا ساحل کی یکرنگی توڑنے کے لیئے ساموتھریس اور تھاسوس کے جزیرے ہیں۔ شمالی حصّے میں مشرق سے مغرب تک کوہ ہئےموس یا بلقان حائل ہے؛ اس کی شاخیں جنوب کیطرف نکلی ہوئی ہیں،

باب

جزیرہ نمائے خالکدیس بن جاتا ہے جس کا کٹا ہوا ساحل اور تین راس جو ابتدا میں تو زیادہ بلند نہیں لیکن آگے چل کر انھیں کی وجہ سے نقشے پر نہایت ممتاز معلوم ہوتی ہیں۔ خلیج تھرما کی دوسری طرف جو مقدونیہ کے ساحل کو سیراب کرتی ہے وہ عظیم الشان سلسلہ ہے جس کی شاخوں سے اُس ملک کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جو مخصوص طور پر ارض یونان کہلاتا ہے، اور جنوب کی طرف وہ کوہ پنڈوس کے نام سے الیریہ اور مقدونیہ کو، اور پھر ایپائیروس اور تھسلی کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ مغرب یعنی بحیرۂ ادریہ کی طرف بہت سے متوازی زنجیرے اور اُن کے درمیان نہایت عمیق گھاٹیاں ہیں۔ مشرق یعنی بحیرۂ ایجیئن کی طرف آڑی پہاڑیاں حائل ہیں جن کا رُخ مغرب سے مشرق کی طرف کو ہے، اوریہ دیگر پہاڑوں سے مل کر جو شمال سے جنوب کو آتے ہیں سمندر کے قریب پہلے تو مقدونیہ کی اور پھر تھسلی کی سرحد بن جاتی ہیں۔ تھسلی دراصل ایک بہت بڑا طاس ہے جو مشرق میں کوہ اولمپوس، اوسا اور پیلیون سے اور جنوب میں اوتھریس سے محدود ہے، جس کے دریاؤں کا صرف دریائے پے نیوس کے دہانے پر ہی نکاس ہے۔ جنوب میں پہاڑوں نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی ہے، کوہ پنڈوس کے مرکزی زنجیرے کے جو ذرا مشرق کی طرف جھکا ہوا ہے ایتہ ہوتا ہوا پارنا سوس پہنچ جاتا ہے اور وہاں اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو جاتے ہیں جن سے آخر کار جزیرہ نمائے اٹیکا بن جاتا ہے؛ اُدھر تھسلی کا مشرقی حصہ آگے بڑھ کر جزیرۂ یوبیہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور اس کے بعد اس سے اور بہت سے جزیرے بن جاتے ہیں جن میں قریب ترین اندروس ہے۔ اب سمندر ہر طرف ملک میں گھس آتا ہے، اور گو تھسلی کی حالت اب بھی اقلیمی ہی رہتی ہے، لیکن یوریپوس کے ہر چہار طرف کے اضلاع یعنی یوبیہ، لوکرس، فوکس، بیوتیہ اور اٹیکا کو سمندر ہی ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ اب صرف جزیرے باقی رہ گئے، اُن میں سب سے پہلے تو جزائر مدوّر (کیکلادیس) کو لیجئے! اس مجموعے میں مغرب میں تو کیوس، کِتھنوس، سری فوس، اور سفنوس (جو دراصل اٹیکا کا ہی سلسلہ ہے) ہیں، مشرق میں اندروس، تینوس، میکونوس، ناکسوس، اموروگوس (جو دراصل یوبیہ کے ہی تسلسل کی وجہ سے وجود میں آیا ہے) اور

اور وسط میں گیاروس، سیروس، پاروس، یوس اور انافی ہیں جن میں سے یوس اور انافی، میلوس اور تھیرا کے آتش فشاں جزائر میں ایک واسطہ پیدا کرتے ہیں؛

ایتہ اور پارناسوس کے مغرب میں اکارنانیہ، ایتولیہ اور اوزولی لوکرسیوں کا ملک ہے، اور ان سب کی ساخت ایپائیروس جیسی ہے۔ ان کے سامنے خلیج کورنتھ کے جنوب میں پیلوپونیز ہے جو دراصل بہ نسبت ایک جزیرہ نما کے جزیرے سے زیادہ مشابہ ہے اور اسی لیے اُسے "پیلوپ کا جزیرہ" کہتے ہیں، اسکے پہاڑوں کو بیوتیہ اور اٹیکا کی پہاڑیوں سے کچھ تعلق نہیں اور اُس کے مرکزی مجموعے سے جنوب و مشرق کی جانب شاخیں نکلتی ہیں۔ دراصل وہ زنجیرے جو کوہ پنڈوس کے مغرب میں اُس کے متوازی نظر آتے ہیں ایپائیروس میں اکرو کے رونوس، ایتولیہ میں پانئے تولیکوس اور اراکنتھوس کی شکلوں میں رونما ہوتے ہیں، وہ پیلوپونیز میں آکر بہت بلند ہونے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں کے پہاڑوں کا سب سے بڑا جھرمٹ شمالی ساحل کے قریب اکائیہ اور آرکیڈیہ کے درمیان واقع ہے اور اس کی شاخیں جنوب کی طرف نکلتی ہیں جن میں سب سے نمایاں وہ زنجیرہ ہے جو آرکیڈیا اور آرگوس کے بیچ میں ہوتا ہوا لقونیا کے قریب زنجیرۂ پارنون کی صورت میں برابر راس مالیہ تک چلا گیا ہے؛ یہ اس قدر مرتفع ہے کہ اندرونی ملک کے دریا اس سے گزر کر ساحل تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے برعکس آرکیڈیا کی مغربی سرحد کو دریائے الفیوس عبور کرکے اس ملک کی ندیوں کا پانی لیتا ہوا سسلی کے سمندر میں گر جاتا ہے۔ اس کا تعلق صرف مغربی آرکیڈیا سے ہے؛ مشرق میں متعدد گھرے ہوئے طاس ہیں جن کا نکاس ایک حد تک زمین کے نیچے ہو کر ہے؛ انکے اور وادئ الفیوس کے درمیان ایک زنجیرۂ کوہ ہے، اور عظیم الشان کوہ تے گتوس کو بھی جو لقونیہ کو مسینیہ سے جدا کرتے کے بعد راس تےنارومِ پر ہو کر سمندر میں نکل جاتا ہے، اسی کا سلسلہ سمجھنا چاہیے۔ پیلوپونیز کی بڑی بڑی ندیاں بھی ایپائیروس، اکارنانیہ اور ایتولیہ کی طرح مغرب اور جنوب کی سمت میں بہتی ہیں۔ ایونی جزائر کورکائرا، لیوکاس، کیفالے نیہ اور زاکنتھوس کی روش بھی شمال و مغرب سے جنوب و مشرق

کی طرف کو ہے، اور یہ سب شمالی یونان اور پیلوپونیز کے محاذات میں ہی واقع ہیں۔
جزیرۂ کتیھرا بھی دراصل کوہ پارنون کا تتمہ ہے۔
یہ سب اُس ملک کے حالات ہیں جسے یونان کا لقب دیا جاتا ہے۔ اب بحیرۂ ایجین کی چاروں طرف والے ممالک شامل ہیں؛ واضح ہو کہ یونانی آبادی کے حدود اُن مقامات پر غیر معین ہیں جہاں ایشیائے کوچک اور تھریس میں دو بڑے برّاعظموں سے ان کا واسطہ پیدا ہو جاتا ہے، لیکن جس جگہ کوئی غیر ملکی قوم ان پر دست درازی نہیں کر سکتی یعنی یوریپوس، خلیج کورنتھ اور خلیج سارون کے (جو دراصل خلیج کورنتھ کا ہی تتمہ ہے) چاروں طرف وہاں اُس کے حدود قطعی طور پر معین ہیں۔ پیلوپونیز یونانیوں کا گویا ایک مستحکم قلعہ ہے، یہ ایک عظیم الشان جزیرہ ہے جس کا رقبہ ویلز یا ورٹمبرگ کے برابر اور سسلی کا تین چوتھائی ہے، لیکن اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ساحل نہایت کارآمد، اُس کا اندرونی حصہ اقلیمی اور اُسکے جزیرے نما طویل ہیں۔ اگر ہم ایجین اور تھریسی ساحلوں کے محاذی رقبے سے وہ حصہ نکال لیں جس کے حدود جنوب، مشرق اور مغرب میں تو وہی ہیں جو اس پورے ساحلی علاقے کے ہیں لیکن شمال میں وہ اس خط سے محدود ہو جاتا ہے جو کوہ اولمپوس سے کوہ آتھوس ہوتا ہوا جزیرۂ لیمنوس تک چلا گیا ہے (اور اس طرح گویا اس سے بحیرۂ تھریس کے محاذی ممالک کو خارج کر دیں) تو وہ ملک رہ جائیگا جسے ارض یونان کہا جا سکتا ہے اور جو کچھ واقعات اس میں پیش آئے اُن پر قطعی طور سے یونانی ہونے کا حکم لگانا بجا ہوگا۔
یونان کی آب و ہوا پر اُس کے عرض البلد، سمندر کے قرب یا مشرقی بحیرۂ روم میں جغرافی حیثیت اور اُس بحیرے کی شمالی و مشرقی سمت میں کھلے ہونے کا اثر پڑتا ہے۔ جنوب کی طرف یہاں کے مخصوص عرض البلد کے سبب سے بہت سی ایسی اشیا پیدا ہو سکتی ہیں جنکی پیداوار کے لیئے گرمی کی زیادہ ضرورت ہے، لیکن ملک شمال و مشرق کی طرف بالکل کھلا ہوا ہے اور بحیرۂ اسود کی ہر چہار طرف دشت ہی دشت ہیں اسلیئے اسکی گرمی کسی قدر کم ہو جاتی ہے اور موسم سرما خوب سرد ہوتا ہے چونکہ بحری ہوا کا ہر جگہ گزر ہے اس لیئے ہر موسم کی شدت بہت گھٹ جاتی ہے۔ ان تمام اثرات کا یہ نتیجہ ہے کہ یونان میں بہت سی قسموں کے درخت نظر آتے ہیں، اور چونکہ اٹلی کی آب و ہوا نسبتہً زیادہ جنوبی اسلوب کی ہے اس لیئے

باب ۱

یونانی پیداوار اس سے مختلف ہے جو اسی عرض البلد اٹلی میں ہوتی ہے مثلاً ضلع **فتیوتس** میں زیتون پیدا نہیں ہوتا، نارنگی اور نیبو سے قدیم یونانی تو نا واقف محض تھے، آجکل بھی وہ شمالی یونان میں **آرگولس** تک پیدا نہیں ہوتے۔ اٹلی میں ان چیزوں کی کاشت کے لیئے اس قدر جنوب میں جانے کی مطلق ضرورت نہیں، مثلاً بارمی جہاں کا تیل مشہور ہے **فیتوتس** سے دو دقیقہ شمال میں واقع ہے اور سورنتو کی نارنگیاں **آرگوس** سے تین دقیقہ شمال میں پیدا ہوتی ہیں۔ یونان میں صرف دو ضلع یعنی **لقونیہ** اور **مسینیہ** ہی ایسے ہیں جہاں کی آب وہوا جنوبی طرز کی ہے۔ اس ملک کی کھجوریں ملک کے لیئے محض باعث زینت ہیں، ان سے نہ تو رزق مہیا ہو سکتا ہے اور نہ اُن کی کاشت سے کوئی فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ گو وہ پھل جو خاص طور پر جنوبی ممالک میں پیدا ہوتے ہیں یونان میں بکثرت نہیں ملتے۔ لیکن زمین معتدل ممالک کی پیداوار کے لیئے نہایت زرخیز ہے خاصکر اس پیداوار کیلیئے جو دمیتر، دیونی سوس اور اتھینے کے نام کے ساتھ وابستہ کی جاتی ہے*۔ علاوہ مختصر سے موسم سرما کے باقی سال بھر کے معتدل موسم میں ہوائیں کما بیش باقاعدہ چلتی ہیں، یعنی دن کو تو تازگی بخش شمالی ہوائیں اور رات کو ہلکی ہلکی جنوبی ہوائیں۔ بحری راستے بھی بالکل محفوظ ہیں۔ ملک کی اراضی کئی قسم کی ہے؛ زمین میں اکثر چینیا پتھر کی سلیں پائی جاتی ہیں اور جہاں کنکر سطح زمین پر آجاتا ہے وہاں وہ ہوا کی تری جذب کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جزیرہ نماؤں جزیروں اور پہاڑوں پر خشکی زیادہ ہے؛ اس کے برعکس گھاٹیوں اور ظروف کوہی میں مٹی کا وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے پانی جمع ہو جاتا ہے۔ فی الجملہ یونان ایسا ملک نہیں جہاں بلا محنت و مشقت کاشتکار کو تمول نصیب ہو۔ ملک کی مہتم بالشان کاشت اناج ہے اور چونکہ اراضی ہر قسم کی آب وہوا سے متاثر ہوتی ہے اسلیئے اُسکی کاشت کے لیئے بے حد محنت درکار ہے۔ اسی وجہ سے اناج کی پیداوار ملک کی ضروریات کے لیئے نہ تو قدیم زمانے میں کافی ہوتی تھی نہ اب کافی ہوتی ہے۔ الغرض کہ یونانیوں کی قسمت میں محنت لکھی تھی، اور باوجود اس کے بھی رزق مایحتاج میں کمی پڑتی تھی جو وہ بحری تجارت

* یعنی اناج اور انگور (مترجم اردو)

کے ذریعے سے پورا کرتے تھے؛

خلاصہ یہ ہے کہ اس قوم کی عام خصوصیات پر جو ہندی، ایرانی، اطالوی اور جرمانی اقوام کی ہم نسل ہے، ملک کی آب و ہوا اور اراضی کی کیفیت نے خاص اثر ڈالا۔ ہندوستان میں تو قوائے فطرت کو ہر چیز پر غالب آنے کی قابلیت تھی؛ ملک میں عظیم الشان دریا اور رفیع الشان پہاڑ واقع تھے، اور یہ لابد تھا کہ اُس کے مذہب پر ان کا ایک خاص اثر پڑے جس کے سبب سے اس میں انتہا پسندی کا مادہ پیدا ہو جائے۔ ایران کی حالت مختلف ہے، نہ وہاں آباد اضلاع کی زرخیزی اور صحرائی خشکی میں عظیم الشان تبائن پایا جاتا ہے، اسی لیئے وہاں کے مذہب میں اچھے اور بُرے اصول (یعنی یزداں اور اہرمن کی خصوصیات) کا فرق نمایاں ہے۔ لیکن یونان میں جو صورت حال ہے وہ ان سے بالکل مختلف ہے؛ اس میں نہ تو قوائے فطرت غالب ہیں اور نہ کسی قسم کا تبائن؛ بلکہ اُس کی اور اٹلی کی کیفیات میں بہت کچھ ہم رنگی واقع ہوئی ہے۔ ساتھ ہی چونکہ ملک متعدد قدرتی اضلاع میں منقسم ہے اس لیے اسمیں چھوٹی چھوٹی اقوام کے فطری ارتقا کے لیے بہت کافی مواقع موجود ہیں۔ بلاشبہ یونان اور اٹلی کی قدرتی خصائص میں کچھ اختلاف بھی ہے؛ ایک طرف تو اٹلی کا ساحل طویل لیکن خلیجیں اور بندرگاہ کم ہیں، اور اراضی کے زرخیز ہونے کی وجہ سے اطالوی قوم نے کاشتکاری کے فن میں کمال حاصل کیا؛ دوسری جانب یونانی اپنے ملک کے جغرافی حالات سے ملّاح گری اختیار کرنے اور نئی نئی چیزوں کی دریافت کرنے پر مجبور ہوئے۔ فی الجملہ اطالوی قدامت پسند تھے، لیکن یونانیوں میں صرف وہی لوگ پرانے رسم و رواج سے چمٹے رہے جنھوں نے جہاز رانی کا پیشہ اختیار نہیں کیا؛

نوٹ باب ۲

نوئی مان: "جغرافیۂ طبعی یونان مع حوالہ جات متعلق مسئلہ جات قدیمیات"

Neumann: Physical Geography of Greece, with special

reference to antiquity پارسج، بریزلاؤ ۱۸۸۵ء او، برزیان "جغرافیۂ یونان"
Geographie von Griechenland ۲ جلد، لائپزک ۱۸۶۲ء تا ۱۸۷۲ء ھ، کیپرٹ:
"جغرافیۂ قدیمہ" H. Kiepert: Lehrbuch der alten Geographie
برلن ۱۸۷۸ء (اس کتاب کے حصہ ۹ صفحہ ۲۳۹ کا خاص طور پر مطالعہ کیا جائے)
ا، کرتیوس: "پیلوپونیسوس" A. Curtius: Peloponesos گوتا ۱۸۵۱ء تا ۱۸۵۲ء
۲ جلد، نقشوں کے لیئے ھ، کیپرٹ: "نقشۂ یونان و نوآبادیہائے یونان"
H. Kiepert: Modern atlas of Hellas and the Hellenic
Colonies ۱۵ نقشے، برلن ۱۸۷۲ء، خاص خاص نقشوں کے لیئے کرتیوس و
کاؤپرٹ: نقشۂ اٹیکا (انجمن آثار قدیمۂ المانیہ) Curtius and
Kaupert: Map of Attica, published by order of Imperial
German Archaeological Institute ۱۸۸۱ء: اولمپیا، میکا نئے
اور پرگاموس کے نقشے اور ساموتھریس اور لسبیہ کے وہ نقشے جو آسٹروی
تحقیقات آثار قدیمہ کے لیئے تیار کیے گئے، و اثنا، کیپرٹ کا مخصوص نقشۂ ایشیائے کوچک مغربی،
برلن، ۱۸۹۰ء کا نہایت اہم ہے۔ قدیم و جدید سفرناموں میں سے مفصلۂ ذیل کار آمد ثابت ہوں گے:
ڈوڈویل، گل، لیک Dodwell, Gill, Leake: "موریا" لندن ۱۸۳۰ء
ایضاً "شمالی یونان" ۱۸۳۵ء، ایضاً "ممالک پیلوپونیز" Peloponesiaca ۱۸۴۶ء
روس، الرکس، و، فیشر: Ross, Ullrichs, W. Vischer:
"یونان کی یاد Erinnerungen und Eindrucke von Griechenland
اور ہم پر اس کا نقش" ۱۸۵۷ء، ک، بیڈیکر: "رہنمائے مسافران یونان"
K. Baedeker Greece, Handbook for travellers Leipzig 1883
جس کے متن کا اکثر حصہ لولنگ Lolling نے لکھا ہے۔ ہینسن: "ارض یونان"
Hanson: The land of Greece لندن ۱۸۸۶ء

باب سوم

ابتدائی تاریخ یونان کے غیر متیقّن واقعات اور اُن کی تحقیقات کی کوشش

ہماری ابتدا ہی سے یہ کوشش رہی ہے کہ یونانیوں کا جو رتبہ اُن کی ہم نسل اقوام میں ہے اُسے واضح کریں اور یہ دکھائیں کہ جب وہ یونان میں آئے تو اُن کی تہذیب و تمدن کی کیا حالت تھی، ساتھ ہی ہم اُس ملک کی عام کیفیت اور اُن اثرات سے واقف ہو گئے ہیں جو اُس پر پڑتے رہے اور اس طرح تاریخ یونان کے مطالعے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ لیکن جوں ہی ہم اُس کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں ہمیں فوراً چند در چند مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، ہم وہ واقعات معلوم کرنا چاہتے ہیں جو یونانیوں کے یونان میں آنے کے وقت ظہور پذیر ہوئے۔ لیکن مدت دراز تک ہمیں اُن کی تاریخ سے مطلق واقفیت نہیں ہوتی۔

یہ امر مسلم ہے کہ تاریخ یونان کے ابتدائی واقعات بہت دھندلے ہیں لیکن بہت سے مصنفوں کو اس بات کا یقین ہے کہ اُس زمانے کے چند مخصوص طرز کے بڑے واقعات کا تعین ممکن ہے؛ اسی لیے آجکل جو تواریخ یونان سب سے زیادہ مقبول عام ہیں ان میں دوریانی حملے سے پیشتر کے چند ایسے واقعات دیئے ہوئے ہیں جو بعض وحشی افسانوں اور زمانۂ مابعد کی روایات پر مبنی ہیں جنھیں تاریخی رتبہ دیا جاتا ہے۔ میں نے اس کتاب کے چوتھے باب میں ان برائے نام تاریخی واقعات کی کچھ تفصیل دی ہے، لیکن یہاں صرف اس ابتدائی سوال پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ یہ طرز تحقیقات جائز بھی ہے یا نہیں۔

یہ ایک کلیہ ہے کہ تمام تاریخی معلومات کا دارمدار ہمعصر شہادتوں ہی پر ہوتا ہے۔

باب۱

فن تحریر کا یونان میں سنہ ۸۰۰ ق م سے پیشتر رواج نہیں ہوا تھا، اور اس سے پہلے جملہ واقعات خواہ کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں، سینہ بہ سینہ آئندہ نسلوں کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ بہت سے واقعات کا پیرایہ اُن زبانی روایات کی شکل میں بالکل غلط ہو جاتا ہوگا، اور یہ غلطیاں امتداد زمانہ سے روز افزوں ہوں گی۔ یہ افسانے پتا دیتے ہیں کہ اولین واقعات جو یونان میں پیش آئے سنہ ۱۵۰۰ ق م سے پہلے ہی رونما ہو چکے تھے، لیکن یہ فی نفسہٖ ناممکن محض ہے کہ سات سو برس کے بعد کوئی بھی ایسا شخص ہوگا جسے ان کے متعلق کچھ حالات بھی معلوم رہے ہوں گے۔ بلاشبہہ وقائع کو محفوظ رکھنے کے لیے شعر گوئی بہترین تدبیر ہے اور اشعار کی مدد سے بہت سی باتیں بہ آسانی یاد رہتی ہیں، اسی لئے یونان میں بھی حفاظت واقعات کے لیئے یہ ترکیب مفید ثابت ہوئی ہے، لیکن یونان یا کسی اور ملک میں وہ ابتدائی عہد کے حالات محفوظ کرنے کے لیے بالکل بیکار ظاہر ہوئی ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شعر گوئی اور حق پسندی میں کوئی باہمی لگاؤ نہیں؛ یہ غلط ہے اس لیے کہ نظم اور خاصکر زمانۂ قدیم کے لکھے ہوئے اشعار ہمیشہ حق پر مبنی ہوتے ہیں؛ لیکن یہ حقیقت محض عوام الناس کے علم تک ہی محدود ہوتی ہے اور عوام الناس کی حالت یہ ہے کہ وہ کسی لفظ کے صرف ادبی یا اخلاقی معنی لیتے ہیں اور محض عام مطلب یا کسی واقعے کے نتیجے پر نظر رکھنے کے بعد تفصیلی واقعات بالکل ناقابل التفات سمجھتے ہیں۔ ایک ہی واقعے کے بیان کے لیئے مختلف پیرایے اختیار کیئے جا سکتے ہیں، باایں ہمہ یہ ضروری نہیں کہ اس کے عام معانی میں کسی قسم کا فرق پیدا ہو جائے۔ اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ حقیقت واقعات کیا ہے، حالانکہ تاریخ کی بنا اسی حقیقت واقعات پر مبنی ہے۔ بجنسہٖ یہی حالت ابتدائی بیانیہ نظم کی ہے۔ جب شعرا نے بڑے بڑے واقعات ایسے لوگوں کے سامنے بیان کیئے جو ہنوز عالم طفلی سے نہیں نکلے تھے، تو انھوں نے صرف اس پیرائیہ بیان تک اپنے آپ کو محدود رکھا جس سے اُس زمانے کے لوگ آگاہ تھے اور حسب حال تفصیلی واقعات کا انتخاب کر کے چسپاں کر دیئے؛ ان کے لیئے گویا یہی حقیقت تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ ابتدائی انسان اور ہمارے درمیان نہ صرف ماہیت حقیقت میں اختلاف ہے بلکہ جس چیز کی ہماری نظروں میں

ضرورت ہے وہ اُس کے نزدیک ضروری نہیں ۔ہم تاریخ کو ترتیب دیتے وقت اس کے قواعد کا لحاظ رکھتے ہیں، اس لیئے ہم رہبران قوم، اُن کی مدت قیادت، حقوق عوام، اختیارات شاہی اور اسی قسم کے بہت سے امور سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ بلاشبہہ ابتدائی انسان کو بھی ان باتوں سے دلچسپی تھی، لیکن اتنی نہیں کہ وہ ان باتوں کو سینہ بہ سینہ ازمنۂ مستقبلہ کے فائدے کے لیے محفوظ کرے بلکہ ان میں سے بعض معاملات کو تو وہ بالکل بے کار سمجھتا تھا ۔ اسکے برعکس وہ ایسے امور پر زور دیتا تھا جیسے بڑے بڑے سورماؤں کی جاں بازیاں، دیوتاؤں کا اُن کی مدد کرنا، اُن کا حسب نسب اور اُن کی موت کی کیفیات، اور اگر ان باتوں کو وہ شاعری کا جامہ پہناتا تو وہ ایسی شاعری تھی جس سے دشمنیات کی زبان کی خوبو نہیں گئی تھی یعنی اُس کے الفاظ کے وہ معنی نہ تھے جو آجکل سمجھے جاتے ہیں ۔ غرض یہ ہے کہ جب ابتدائی یونانیوں نے اُن واقعات کو منظوم کیا جو انھیں یاد تھے تو اُس وقت انھیں اُن کی تاریخی حقیقت کا مطلق احساس نہ تھا، انھوں نے ایسے امور کو اہم گردانا جنھیں ہم ہرگز اہم نہیں سمجھتے، اور اُن کے اعادے کے لیئے الفاظ کے وہ معانی لیے جو ہمارے مفہوم سے بالکل متغائر ہیں ؛

یہ امر بھی غور طلب ہے کہ آیا ان اشعار میں قدیم زمانے کی وہ روایات اور یادداشتیں مدون ہیں جنھیں ہم ابتدائی تاریخ یونان کی بنیاد قرار دے سکیں ۔ اس خاص طرز کی آجکل یہاں تک مخالفت کی جارہی ہے کہ بعض مورخ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہومر کی نظمیں دراصل محض انفرادی تخیلات کے باغ سبز ہیں[1]۔

---

[1] بینیڈکٹ نیزے نے اُن واقعات کو جو افسانوں سے اخذ کیئے جاسکتے ہیں اپنی تالیف Bened. Niese: Entwickelung der Homerischen Poesie "مجموعۂ اشعار ہومر" (برلن ۱۸۸۲ء) میں جمع کردیا ہے ۔ اس نہایت نادر کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں ہومر کی نظموں کا تاریخ یونان سے تطابق کیا گیا ہے ۔ بلاشبہہ رزمیہ نظموں میں اشخاص اور مقامات کے اختراع نے افسانوں کے نفسیاتی جزو کو خودسرانہ انداز سے اصل سے کہیں زیادہ خوبصورت بنادیا ہے اور چند ترمیموں کے بعد اس فاضل مولف کے نظریئے کارآمد کہے جاسکتے ہیں لیکن ہمیں محض نظریئے کے اعتبار سے بھی ضرورت سے زیادہ

باب۲

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ ابتداءً میں کسی شاعر نے ایک نہایت دلچسپ قصہ گھڑا ا اُس پر دیگر شعرا نے اضافے کیئے اور آخر کار ایک اچھا خاصہ افسانہ بن گیا۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اس اُصول پر کوئی عالمگیر کلیہ قائم کیا جائے تو سخت غلطی ہوگی۔ بلاشبہ جہاں تک تفصیلات کا سوال ہے مختلف شعرا نے اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھا جو چاہا اپنی نظموں میں بھر دیا۔ یہ اس لیئے کہ عوام کے نزدیک اگر کوئی امر تاریخ کے موٹے موٹے واقعات کے مطابق تھا تو اُس کی صحت میں شبہہ کی گنجائش نہ تھی؛ لیکن اس میں بھی شبہہ نہیں کہ مختلف روایات کے مرکزی واقعات صحیح ہوں گے۔ لوگوں کو قدیم سورماؤں کی جاں بازیوں کے حالات سے بہت دلچسپی تھی اس وجہ سے یہ مفروضہ بعید از قیاس نہیں کہ بعض ایسے واقعات ضرور پیش آئے ہوں گے جن کو محفوظ کر لیا گیا ہوگا۔ لیکن عملاً یہ مشکل پیش آتی ہے کہ اس مواد کے اختراع کے نظریئے کو اس طرح محدود کر دینا اور اصل اُس کی صحت بلاچون وچرا تسلیم کرنے کے مترادف ہے؛ گو ہمیں اس کا یقین ہو کہ ہر ایک امر اختراع نہیں کیا گیا پھر بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ ہم کو اس کا قطعی علم ہے کہ کونسی بات سینہ بہ سینہ محفوظ کر لی گئی اور کونسی ایجاد کی گئی۔

لیکن اس پر زور دیا جاتا ہے کہ یونان کے ابتدائی زمانے کے مسلسل حالات موجود ہیں اور یہ سوال پیش کیا جاتا ہے کہ اس صورت میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ مختلف روایات خود بخود عدم محض سے وجود میں آگئی ہوں؟ یہاں ہم بتائیں گے کہ یہ کس طرح ظہور میں آیا:

جو مسلسل تحریریں اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں اُن میں سب سے پرانی (یعنی ہیروڈوٹس) پانچویں صدی ق م سے پہلے کی نہیں، اور قدیم سے قدیم وقائع نگاروں کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نفی کا پہلو نہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ مثلاً، اوئے خالیہ کا ذکر ہرقل کے افسانوں میں آیا ہے، اور اگر ہم اُسکے جغرافی موقع محل سے ناواقف ہوں تو صرف اسوجہ سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ کسی مخصوص شاعر کے دماغ کا ہی اختراع تھا (ورنہ وہ شاعر ضرور کسی مخصوص مقام کا تعین کرتا)، بلکہ اس سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُس زمانے میں کوئی خاص روایت زبان زد عام ہوگی۔ میں نے کہیں اور بھی کہا ہے اور یہاں بھی کہتا ہوں کہ نیبرؔ نے جو نظریئے یونان کی تاریخ نویسی کی بابت قائم کیئے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں؛

جزوی تالیفات کا تعین بھی چھٹی صدی ق م سے پیشتر نہیں کیا جا سکتا۔ اب اس سوال کا کہ ان مورخوں نے اپنا مواد کہاں سے فراہم کیا یہ جواب ہے کہ ان کے سب سے ابتدائی ماخذ تو اشعار اور زبانی روایات تھیں۔ ہومری نظموں میں زمانہ قدیمہ کے دو مخصوص واقعوں کا بیان نہایت عمدہ پیرائے میں دیا ہوا ہے، ان واقعات کیساتھ انھوں نے چند حصے جو "دور رزمیہ" کے نام سے منسوب ہیں، ملا دیئے جس میں جنگ ٹروائے کے افسانوں کا نہایت بسیط اور مکمل تذکرہ تھا۔ ہومری اشعار کی ترتیب کے بعد دوسرے شعرا اٹھے اور ہر ایک نے افسانے مرتب کر کے اُن پر اس دل چسپی کے لحاظ سے جو عوام الناس کو سورماؤں کے کارناموں سے تھی مخصوص رنگ کا اضافہ کر دیا۔ اب شعرا کے ایک نئے مذہب کی ابتدا ہوئی جو اپنے پیش رووں سے زیادہ عملی پہلو لیئے ہوئے تھا۔ یہ ایک قاعدہ چلا آتا تھا کہ بڑے بڑے خاندانوں کے افراد ہمیشہ قدیم سورماؤں اور قومی دیوتاؤں کے نام سے اپنے اپنے نسب ناموں کی ابتدا کرتے تھے، اُس پر طرّہ یہ ہوا کہ اُن خاندانوں نے ہسیوڈی سلسلے کے شعرا کی مدد سے اپنے آباو اجداد کی فرضی تاریخیں مرتب کیں جو "فہرست زناں" اور دیگر تصانیف میں موجود ہے ظاہر ہے کہ یہ سب تاریخیں بالکل خود ساختہ تھیں اور اسمیں واقعات مخترعہ کو مسلسل حالات کا جامہ پہنانے کے سوا کچھ نہ تھا[۲]۔

---

[۱] ازمنۂ قدیمہ کی تاریخ در اصل اُن معزز خاندانوں سے شروع ہوتی ہے جنکی خواہش تھی کہ اگلے وقتوں کے درخشاں کارناموں سے اُن کے خاندانی نام میں چار چاند لگیں، اور زمانہ حالیہ کی تاریخ کی ابتدا اُن پُرزور حکمرانوں سے ہوتی ہے جنھوں نے اپنے کارنامے آیندہ نسلوں کے واسطے چھوڑے۔ یہ دونوں کی حالت بالکل ہمشکل ہے اور دونوں حقیقت کو نظر کے سامنے سے ہٹا دیتے ہیں۔ مصری تاریخ سے ہمیں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ موخر الذکر اور مقدم الذکر میں کچھ زیادہ فرق نہیں اور اسی بنا پر ہم تاریخ بابل پر بھی اپنا قیاس دوڑا سکتے ہیں۔

[۲] "دور رزمیہ" کے لیئے فون وِلاموو تز میولینڈورف کی کتاب "تحقیقات ہومر"
Von Willanowitz-Moellendorf : Houerische Untersw chungen
برلن ۱۸۸۴ء کا مطالعہ کیا جائے۔ مقامی رزم گو شعرا میں سب سے مشہور آسیوس ساکن سماموس

باب ۳

چھٹی صدی ق م میں جب وقائع نگاروں نے شعرا کے کام کا سلسلہ جاری کیا تو
اُن کے پاس اس قسم کا مواد موجود تھا۔ اُنھوں نے اپنا مقصد لوگوں کو تعلیم دینا قرار
دیا نہ کہ اُنھیں محظوظ کرنا، اور اپنی تالیفات نثر میں مرتب کیں۔ چونکہ اُنھوں نے اکثر مواد
تحریری تواریخ سے اخذ کر کے واقعات ایجاد کرنے سے اصولی طور پر گریز کیا اس لیئے
اُن کی تالیفات میں تھوڑا بہت تاریخی رنگ پایا جاتا ہے۔ اشعار تو ہمیشہ دل کو
خوش کرنے کے لیئے پڑھے جاتے ہیں، لیکن تاریخ میں سنویت کا لحاظ بھی کرنا پڑتا ہے،
اور سنوی تسلسل قائم کرنے کے لیئے صرف اس کی ضرورت تھی کہ ہسیپوڈ کے مخصوص
طرز پر عمل کیا جائے۔ اُنھوں نے اپنی تالیف کا خاکہ انسانی پشتوں کی تعداد سے تیار
کیا اور ترتیب واقعات میں یہ اُصول مدّ نظر رکھا کہ بہت سے اشخاص کو ہم عصر کر دیا جائے۔
واضح ہو کہ اسی اُصول پر شعرا بھی عمل کر چکے تھے، اور اشعار میں بھی بہت ہی کم ایسا ہوتا
تھا کہ سورما اپنی جاں بازیوں کو محض اپنے وطن مالوف تک ہی محدود کریں؛ وہ
ایک دوسرے سے برابر ملتے رہتے تھے اور یا تو دوست کی حیثیت سے کسی اور کے ساتھ
پیش آتے ورنہ دشمن کی حیثیت سے جنگ آزما ہو جاتے؛ اسی طرح اگر کوئی مقام کسی
زمانے میں کسی خاص واقعے کی رزمگاہ رہ چکا ہو تو مقامی سورما کبھی تنہا نہیں ہوتے
بلکہ امتداد زمانہ سے اور لوگ بھی ان کے ساتھ شامل کر دیئے جاتے۔ یہی وجہ ہے
کہ ازمنۂ رزمیہ کے اکثر واقعات میں ہم زمانگی پائی جاتی ہے اور مختلف پشتیں یکے بعد دیگرے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ اور **یومیلوس** ساکن کورنتھ ہیں (آٹھویں صدی ق م)؛ ان کے علاوہ
لیمپانہ رینہ ... واقعات **ہرقل**، مرتب کیئے؛ تقریباً سنہ ... ق م میں **ستیسی خوروس**
نے، جو ایک رزم گو شاعر تھا اپنے اشعار عزماری بحر میں لکھے۔ چھٹی صدی ق م میں اخبار نویسوں
کی تصانیف کی ابتدا ہوتی ہے (ان کا یہ نام **طوسی دیدیس** ۱، ۲۱ کے ایک فقرے کی غلط
تاویل سے پڑ گیا) مقابلہ کرو **کروئیتسر**: تاریخ فنون یونانیان سلسلہ ۱۸۰۲ء و ۱۸۰۸ء (Kreuzer:
Histor, Kunst der Griechen F.) ؛ **شیفر**: "تحقیقات" (A. Schaefer:
Quellenkunde) حصہ ۱؛ **میولر**: "اجزائے تاریخ یونان" (Mueller Fragmenta
Hist. Gr.) خاصکر جلد ۱۔

ایسی گزرتی ہیں جو تمام یونان کے لیے کسوٹی معیار قرار پاتی ہیں۔ شعرا ہی نے اس طرز عمل کی بنیاد ڈالی تھی، لیکن بہت سی جگہ ان کے اشعار متضاد معانی سے بھرے ہوئے تھے۔ اب واقعہ نگاروں نے ان شعرا کا کلام مستند سمجھ کر متضاد واقعات کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا، بعض اشعار کو بالکل نکال دیا اور جہاں کہیں انھیں اختلافات یا غیر امکانی کیفیات نظر آئیں وہیں قلم پھیر دیا۔ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جس زمانے کے حالات ان افسانہ آمیز تواریخ میں بیان کیئے گئے ہیں اس کے واقعات کی ترتیب میں افسانوں کی صحت کا یقین کر لیا گیا تھا، اسی لیئے انھوں نے خوب جان بوجھ کر مختلف افسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔

ان روایتی سورماؤں اور واقعات میں دو قصے نہایت ممتاز و نمایاں نظر آتے ہیں، ایک تو ہرقل کی شخصیت اور دوسرا جنگ ٹروائے کا واقعہ۔ یہ دونوں مرکز ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہیں، ایک کا دائرہ دوسرے سے بالکل متغائر ہے، اور ہرقل کے ساتھی وہ اشخاص ہیں جو آگے میم نون کے ساتھ ہیں لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ ہرقل کی شخصیت سب سے زبردست بیان کی گئی ہے اور اس میں اور دیوتاؤں میں کچھ زیادہ فرق نہیں رکھا گیا اس لیئے یقینی بات ہے کہ وہ جنگ ٹروائے کے سورماؤں سے پہلے ہوا ہوگا۔ ان دونوں افسانوں سے ہمیں دو مختلف پشتوں کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں، اور چونکہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ ان سورماؤں کی اولاد کی قسمت، جو ٹروائے کے سامنے لڑے تھے افسانۂ ٹروائے کے ساتھ وابستہ تھی اسلیئے یہ گویا تیسری پشت ہوئی۔ ہرقل کے سلسلے میں جو طرز اختیار کیا گیا ہے وہ اسکے قطعا برعکس ہے، چونکہ یہاں صرف ایک فرد واحد کے کارناموں سے بحث تھی اور اس کا حسب نسب معلوم کرنا تھا اس لیئے ہم نیچے سے اوپر کی طرف چلتے ہیں۔ اس کی ماں صنف انسانی سے تھی اور اس کا نانا بھی ایک انسان ہی تھا، اس طرح گویا دو مزید پشتوں کا پتا چلا۔ اب ہم ایک نہایت ہی قدیم سورما کا نام پڑھتے ہیں جو کمابیش اُتنا ہی مشہور ہے جتنا خود ہرقل اور اُس کا نام پرسیوس ہے۔ پرسیوس کا کبھی ہرقل سے کوئی واسطہ نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس مصلحت اسی میں سمجھی گئی کہ اُسے ہرقل کے آباؤ اجداد میں شمار کیا جائے؛ لیکن دیگر افسانہ جات سے ہمیں اُس کے

باب ۳

باپ اور دادا کے نام معلوم ہوئے اس لیئے ہرقل نہ تو اُس کا باپ ہو سکتا تھا نہ دادا اور آسے قطعی طور پر ہرقل کا پردادا بنا دیا گیا۔ پرسیوس کی ماں اور اُس کے نانا کے نام (جو خود بادشاہ تھا) معلوم ہیں، اور اسطرح گویا دو اور پشتوں کا علم ہوا۔ چنانچہ ہمیں آٹھ پشتوں کا علم حاصل ہوگیا ہے جن کے قائم مقام اکریسیوس، داناے، پرسیوس، الکتریون، الک مینے، ہرقل، اگامیمنون اور اورس تیس ہیں۔ اس فہرست سے ظاہر ہے کہ ہرقل اور اگامیمنون کے بیچ میں کسی اور پشت کا واسطہ نہیں دکھایا گیا؛ چونکہ دونوں افسانوں کا دائرہ ایک دوسرے سے متغائر تھا اس لیئے کسی درمیانی پشت کی ضرورت نہ تھی، اور محض اُن پشتوں کے نام ہی بتائے گئے ہیں جنکی ضرورت سمجھی گئی۔ ہرقل کی اولاد کو جنگ ٹروائے سے کسی قسم کا تعلق نہیں اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءمیں دونوں سلسلے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں گے؛ ان کے درمیان جو تعلق پیدا کیا گیا ہے اس سے پہلے تو مختلف پشتوں کی صورت میں اور پھر سنین کے ذریعے سے تسلسل واقعات ظاہر کیا گیا ہے؛ اکریسیوس سے اورس تیس تک آٹھ پشتیں یعنی ان دونوں کے درمیان دو سو چالیس سال کا وقفہ ہوا، اور واقعتہً یہ زمانہ تقریباً ۱۳۸۰ق م سے ۱۱۵۰ق م کا قرار دیا گیا۔ ان سنین سے پہلے اور ان کے بعد بھی تاریخ کے واقعات دکھانے کے لیئے محض ناموں پر ہی اکتفا کیا گیا ہے؛ ان میں سے ابتدائی ناموں کے شمار کی بھی ہمیں ضرورت نہیں؛ اورس تیس اور تیلے ماخوس کے بعد جو نام ہیں اُن کی ایجاد کا مالۂ وماعلیہ بہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے؛ وہ یہ کہ جب ایسے لوگ دنیا میں آباد تھے جو دیوتاؤں کی اولاد سے تھے اُس زمانے اور ازمنۂ مابعد میں جب دیوتاؤں اور انسانوں کے درمیان کسی قسم کا ظاہری تعلق باقی نہ رہا تھا، ایک ارتقائی کیفیت کی ضرورت تھی جس کے لیئے صرف ایک فہرست اسماء ہی کافی سمجھی گئی[۵۳]۔

[۵۳] ہم نے جس طریقے سے افسانۂ تاریخ پر بحث کی ہے اُس سے یہ مغالطہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دوریانیوں کے ترک وطن سے پیشتر یونان کے واقعات کے متعلق جو بیانات موجود ہیں اُن کی مطلق کوئی تاریخی وقعت نہیں، اور ہم اس سنوی جدول کے اختراع کی تاریخ بیان کر سکتے ہیں جس کی تصحیح کیلیے زمانۂ مابعد کے اسکندریہ اور دیگر مقامات کے علماء و فضلا ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کے متمنی رہتے تھے۔ یہ کہنا لاحاصل محض ہے کہ چونکہ تاریخ یونان کے کسی ایک واقعے کو صحیح ثابت کرنے کے لیئے کافی ثبوت نہیں ہے اس لیئے کم از کم ہر ایک تفصیلی واقعے کو ناقابل ثبوت نہیں ٹھیرایا جا سکتا، اور یہ ممکن ہے کہ جو خصوصیات اگامیمنون سے وابستہ کی جاتی ہیں اُن میں سے بعض صحیح ہوں۔ یہاں تشبیہ سے مدد لی جاتی ہے، اور گروٹ نے اس طرز سے نہایت خوبصورتی کیساتھ کام نکالا ہے؛ اگر چارلس اعظم کا نام کسی رزمیہ نظم میں آجائے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ چارلس اعظم کا سرے سے وجود ہی نہ تھا؛ لیکن اگر کوئی شخص محض ”کارولنجی دور“ سے چارلس اعظم کی تاریخ مرتب کرنا چاہے تو اُسے بہت کم واقعات ایسے ملیں گے جنھیں صحیح کہا جاسکے؛ اور اگر اس کے متعلق معلومات کا ماخذ صرف اشعار ہی ہوں تو ہمیں اُس کے وجود کے صدق و کذب کا اندازہ کرنے میں بڑی مشکل پیش آئیگی ۵۴

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ افسانوں کے ہم وقت ہونے سے تاریخی سنویت کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ اگر سورما
دراصل محض تخیل عامہ اور مختلف شعرا کے ہی ساختہ پرداختہ ہیں، اگر ان کے باہمی تعلقات دراصل اختراعات
سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، تو پھر اُس حقیقی تاریخی زمانے کے حالات کے متعلق مطلق کوئی نتیجہ نہیں نکالا
جا سکتا جن کا ان قصوں میں مضمر ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اگر یہ سورما کبھی بھی اس دنیا میں تھے تو
ممکن ہے کہ وہ سب کے سب ایک ہی صدی میں ہوں یا پانچ چھ سو سال کے دور میں یکے بعد دیگرے
ہوئے ہوں۔ نام نہاد عہد رزمیہ کا دو سو چالیس سال کا محض خود ساختہ زمانہ فرض کر لینا، اُسے
تاریخ یونان کا ایک امر واقعہ قرار دینا، اور پھر یہ دیکھنا کہ اُس سے مصری اور فنیقی تاریخ کا کیونکر
تطابق ہو سکتا ہے، یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ محض افسانوں کی بنیاد پر
سنویت کا سلسلہ قائم نہیں ہو سکتا:

۵۴ یہاں ہمیں خلط بحث سے گریز کرنا چاہیئے۔ اصول تنقید کی مدد سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ

اشخاص کو تو یہاں چھوڑیئے؛ اب اُن قبیلوں کا ذکر باقی ہے جو قدیم روش کے بموجب اپنا وطن چھوڑ کر دوسری جگہ آباد ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ آیا ان قبائل کے متعلق جن کے حالات افراد کے حالات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں، کوئی بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے یا نہیں۔ ہمیں اس معاملے میں قدیم مصنفوں سے تو مطلق مدد نہیں ملیگی اس لیئے کہ وہ تو محض افسانوں کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر ایتولوس ایلس کا بادشاہ تھا تو اس سے یہ نتیجہ کب نکالا جا سکتا ہے کہ ایتولی قوم ایلس سے آئی تھی، اس لیئے کہ ممکن ہے کہ دوریانیوں کے ترک وطن کے بعد جب ایتولیوں نے ایلس پر قبضہ کر لیا تو اُس وقت اُن کے اس فعل کا جواز ثابت کرنے کے لیے یہ قصہ اختراع کیا گیا ہو۔ ان اسباب کی بنا پر قبیلوں کے ترک وطن کے لیے کسی اور نظریئے کی بدیہی ضرورت ہے۔ اوٹفریڈ میولر ایک نئے نظریئے کا بانی ہے؛ اس کے بعد بہت سے مورخوں نے اُس کی پیروی کی ہے۔ اس نظریئے میں اُس کے قائم کرنے والے کی ہوشیاری اور عقلمندی صاف عیاں ہے۔ وہ اس بات کے فرض کرنے میں یقیناً حق بجانب ہے کہ خاص خاص قبیلوں میں خاص خاص طرز کی پوجا رائج تھی اور اُس نے اس طریق عبادت کی وسعت و اشاعت کے حدود کا اندازہ کر کے ان قبائل کے ترک وطن اور نوآبادی کا حساب لگایا ہے اور سب سے پہلے اس نظریئے کو دوریانیوں کے بارے میں کام میں لاکر اپولو دیوتا کی پوجا کو اپنا اساسی واقعہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ نظریہ درست ہوتا تو

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ یونانی افسانہ آمیز تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جسکے متعلق ہم وثوق کے ساتھ کوئی رائے قائم کر سکیں، اور اُس کا بیشتر حصہ، خاصکر مقامی سورماؤں کا باہمی تسلسل محض اختراع ہی اختراع ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نظریئے کی وجہ سے متبحر علما کو کوئی امر مانع نہیں ہوتا کہ قدیم تعمیرات، دیگر روایات یا خود ان افسانوں کی مختص کیفیات کی مدد سے مختلف اشخاص یا واقعات کے متعلق قیاسات دوڑائیں، اور اسی اصول پر آجکل کے زمانے میں عمل ہوتا ہے۔ ان علما کی رائے سے اتفاق کرنا ممکن ہے، لیکن ان کے قیاسات کو ثبوت کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔

اُس کی مدد سے بہت سے واقعات ایک دوسرے سے اخذ کیئے جا سکتے تھے[55]۔

محض نظری حیثیت سے بھی اس میں کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی پوجا پاٹ کے طریقے ان مقامات پر بھی جہاں ان کا رواج بیان کیا جاتا ہے ایک سے نہیں تھے پجاریوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ اپنے بت خانوں کی شہرت قائم رکھنے کے لیئے اُن کی اس قدر قدامت جتاتے ہیں اور اتنی وقعت بڑھاتے ہیں جس کے وہ ہرگز اہل نہیں ہوتے اور اگر بالفرض اُن کی عبادت کا اسلوب واقعی اتنا ہی قدیم ہو پھر بھی ممکن ہے کہ خود پجاریوں نے ہی اُسے قرب وجوار میں پھیلایا ہو چنانچہ اس مفروضے کی بنا پر اقوام کے ترک وطن کے متعلق استدلال نہیں کیا جا سکتا[56]۔ اس ضمن میں ہمیں آخری بات یہ بیان کرنی ہے کہ توسیع طرز عبادت کی بنا پر اس قسم کا استدلال کرنے سے پہلے یہ صاف ظاہر ہو جانا چاہیئے کہ مخصوص اقوام میں کس قسم کی پوجا مروّج تھی لیکن اس کا تیقن بھی ناممکن ہے۔ ہمارے لیئے قوم اور طرز عبادت مترادف الفاظ نہیں اور یہ نہایت خوش گوار مفروضہ عملاً بالکل بے کار ہے[57]۔

---

[55] ک، واخسمتھ نے اپنی تصنیف "شہر ایتھنز" لائپزگ سے ۱۸۷۴ء (K. Wachsmuth: Die Stadt Athen) ایتھنز کی بلدی تاریخ کے لیئے پوجا پاٹ کے اعداد و شمار نہایت ہوشیاری سے استعمال کیئے ہیں، اس کا صفحہ ۳۸۶ خاص طور پر دیکھا جائے۔

[56] خود او، میولر نے "دوریان" میں اسے تسلیم کر لیا ہے O. Mueller: Dor. I. 250 اور اب اس مسئلے پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ نیز تیمپے اور ڈیلفی کے متعلقہ حواشی کا مطالعہ کیا جائے۔

[57] زمانۂ حال کے مورخ ہر بڑے دیوتا کو یکے بعد دیگرے تقریباً ہر قوم کا معبود تصوّر کرتے ہیں۔ اس لیے مقابلہ کیجیے:۔ ای، گرہارڈ: "یونان کی اقوام اور اُنکے قومی معبود" E.Gerhard: (Ueber Greechenlands Volk-Stâmme und Stammgotheiten) برلن اکاڈمی، ۱۸۵۳ء، ھ، ڈ، میولر: "تاریخ اقوام یونان" H.D.Mueller: Geschichte der griechische Sfamme ک، پیٹرسن کی نہایت عالمانہ کتاب جس پر بہت کم توجہ کی گئی ہے، یعنی "دینیات یونان" Chr.Petersen;Griech.

باب۳

یہاں وہ اعتراضات شمار کردیئے گئے ہیں جو تحقیقات کی اس مخصوص طرز پر ہو سکتے ہیں؛ ان میں مبالغہ آمیزی ضرور ممکن ہے، لیکن جب ہم نتائج پر غور کرتے ہیں تو ہمارے جملہ شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا اس طرز کے موئید خود بھی متفق الرائے ہیں۔ اپولو کی خانہ بدوشی سے او، میولر نے مفصلۂ ذیل نتائج اخذ کیئے ہیں: ۔ اپولو کی پوجا کی توسیع کے دور اوّل میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوریائی قوم پہلی مرتبہ اپنے وطن سے نکل کر تیمپے سے دلیفی کریٹی شہر کنوسوس اور دیلوس گئی؛ دوسرے دور میں یہ مینوس کو بحری سیادت حاصل ہوئی اور اُس نے الیشیا میں جابجا مقدّس باغیچے اور قربانگاہیں تعمیر کیں جو کسی نہ کسی دیوتا کے نام وقف تھیں؛

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔
Mythol., Ersch und Gruber I, 82
پیٹرسن یونانی مذہب کے مختلف زمانوں کا حوالہ دے کر مفصلۂ ذیل تبصرہ کرتا ہے: ۔ "ہند ویوربی" اور "اطالو یونانی" دوروں کے بعد الولیائی زمانہ آتا ہے جس میں زیوس، ہیرا، اتھینے، دو دوتا کے لیئے لیادیس اور سیلون کی پوجا کی جاتی ہے؛ اسکے بعد دو یونانی ایونیانی" دور جس میں اپولو، آرتمیس، پوسئیڈون کی پرستش کی جاتی ہے اور تھے سیوس و پرومے تھیوس کے قصّوں پر یقین کیا جاتا ہے؛ آخر میں اکائیائی دور شروع ہوتا ہے جس میں آیاکیان، پیلوپیان اور جنگ ٹروائے کے قصّے ترتیب دیئے جاتے ہیں ان قرنوں کے علاوہ شتارک نے اور عہدوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہر ایک محقق کی تحقیقات بالکل جداگانہ ہے، اور یہ اپولو کی مثال سے واضح ہو جائیگا جسے میولر دوریائی گرد ہارڈ اکائیائی اور پیٹرسن وغیرہ ایونیائی بتاتے ہیں۔ اسی طرح پوسئیڈون کا نام ایک طرف الونیائی افسانوں (آئے گیوس) اور دوسری جانب ایونیائی قصوں (آرنے، بیوتوس) کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ہے؛ اور یہ سوال باقی رہتا ہے کہ وہ ایونیائی دیوتا ہے؛ ایولیائی کسی کو ایک سراغ کے ذریعے سے تحقیقات کر کے چند قابل اطمینان نتائج سکتے ہیں؛ دوسرے کو کسی اور بات کا پتا چلتا ہے اور اُس کے نتائج ان مقدم الذکر سے بالکل مختلف ہیں لیکن وہ بھی اُسی کی طرح قابل اطمینان ہیں۔ دھاگے ایک دوسرے سے اُلجھ جاتے ہیں آپ کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جو سرا آپ کے ہاتھ میں ابتدا میں تھا وہی اب بھی ہے؟

باب ۲

تیسرے دور میں دوریائی نکل کر پیلوپونیز میں آباد ہو گئے۔[۵۸] اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ نظریہ اہمیولر کے شاگرد اُگریتوس کے نظریئے سے کس حد تک مطابقت رکھتا ہے؟ گریتوس کہتا ہے کہ اپولو کی پوجا دوریانیوں سے نہیں نکلی بلکہ اسکی ابتدا مشرق اور ساحلی علاقوں میں ہو کر زمانۂ مابعد میں یہ دوریانیوں میں رائج ہوئی؛ ساتھ ہی اُس کا یہ بھی خیال ہے کہ اپنے ترک وطن سے پہلے دوریائی جزیرہ کریٹ میں آباد نہیں تھے اور نہ مینوس دوریائی النسل تھا۔ اُس کے اور میولر کے نظریوں میں جو تضاد ہے اس سے زیادہ تضاد ممکن نہیں یعنی ترک وطن کی سمت بالکل پلٹ گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا ایک ہی صغری کبری سے اور ایک ہی قسم کی منطقی شکل سے بالکل متغائر نتائج اخذ کیئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ فی الواقع تاریخ میں اس قدر قطعیت نہیں ہے جتنی علوم متعارفہ میں ممکن ہے۔ مخصوص تاریخی حالات کا جو اندازہ ہمیں ہوتا ہے اُس کا معیار دراصل ہماری وہ رائے ہے جو اس خاص دور کے متعلق قائم ہوتی ہے۔ میولر اور گریتوس کی جو رائیں اُس عہد کی بابت ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں؛ مقدم الذکر تو یونانی تمدن کو محض دیسی قرار دیتا ہے؛ موخر الذکر کی رائے یہ ہے کہ اس کا مرکز تو یونان ہی تھا لیکن اُس کی ہیئت متواتر مشرقی اثرات پڑنے سے بدل گئی۔ میولر کے نزدیک اپولو یورپ سے ایشیا کو اور گریتوس کے نزدیک ایشیا سے یورپ کو سفر کرتا ہے۔ دونوں علما اپنے نظریئے دراصل علم کی دیگر شاخوں کی تحقیق و تدقیق سے اخذ کرتے ہیں؛ میولر پر لغویات یونان کے ادبار کا اثر پڑتا ہے، دوسری طرف گریتوس کے نظریے میں مشرقی ممالک کے انکشافات کی وجہ سے تہیج پیدا ہوتا ہے۔[۵۹]

---

[۵۸] میولر، "دوریانیاں" ۱، ۲۵۰۔

[۵۹] اس طرز سے نقاد قطعی متضاد نتائج کے خطرے کو اس طرح دور کرتے ہیں: عبادت کی توسیع سے ترک وطن ثابت ہوتا ہے، لیکن ممکن ہے کہ اُس کی سمت اُس سمت سے بالکل برعکس ہو جو روایت کے ذریعے سے ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ابتدائی مقام

چند محققوں نے اس رائے کا بھی اظہار کیا ہے کہ تاریخ یونان قدیم کی تحقیقات میں وہی اصول برتے جائیں جو علم ارضیات میں چٹانوں کی تحقیقات کے لیئے برتے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ مختلف اقوام کی تہیں ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہیں، اور یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ارضیات کی طرح یہاں بھی ایسے صدفی یادگار موجود ہیں جن کی مدد سے ہم اپنے منصوبوں پر پہنچ سکیں؟ اس سوال کا جواب اثبات میں دیا جاتا ہے، وہ یہ کہ ہمیں معبودوں کی عبادت سے بہت مدد ملیگی۔ بدقسمتی سے ہماری معلومات کا دائرہ اس درجہ کوتاہ ہے کہ یہ محض دھوکا ہی دھوکا معلوم ہوتا ہے۔ نظریۃً یہ بالکل صحیح ہے کہ ہر ایک قوم کے ساتھ خاص قسم کی طرز عبادت وابستہ تھی، لیکن یہ طرز عبادت کے دوسرے طریقوں سے اس قدر مخلوط ہو جاتی ہے کہ انکو ایک دوسرے سے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ اور منزل مقصود میں خلط مبحث ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ہمارے سامنے **دلیفی** **تیمپے** اور **اپولو** کے **ایونیائی** الیشیائی بت خانے ہیں جنکی آبادکاری میں بہ نسبت مذہبی عنصر کے دنیوی عنصر بہت زیادہ ہے، اور ان کے متعلق **کرتیوس** (۱ (۲) ۹۹ ۴) کہتا ہے کہ اُنھیں دور **یانیوں** نے اپنی خانہ بدوشی کی حالت میں دریافت کر کے باہمی تعلق پیدا کر دیا۔ یہ بھی بہت قرین قیاس ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انھیں اسباب (یعنی عبادت کی یکرنگی) سے بالکل مختلف نتائج اخذ کیئے جا سکتے ہیں یعنی نسلی ترک وطن اور مذہبی نوآبادیوں کی سمتیں بالکل جداگانہ ہیں اور بعض اجنبی اقوام بھی عبادت کا یہ طرز اختیار کر لیتی ہیں تو پھر ہم یہ کہنے میں کس طرح حق بجانب ہیں کہ طرز عبادت کے شمار و اعداد سے تاریخ اقوام کے واقعات کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ حق یہ ہے کہ بہ نسبت معبودوں کے حالات کے رزمیہ تاریخ سے اس موضوع پر کہیں زیادہ روشنی پڑتی ہے، اس لیے کہ اکثر سورماؤں میں مقامی رنگ پایا جاتا ہے، لیکن اس کے لیئے یہ ضروری ہے کہ اصلی اسناد کی ادبی اور تاریخی تحقیقات کے میدان میں، جبکی ابتدا حال ہی میں فون ولاموو ِٹز **میولینڈورف** Von Willamowitz Moellendorf نے کی ہے، تیز قدمی سے آگے بڑھنا چاہیئے۔ اس وقت تک یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں کسی بات کا کوئی ثبوت ملا ہے اسے اخذ کر لیا، اور ظاہر ہے کہ اس طرز سے صحت بیان کی کوئی ضمانت نہیں ہو سکتی۔

باب ۳

علیحدہ کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ ازمنۂ قدیمہ کے متعلق ہمیں اس قدر کم معلومات حاصل ہیں کہ ہم تبدیل شدہ اور غیر تبدیل شدہ واقعات میں تمیز نہیں کر سکتے، اور یہ ظاہر ہے کہ صرف غیر تبدیل شدہ طرز عبادت ہی ہمارے کس کام آسکتی ہے۔ ہم پوجا کے مختلف طریقوں سے صرف جزوی طور پر ہی واقف ہیں اور ہماری معلومات کلیۃً تصانیف زمانۂ مابعد کے غیر مسلسل اور ناکافی حوالوں پر مبنی ہیں۔ اُن کی ان صدفی باقیات سے کوئی مماثلت نہیں جو ہزاروں برس کے بعد بھی اُسی قدر صاف و شفاف ہیں جتنی وہ اُس روز تھیں جب اُن پر پانی آیا، اور اُسی تہ میں اس وقت تک جمی ہوئی ہیں جہاں وہ ابتداً میں چسپاں ہوئیں۔ غرض یہ ہے کہ اعداد و شمار اور طرز عبادت کے تجزیے سے یونانی ترک وطن کے موضوع پر جو روشنی پڑتی ہے اُس میں مضمونیت کا اس سے زیادہ عنصر ہے جو تاریخ میں مناسب ہے:

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہر ایک تاریخ میں جس میں تھوڑی بہت جان موجود ہے اور جو محض فہرست اسما پر ہی مشتمل نہیں ہے مضمونیت کا عنصر ضرور ہوتا ہے، اور یہ بعید ترین زمانے کی تاریخ میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے، بلکہ درحقیقت چونکہ پڑھنے والا زندگی کے حالات مطالعہ کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے اسلئے وہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں مضمونیت بھی چاہتا ہے؛ ساتھ ہی وہ اس عقیدے والوں کا بھی یقیناً ممنون ہوگا کہ ہم صرف چند ہی امور سے کماحقہٗ واقف ہیں اور ان سے زیادہ آگے بڑھ کر احتمال کا دائرہ شروع ہو جاتا ہے۔ [۱۰]

۱۰۔ تبلیغ طرز عبادت کے افسانے دراصل رزمیہ افسانوں کے ہی اجزا ہیں، اور چونکہ موخر الذکر محض افراد یا ممالک کے مفاد کو مدنظر رکھ کر مرتب کیے گئے ہیں اس لیے وہ ہمارے مقصد کے لیے بالکل بیکار ہیں۔ ایسی حکایتوں کا مطلب بالکل صاف ہوتا ہے اور ان میں اس قسم کا ذکر ہوتا ہے جیسے ایک سورما تھا جس نے کسی ملک پر قبضہ کر لیا، یا کسی نے اُسے وہ ملک تحفتہً دیا، یا اُس نے کسی کو یہ ملک پیش کیا؛ بدیں سبب وہ قوم یا افراد، جو اُس سورما کی اولاد سے یا ان کی اولاد سے تھے جنھیں یہ ملک دے دیا گیا تھا، اُس کا مطالبہ کرنے کے مستحق تھے۔ اس سلسلے میں

باب۲ حاشیہ۱

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ - ہرقل کی طرف بہت سے قصے منسوب کرکے اُن سے کام نکالا گیا مثلاً یہ بیان کیا گیا کہ اُس نے پیلو پونیز اور مغربی سسلی تحفۃً دیدی - اسی طرح چونکہ اتیھنز کا سگی یوم پر قبضہ تھا اس لیئے ایتھنزیوں نے سکامانڈر کے کنارے کی اراضی کا مطالبہ کیا۔ اِئس خیلوس: یومنیس ۳۹۷ Aesch. Eum. 397 اس قسم کے افسانے، جو بکثرت پائے جاتے ہیں محض کام نکالنے کے لیئے گھڑے گئے - مقابلہ کیا جائے او، گرُ وپے کی تنقید ستودنچکا کی کتاب "مسرنہ" پر جو جریدۂ لسانیات برلن نمبر ۲۶ سنہ ۱۸۹۰ء میں چھپی ہے C. Gruppe: critique of Studniczka's Cyrene; Berlin Phil. woch 1890. بلا شبہہ وہ مورخ جو افسانوں سے تاریخ اخذ کرتے ہیں واقعات کو بالکل دوسری نظر سے دیکھتے ہیں، مثلاً وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ کسی خاص سورما کے ترک وطن کے افسانوں سے یہ مطلب ہے کہ اُس قوم نے جس کا وہ سورما ایک فرد تھا ترک وطن کیا، یا کم از کم اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ اُس قوم کے ترک وطن کی روایت موجود ہوگی - اس طرح وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ افسانوں میں حقیقی واقعات کو ایک خاص انداز کا جامہ پہنایا گیا ہے، یا دوسرے الفاظ میں ایک پوری قوم کے کارنامے ایک فرد واحد کے نام پر مجتمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ افسانے گویا تاریخی معمّوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جنھیں کوئی نہایت ہوشیار شخص حل کر سکتا ہے - یہی وجہ ہے کہ فورخ ہامر انھیں "ایام ماضیہ کی پہیلیاں" بتاتا ہے۔ اگر یہ سچ بھی ہو تو جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قدیم زمانے کے انسان کا مطمح نظر کیا تھا اور وہ کن کن امور میں اپنا مفاد سمجھتا تھا، تو ہمیں یہ چاہیئے کہ انھیں تاریخ کے نہیں بلکہ قدرت کے معمے قرار دیں اور اس طرح اُس رشتے کو جو وثنیات اور تاریخ کے درمیان ہے منقطع نہ ہونے دیں لیکن بہتر تو یہی ہے کہ ہم ان افسانوں کو کسی قسم کا بھی معمہ نہ سمجھیں، در اصل اُن کو ایسے تارے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو ابتدا میں تو بہت چھوٹا تھا لیکن جسے کھینچ کر بہت بڑھا دیا گیا ہے اور اُن کی اصل حقیقت کا تعین، خواہ اُس کا تعلق قدرت سے ہو خواہ انسانی زندگی سے، ہمیشہ نہیں کیا جا سکتا۔

باب چہارم

اوّلین روایتی تاریخ

اب ہم اوّلین روایتی تاریخ کا ایک خاکہ ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ اسکی حقیقت کے متعلق ہماری آخری رائے خواہ کچھ بھی ہو، اس میں شبہہ نہیں کہ ہر تعلیم یافتہ شخص کے خیالات پر بہ نسبت ایسے واقعات کے جو تنقید و جستجو کے بعد منکشف ہوئے ہوں یا بمقابلۂ محض اس قول کے کہ فلاں واقعات سرے سے رونما ہوئے ہی نہیں، ابتدائی روایات کا اثر زیادہ پڑتا ہے، اور ان کا علم گویا تاریخی معلومات ہی کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے۔[۱] ہم فطرۃً اپنے خاکے کی بنیاد ان روایات کی آخری شکل کو قرار دیں گے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس زنجیر کی ابتدا انسابیوں اور واقعہ نویسوں نے ڈالی تھی اُس کی یہ آخری کڑی ہے، اور اُسے ازمنۂ مابعد کے مصنفوں نے اپنے اپنے خیالات کے مطابق ڈھال دیا ہے۔

یونانی اپنے آپ کو ہیلینیز کہتے تھے، لیکن ان ہی کے خیال کے مطابق اس خطے میں، ہیلینیز سے بھی پہلے ایک اور قوم، یعنی پیلاسگی، آباد تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں قوموں میں باہمی تعلق کیا تھا؟ زمانۂ حال کے

---

[۱] جس شخص نے ارتقائی دور کی آخری تحقیقات کی ہے وہ گروٹیوس ہے، اور اُسکی کتاب کی مقبولیت کا اُس کے انگریزی، فرانسیسی اور اطالوی تراجم سے پتا لگتا ہے۔ بدیں وجہ ہمیں اس مختصر خاکے کی ترتیب میں بار بار اس سے مدد لینی پڑیگی۔ ڈنکر روایات کے متعلق سکوت اختیار کرتا ہے لیکن مجھے روایات کا اعادہ کرنا اور پھر ان کے متعلق اپنی ذاتی رائے کا اظہار کرنا دونوں ضروری معلوم ہوئے۔

بابک

مورخوں کا قیاس ہے کہ دونوں میں کوئی قطعی تباین نہیں تھا، بلکہ دراصل ہیلے نیز پیلاسگی ہی تھے جن میں مختلف نسلی عنصروں کے مل جانے اور ایک متخاصم تمدن کے اختلاط سے بہت سی تبدیلیاں ہوگئی تھیں۔ بعض مورخوں کی جنمیں ڈنکر سب سے ممتاز ہے، یہ رائے ہے کہ یونانی قوم صرف بری راستے سے شمال سے آئی ہوگی؛ دیگر متجسس جن کا سرتاج کرتیوس ہے، یہ کہتے ہیں کہ انکے علاوہ ایک اور قوم جس کا اس شمالی قوم سے کوئی واسطہ نہ تھا، سمندر کے راستے ایشیا سے یونان آئی؛ کرتیوس کی رائے ہے کہ اس شاخ کو دراصل فنیقیوں نے ترک وطن پر مجبور کیا، اور یہ ایشیائی یونانی اس ابتدائی دور میں ہی ایونیائیوں کے نام سے تماشاگاہ عالم پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ نو وارد دیونانی النسل تو ضرور تھے، لیکن ان پر ایشیائی ہمسایوں کا نہایت زبردست اثر پڑ چکا تھا اور اس تعلق کی وجہ سے اس قوم کی سیدھی سادی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ اُن کے مذہب میں تبدیلی پیدا ہوگئی؛ اُن کا ایک ہی قومی معبود زیوس تھا، اسکے علاوہ جو معبود وجود میں آئے، اُن کی قربان گاہیں ابتدا میں صرف جزیرۂ ایجین کے سواحل پر تعمیر کی گئیں جس سے ان کا بدیشی جنم صاف ظاہر ہوتا ہے۔ پیلاسگیوں کے عقیدے میں آلہ پرستی کو دخل نہ تھا، یا کم از کم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان کے مذہب میں اس کا محض ایک شائبہ پایا جاتا تھا؛ لیکن ایونیائیوں پر ایشیائی تمدن کا اثر پڑ چکا تھا جسکی وجہ سے یونانی بھی ارباب پرست ہوگئے۔ ہم افرودیت اور ہرقل کی پوجا میں براہ راست فنیقی اثر محسوس کرتے ہیں، لیکن ان کے جملہ دیوتا مثلاً پوسیدون، دیونی سوس، ارتمیس، دمیتر اور خود اتھینے بالواسطہ دراصل ایشیائی الاصل ہیں، اور ابتدا میں خود اپولو بھی دریائی دیوتا ہے اور سمندر پار سے آتا ہے۔ لیکن ہمارا قیاس ہے کہ یہ دیوتا یونان کی تاریخ کے جدید ترین دور میں یونان لائے گئے ہوں گے۔ ہم اُن رزمیہ افسانوں کے ذریعے سے جن میں یونانیوں نے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح پیلاسگی زندگی کی یکرنگی یونانی زندگی کی بوقلمونی سے بدل گئی، تاریخی دور کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ ابتدائی تارکان وطن کا تہذیب آفریں اثر ہرقل کی تاریخ میں نظر آتا ہے؛ تھیسیوس کی شخصیت کو ترکیب دینے میں دراصل اُسی کی نقل سے

مدد لی گئی ہے اور جہاں کہیں ہرقل نے اپنے کارنامے دُنیا کے سامنے پیش کیئے ہیں وہیں رزمیہ نظم کا نشو و نما ہوا ہے۔ بیوتیہ میں کادموس کے افسانوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یونان ایشیا کا کس درجہ مرہون منّت ہے؛ تھسلی میں رزمیہ افسانے خلیج پاگسے کی ہر چہار طرف مجتمع ہوتے ہیں جہاں سے آرگو کشتی چلی تھی؛ آرگوس کے قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس تمدّن کا مشرق میں نشو و نما ہوا تھا وہ کس طرح ساحلی علاقے پر آکر متسلّط ہو گیا؛ بحیرۂ ایجین کے کناروں پر جو قومیں آباد تھیں (جن میں سے کاریہ کی مخلوط آبادی ممتاز تھی) اُنھوں نے فنیقیوں کی طرح بحری قزاقی شروع کر دی، اور اس ہنگامے کا خاتمہ مینوس شاہ کریٹ نے کیا؛ یہ وہی مینوس ہے جسے ہم تاریخ یونان کی پہلی واقعی شخصیت کہہ سکتے ہیں۔ اسی اثنا میں ایشیائے کوچک میں چند بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں؛ یعنی افروجیہ جس کی آبادی آریائی تھی، لدیہ جہاں غالباً سامی آباد تھے، ساحلی علاقے میں سلطنت ٹروا اور اس کے جنوب میں کوہ سپی لوس پر ریاست تنتالوس۔ ایشیا کے جنوب و مغربی زاویئے میں تمدن لسیہ کا آغاز ہوا جو فن تعمیر کی ترقی کے لیئے خاص طور پر ممتاز ہے، اور چونکہ یہ اپولو کی پوجا کا گویا گہوارہ تھا (اپولو لسیہ سے دیلوس اور وہاں سے دیلفی جاتا ہے) اس وجہ سے مذہب کی تاریخ میں اُسے بہت کچھ وقعت حاصل ہے۔ اس آگے نیا اور خاصکر خلیج پاگاسائے کے چاروں طرف منیائی رہتے تھے جنھیں ہم یونان کے اوّلین ملّاحوں کا لقب دے سکتے ہیں؛ یہ یہاں سے نقل وطن کر کے اورخومینوس میں (جو شہر تھیبز کا مد مقابل تھا) جاکر آباد ہو گئے۔ تھیبز بہت سی نسلی شاہراہوں کا جائے اتصال ہے اور یہاں یوریا سے صور کی ہرقل سے سیدا اور امفیون کی اور زیتھوس سے ایشیائے کوچک کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ کادمیائیوں کے غیر ملکی ہونے اور الولیائیوں کے ملکی سورما ہونے میں شبہہ نہیں؛ کرتیوس کے نزدیک یہ موخر الذکر بجائے ایک ہی قوم کے افراد ہونے کے ایک خاص منزل تمدّن (یعنی پیلاسگی تہذیب) کے قائم مقام تھے جنھوں نے لیلیگیس اور غیر ملکی الیونائیوں سے تعلقات پیدا کر کے تمدّن کے زینے کی بہت اونچی سیڑھی پر قدم رکھا تھا۔ کرتیوس اکائیائیوں کو الولیائیوں کی ایک شاخ قرار دیتا ہے لیکن ان دونوں میں کم از کم یہ فرق ضرور ہے

کہ ان کی تاریخی حقیقت ایولیائیوں سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ ساحلی علاقوں یعنی قبرس، کریٹ، دہانۂ پے نیئوس، کوہ پے لیون، جزیرۂ آئی گینا اور اٹیکا میں پائے جاتے تھے، اور در اصل اُن کی کوئی علیحدہ نسل نہ تھی بلکہ یہ چند ممتاز خاندانوں کے مجموعوں پر مشتمل تھے جن کا ارتقا یورپی یونان میں ایولیائیوں سے بالکل علیحدہ ہوا انحصار کی لیس اور پیلوپیس کے افسانوں کی ابتدا در اصل اکائیائیوں سے ہی ہوئی، اور لدیہ کی طرح ان میں بھی وہ تودے پائے جاتے ہیں جنھیں مردوں کے اعزاز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ تھسلی میں دیسی آبادی کے ساتھ ایک غیر ملکی شاہی نسل مخلوط ہو گئی ہو، بہرحال یہاں سے ایک شاخ آرگوس کی طرف جاتی ہے، لیکن وہاں کے خیال کے مطابق اس سے پہلے ہی داناؤس نے رھوڈس سے آکر ایک مخصوص تمدن کا آغاز کر دیا تھا۔ داناؤس کی اولاد نے اپنا رشتہ مشرق سے برابر قائم رکھا، ٹرنز کی تعمیر لسیہ کے ہی کیکلوپس نے کی اور خود پرسیوس کا وطن بھی لسیہ ہی تھا۔ داناؤسیوں میں باہمی نزاعات پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے ایولوسی خاندان کو عروج حاصل ہوا جس کا ممتاز ترین رکن آدراستوس ہے جسے کادموس کے شہر سے للّہی بغض تھا اور دلی خواہش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح نابود ہو جائے لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہونے پائی تھی کہ تنتالوسی جو عوام الناس کو خوش رکھنے کے فن کے گویا ماہر تھے، برسر اقتدار ہو گئے۔ اب آرگوس میں لدیہ والے لسیہ والوں کو مغلوب کر لیتے ہیں اور اس طرح پیلوپسیوں کا اقتدار بڑھ جاتا ہے۔ ابتدا میں تو پیلوپنیزیوں کے اقتدار کا انحصار بری تفوق پر تھا لیکن انھیں بحری سیادت بھی حاصل ہو گئی جس کی وجہ سے اُن میں اور ٹروا والوں میں باہمی تصادم لابد ہو گیا۔ الیوم، تھیبز، اور خومینوس، میکے نائی اور تیرنز کے وجود میں تو شک ہی نہیں اس لیئے ہم اس پر بھی مجبور ہیں کہ دردانی، تینائی، کادموسی اور آرگوسی شاہزادوں کے وجود کو بھی تسلیم کرکے اگامیم نون اور پریام کی تاریخی شخصیتوں کو بھی مان لیں۔ یہ سب ریاستیں در اصل ایشیائی یونانیوں کی وجہ سے عدم سے وجود میں آئیں، یہی وہ زمانہ ہے جب پیلاسگی تمدن

رفتہ رفتہ یونانیت کا جامہ پہن لیتا ہے ؎

اب یورپ کی قوموں میں ردِ عمل شروع ہوتا ہے جس کے لیئے ہمیں محض افسانوں پر اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہاں یہ ذکر کرنا بالکل کافی ہے کہ ہرو ڈوٹس کے مطابق دوریانی شاہ آئے گی میوس کی ماتحتی اور الپولوئے کی رہبری میں اپنے تاریخی دور کا آغاز کرتے ہیں۔ یہاں اس نسل کے جو بادشاہ گزرے ہیں وہ خود کو ہرقل کی اولاد بتاتے تھے۔ جب وہ جنوب کی طرف جانے پر مجبور ہوئے تو اُن کی تہذیب کا پایہ بہت بلند تھا اور اس سے کام نکال کر انھوں نے مجالس امفک تیون کے ذریعے سے اپنی ہمسایہ اقوام کو متحد کر لیا۔ دوریانی تیمپے ہی میں الپولو کی پوجا سے واقف ہو گئے تھے، اور اب اُنھوں نے ڈیلفی میں اس دیوتا کا ایک معبد بنا کر دونوں معبدوں کا ایک دوسرے سے رشتہ پیدا کر دیا۔ اصل یہ ہے کہ لفظ "ہیلے نیز" اور ہیلینی قومیت کے تخیّل کی ابتدا اسی امفک تیونی لیگ سے ہوئی جس کی بنیاد دوریانیوں نے ڈالی تھی ؎

باب پنجم

روایتی اور خصوصاً افسانہ آمیز تاریخ کی تنقید

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس روایتی تاریخ کے کونسے حصّے ایسے ہیں جنھیں حقیقت پر مبنی کہا جاسکتا ہے؟ ہم چوتھے باب میں دکھلا چکے ہیں کہ محض روایتی اشخاص اُن کی زندگی کے واقعات اور باہمی تعلقات کے علم سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ یہ سب امور پایۂ ثبوت کو پہنچ گئے ہیں۔ بلا شبہہ ہم بقطع نظر ڈال کر کم و بیش احتمال و عدم احتمال کا اندازہ کر سکتے ہیں، لیکن اس موقع پر اس قسم کی تنقیح کی گنجائش نہیں ہے بلکہ اُس کی بجائے ہمیں محض مثالوں پر اکتفا کرنا پڑیگا اور اُن سے ہی یہ امر واضح ہو جائیگا کہ شعرا اور قدیم وقائع نویسوں کے تخیلات اور بلند پروازیاں اس درجہ بڑھ جاتی ہیں کہ انھیں تاریخی سند نہیں قرار دیا جاسکتا۔

سب سے پہلے آرگولس کے افسانوں کو لیجیے۔ اس ضلع کا سب سے اہم شہر میکے نائی ہے جہاں کی روایات میں دو مختلف خاندانوں یعنی پرسیوسیان اور پیلوپسیان کا ذکر ملتا ہے اور ان میں سب سے ممتاز شخصیت پیلوپسی خاندان کے رکن اسگے میم نون کی ہے۔ لیکن درانحالیکہ اس پر اتّفاق رائے نہیں ہے کہ اس کے باپ کا کیا نام تھا، تاہم یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہمیں اُس کے پر آشوب زمانے کے اُن حالات سے واقفیت ہے جن کے باعث ایک خاندان کی بجائے دوسرا خاندان مقتدر اعلیٰ ہو گیا[1]۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی شاعر نے اپنی بلند پروازیوں کو

---

[1] اس کا ماخذ در اصل طوسی ویدش کی تمہید ہے جو اُس دور کے واقعات کے لیے نہایت پر از معلومات ہے۔ اس تمہید کا مقابلہ میکیاویلی کی تاریخ فلورنس سے کیا جاسکتا ہے۔ ہم طوسی ویدش کی عظمت اور عزت کرنے میں کسی سے کم نہیں لیکن یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جن امور کا علم اُسے محض استدلال کے ذریعے سے ہوا اُنکی بابت ہم اس سے بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں۔

کام میں لاکر ان واقعات کو گھڑ لیا ہوگا اور زمانۂ مابعد کے وقائع نویسوں نے اُن کا نثر میں ترجمہ کرلیا ہوگا۔ شہر آرگوس کے افسانوں میں جو اختراعِ واقعات کیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ بدیہی ہے[1]۔ اگرچہ یہ بالکلیہ تاریخ میں شامل نہیں کیے گئے لیکن تاریخ پر اُن کا بہت زبردست اثر پڑا ہے۔ آرگوس اپنے حکمرانوں کی مسلسل فہرست تیار کرنے پر تُلا ہوا تھا، لیکن کیا دے کر؟ اناخوس کے بعد (جو دراصل آرگوس کے ایک دریا کا نام ہے) حکمرانوں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جن کے نام یا تو ملک کی اقوام اور قصبات سے لئے گئے ہیں جیسے اے گیالیوس، پیلاسگوس، اپی دوروس، آرگوس (تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ اے گیالیا اور اپی دوروس کے باشندے، و نیز جملہ پیلاسگی آرگوس سے آئے تھے)، ورنہ اُن کے انتخاب میں کوئی نہ کوئی مخصوص انداز پیش نظر رکھا گیا ہے، جیسے یاسوس کا دراصل ہومر کے ایک توصیفی لفظ سے اخذ کیا گیا تھا[2]۔ اسکے بعد مشہور و معروف یو آتا ہے جس کی بابت بیشتر علما مختلف الرائے ہیں۔ مذکورۂ بالا ناموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آرگوس کے باشندے یونانی افسانوں کے ممتاز ترین افراد کو اپنے ملک کے سلسلۂ تاریخ میں شامل کرنے کے ازبس آرزو مند تھے۔ بہرحال داناؤس یو کی اولاد سے ہے اور داناعیوں کے قصوں کی وقعت افسانوں سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کی اولاد میں سے ایک لڑکی لینیکیوس سے شادی کرتی ہے جو خود آباس کی اولاد سے ہے اور جس کا نام دراصل اباغی قوم کے نام سے

---

[1] فرمانروایانِ آرگوس کے نسب ناموں میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، اس موضوع پر مفصلۂ ذیل کا خاص طور پر مطالعہ کیا جائے: اپولودوروس Apollodorus ۱/۲؛ پوسانیاس (Paus) ۲/۱۶؛ گروٹ (Grote (۲)، ۵۹۔ ہم نے ان میں سے کسی ایک مورخ کا اتباع نہیں کیا بلکہ "خذ ما صفا" کے مقولے پر عمل کیا ہے۔

[2] یاسوس کا ذکر ہیلانیکوس ۲۳۸ میں ہے۔ ہومر (اوڈیسی ۱۸/۲۴۶) یاسون آرگوس" کا ذکر کرتا ہے جس کی بنا پر کسی ہوشیار نساب نے فوراً یاسوس شاہ آرگوس کا نام ایجاد کرلیا۔ مقابلہ کی جائے گروٹ (۲)، ۵۹۔

باب ۵

نقل کیا گیا ہے؛ لیکن چونکہ یہ قوم اکثر یوبیہ میں رہتی تھی اس لیئے دیگر مصنّف اسکے لیئے ایسے والدین تلاش کرنے کی فکر کرتے ہیں جس کا اس جزیرے سے تعلق ہو، بالآخر وہ کامیاب ہو جاتے ہیں اور اُسے پوسئیڈول یا خالکون (متعلق بہ خالکس) اور اریتھوزا کا بیٹا بنایا جاتا ہے۔ اباس کے بیٹے اکریزیوس اور پروئی توس ہیں جن کا ترنز سے زیادہ تعلق ہے؛ ان میں سے پروئی توس کے زمانے میں ادراستوس شاہ آرگوس بن جاتا ہے، اور گواس کا تعلق بہ نسبت آرگوس کے سکیون سے زیادہ ہے لیکن آرگوس اس سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ غرض یہ ہے کہ آرگوس کے حکمرانوں کے طویل سلسلے میں اکثر افراد کی بنا محض تخیلات اور شاعرانہ مبالغوں پر ہے ۴۶

---

۴۶ جس طرز پر ہرقل کا آرگوس سے تعلق پیدا کیا گیا ہے اس سے بھی ہم ان اختراعات کی تہ کو پہنچ سکتے ہیں۔ مسلمہ طور پر ہرقل تھیبز کا باشندہ تھا اور جس طرح تھسالوی فلے گیاس سے (جس کی بیٹی کورونس اسکلے پیوس کی ماں تھی) صرف اس لیئے ایپی دوروس پر جنگ آزمائی کرائی گئی تھی کہ اسکلے پیوس وہیں پیدا ہوا، اسی طرح محض اس لیئے کہ ہرقل کا جنم بھوم تھیبز تجویز کر دیا گیا تھا امفتریون اور الکمینے کے آرگوس سے تھیبز بھاگ جانے کا قصہ گھڑا گیا۔

پاؤلی کے مجموعے Pauly's R. E. I. ۱۸۹ کے مطابق ادراستوس سکیون کا باشندہ تھا۔ اسٹیفن کی مرقع کی تحقیقات (بیانات متعلق نقشہ جات میکے نائی Steffen: Text zu den Karten von mykenai برلن ۱۸۸۴ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ آرگوسی افسانوں سے بہت ہی کم تاریخی واقعات اخذ کیئے جا سکتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ بلاشبہ فرمان روایان میدان آرگوس کا مستقر شہر آرگوس ہی تھا اور اس امر پر محقق اور افسانے دونوں متفق ہیں، نیز یہ بھی درست ہے کہ ناؤپلیا، ترنز، مدیا اور میکے نائی کی تعمیر میں غیر ملکی اثرات شامل تھے اور اُن کا مقصد ہی یہ تھا کہ آرگوس کی مخالفت کی جائے (صفحہ ۵) لیکن اس مقام پر آکر افسانوں اور تحقیقات میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اس لیئے کہ آرگوسی پروئیتون اور پرسیوسیون میں جو تباین نظر آتا ہے وہ وقائع نویسوں کے

مینوس کی شخصیت سے بھی اس اثر کا پتا چلتا ہے جو تاریخ پر تخیلات محض کا پڑا ہوگا۔ ہومر کی کتابوں میں اسے پرسیوس، ڈیونی سیوس اور ہرقل کی طرح زیوس کا بیٹا تسلیم کیا گیا ہے؛ وہ ہمیشہ زیوس کے ساتھ رہتا اور مردوں کے باہمی معاملات طے کرتا ہے؛ اُس کا نتیجہ بدیہی ہے، وہ یہ کہ جو علم اُس نے زیوس سے حاصل کیا ہے جس سے مردوں کے باہمی معاملات طے کرنے میں مدد لی جاتی ہے اسے بنی نوع انسان کے مفاد کی خاطر بھی کام میں لایا جائیگا، یہی وہ تخیل ہے جس کی بنا پر ہیسیود کہتا ہے کہ مینوس اطراف و جوانب کے باشندوں پر زیوس کا عَلَم ہاتھ میں لے کر حکومت کرتا ہے۔ لیکن مینوس کا نام اَیکائی، مگارنی اور صقالوی افسانوں میں بھی ملتا ہے، بلکہ سسلی میں تو اُس کی قبر کی زیارت بھی کرائی جاتی تھی۔ ان امور کو مدنظر رکھ کر ایک قدیم اور بڑھایا جاتا ہے؛ وہ یہ کہ بلاشبہہ مینوس سمندروں پر بھی حاکم ہوگا، اور ہیروڈوٹس اسی روشنی میں اُسے پیش کرتے ہوئے اُس کا نسب نامہ دیوتاؤں سے ملا دیتا ہے اور چونکہ اس حیثیت سے اُس کی شخصیت محض نیم تاریخی رہ جاتی ہے اس لیئے ہیروڈوٹس یہ کہتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نام نہاد ملکیوں اور غیر ملکیوں کے باہمی تخالف سے مطابقت نہیں رکھتا اور پرمولی اُتنے ہی کم ملکی ہیں جتنے خود پرسیوسی۔ نیز دورانحالیکہ موقع کی تحقیقات سے تو ترنزہ اور ناؤپلیا کے باہمی تعلقات کا پتا لگتا ہے لیکن افسانہ نویس بالکل ساکت ہیں۔ اسی طرح مقامی تحقیقات افسانوں کے میدان کو اُس وقت بھی چھوڑ دیتی ہے جب یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ پیلوپی بری راستے سے متحد و منیہ ہوکر خالکنائے میں سے گزرتے ہوئے میدان اناخوس آئے اور اس کے بعد پرسیوسیون کے قلعۂ میکینائے پر قبضہ کر کے اپنا ڈیرا ڈال دیا۔ آگے میم نون کے قبضۂ کورنتھ سے علاوہ افسانوں میں پیلوپیون اور شمال کے تعلقات کا مطلق ذکر نہیں بلکہ اسکے برعکس پرسیوسی کورنتھ سے مخالفہ کر لیتے ہیں۔ اسٹیفن Steffen نے موقع پر جاکر جو تحقیقات کی ہے اسکی ایک خاص تاریخی قیمت ضرور ہے لیکن یہ اسلئے نہیں کہ وہ افسانوں پر مبنی ہے؛ افسانے برابر چولے بدلتے رہتے ہیں اسلیئے انکی مدد سے کوئی بات بھی ثابت کیجا سکتی ہے افسانوں میں سورماؤں کا تذکرہ ہے، شعراء اور وقائع نویس انہیں باہمی تعلق پیدا کرتے ہیں، لیکن نہ تو افسانوں اور نہ وقائع میں کسی شہر کے خطوط مدافعت اور بچاؤ کی تدابیر کا ذکر ہے۔

باب ۳ کہ پہلا انسان جس نے سمندروں پر حکومت کی وہ پولیکراتیس تھا۔ اسکا بیان ہے کہ منوس نے جزائر کے باشندوں پر جو کاریہ سے آئے تھے اور جنکا نام لیلیگیس تھا، حکومت کی۔ طوسی دیدیس ہمیشہ ہیروڈوٹس کے بیانات کی تصحیح کے درپے رہتا ہے، اور اس کا بیان ہے کہ غالباً منوس نے کاریوں کو نکال دیا ہوگا اور شاید منوس پہلا بادشاہ ہوگا جس کی خدمت کے لیے جنگی جہاز موجود تھے۔ اب ان تمام مناظر کی ایک مکمل تصویر تیار کیجاتی ہے جس کے مطابق منوس پہلا شخص ہے جس نے قانون اور امن و امان کو یونان میں رائج کیا، جس نے شہر آباد کیئے، جس نے پوجا کے مختلف طریقوں کو رواج دیا اور مصر کی تاریخ میں بھی اُس کی بحری سیادت کے آثار بتائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ہماری رائے ہے کہ منوس، پرسیوس اور ہرقل کیطرح محض ایک خود ساختہ شخصیت ہے اور ان واقعات کو جنھیں تاریخی بتایا جاتا ہے دراصل محض تزئین و تیپائش تاریخ سے زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی۔ ہم اسی طرح اُس کے ساتھی ایاکوس کی شخصیت پر غور کرسکتے ہیں اور اُسکے خوشگوار عہد حکومت کو بھی تاریخی سانچے میں ڈھال سکتے ہیں[۵]۔

[۵] منوس: ہومر: اودیسی ۱۹، ۱۷۸؛ وغیرہ ہیروڈوٹس ۳، ۱۲۲؛ ۱، ۱۷۱؛ طوسی دیدیس ۱، ۴۔ منوس کی بحری سیادت کا تعلق بحری لیگ اور مصر کی باہمی جنگ سے؛ لینورمان: "تمدن کی ابتدا" پیرس ۱۸۷۴ء جلد ۲ صفحہ ۳۲۳ وغیرہ؛ اس تعلق کو فرانسیسی مورخ امر واقعہ تصور کرتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ منوس کی شخصیت محض فرضی ہے اس سے ملتا ہے کہ کریٹ میں کسی عہدیت کا پتا نہیں اور اگر منوس کی سلطنت ایک امر واقعہ رہی تو یہ عہدیت ضرور قائم ہوتی۔ کریٹی بلدی سوانا راج کے اصول پر ہمیشہ قائم رہے۔ منوس کی بحری سیادت کا تخیل دراصل ان افسانوں کے مجموعے سے پیدا ہوا ہے جو اس کی حرکات و سکنات کے متعلق ایجاد کیئے گئے تھے، اور وہ ہرقل کے افسانوں سے زیادہ قابل وقعت نہیں ہیں۔

باب ششم

ان کے علاوہ دیگر افسانوں کی بھی تنقید کرنا اور یہ دکھانا آسان ہے کہ اگر بالفرض ان کا واقعات پر مبنی ہونا حد امکان میں ہو بھی تاہم ذرہ برابر بھی گمان غالب نہیں کہ فی الواقع اُن کی بنیاد واقعات پر تھی۔ لیکن بجائے اس طرز عمل کے ہمارے لیئے یہ بہتر ہو گا کہ ہم اُن حالات کے ضمن میں روایات کی بے اعتباری پر بحث کریں گے جہاں روایات عام طور سے قابل وثوق سمجھی جاتی ہیں۔ اگر کسی خاندان کا یہ مطالبہ ہو کہ وہ کسی خاص غیر ملکی سورما کی اولاد سے ہے تو فی نفسہ یہی اس بات کا ثبوت سمجھا جاتا ہے کہ اس خاندان کا نکاس اس ملک سے ہو گا جہاں سے وہ سورما آیا تھا؛ مثلاً چونکہ پی سستراتوس، سولن وغیرہم اپنے آپ کو نیلوس کی اولاد بتاتے تھے اس لیئے قوم کی قوم پیلوپس سے ہی آئی ہو گی لیکن ہمارے نزدیک یہ نتیجہ لازم نہیں آتا۔[۵۵] واقعہ یہ ہے کہ ایسے خاندانوں نے اپنے آپکو نیلوس سے اس لیئے وابستہ کیا کہ اُن کی یہ خواہش تھی کہ اپنا نسب نامہ نہایت

---

[۵۵] قدیم نبیل خاندانوں کے نسب ناموں کو گ، پیٹرسن G.Petersen قابل اطمینان تصور نہیں کرتا۔ اس کی جامع تصنیف مسائل تاریخ اقوام اٹیکا "Quaestiones de historia gentium Atticarum" ملسن ۱۸۸۰ء ہے ہیں۔ ٹیوسانیاس (۲، ۱۸، ۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ ایتھنزی خاندانوں کے پیلوپس سے آنے کا واقعہ کس درجہ ناقابل یقین ہے اور خود ٹیوسانیاس کو مطلق علم نہیں کہ نسطوری پی سستراتوس کہاں آیا۔ وہی ٹیوسانیاس جو ہر چیز پر یقین کر لیا کرتا ہے نسب ناموں کی بے اطمینانی کا حوالہ دیتا ہے (۱، ۳۸، ۷؛ ۲، ۴، ۳؛ ۸، ۳، ۵، ۵)۔ زمانۂ حال کے مورخوں کو جو تاریخی تنقید کے اصول کو اُس سے بہتر سمجھ سکتے ہیں ان نسب ناموں کو تسلیم کرنے میں جن کا سلسلہ رزمیہ زمانے تک جاتا ہو، ذرا احتیاط ہونا چاہیئے۔ اس موضوع کے لیئے پ، گارڈنر: ابواب جدیدہ ۸۴ P.Gardner:New chapter پیلوپیول کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "چونکہ حکمیات میں متواتر ترقی ہو رہی ہے اس لیئے ہمیں امید ہے کہ ہم ان افسانوں سے روز بروز نئے نئے واقعات اخذ کر سکیں گے"۔

باب۳ درخشاں و تاباں بنالیں، اور چونکہ ان کے نام بھی نیلوس کی اولاد کے ناموں سے مشابہ تھے اس لیئے انھیں اپنی کوشش میں کامیابی ہوئی۔ مثلاً اگران میں سے بعض کا نام پی سِسٹراتوس تھا تو یہ اُس کے پی سِسٹراتوس ولد نسطور کی اولاد ہونے کے دعوے کے لیئے بالکل کافی تھا۔ ساتھ ہی وہ خاندان جو رتبے میں ان سے کم تھے وہ بھی اس دعوے کو تسلیم کرنے کے لیئے اس لیئے تیار تھے کہ ان کے اپنے لیئے بھی اس قسم کی شاہراہ کھل جاتی تھی۔ جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ آجکل کے زمانے میں بھی لوگ اپنے نسلی امتیازات ثابت کرنے کے لیئے کیسے کیسے حقوق جتاتے ہیں اور یہ دعوے کس درجہ بے بنیاد ہوتے ہیں تو ہمیں قدیم ایتھنزیوں کے اسی قسم کے دعاوی پر اُن سے زیادہ یقین کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ نسب ناموں کے دعاوی غلط ہیں تو پھر اُنسے یہ کیونکر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ایک خاص خاندان کسی مخصوص مقام سے آیا ہوگا۔ یہ فرض کرلیا گیا کہ نیلوسی ضرور پیلوس سے آئے ہوں گے ورنہ وہ نیلوس کی اولاد کب ہوسکتے تھے۔ لیکن صرف یہ دعوےٰ پیش کرنے کے لیئے کہ ایک خاص خاندان کا نسب نامہ نیلوس تک پہنچنا چاہیئے یہ ضروری نہ تھا کہ اُن کا مقام پیلوس سے آنے کو ایک تاریخی واقعہ تسلیم کرلیا جائے۔ اگر یہ مشہور و معروف ہوتا کہ بعض پیلوسی ترک وطن کرکے ایتھنز آئے تو یہ مفروضہ پیش نظر کے استحکام کے لیئے نہایت مناسب ہوتا، لیکن یہ لازمی نہ تھا کہ یہ واقعہ معروف و مشہور ہو۔ ممکن ہے کہ درحقیقت پیلوسی ایتھنز آئے ہوں اور ممکن ہے کہ دیگر اسباب کی بنا پر ظن غالب بھی یہی ہو، لیکن کم ازکم پی سِسٹراتوس کے مفروضہ نسب نامے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ دیگر نسب ناموں کے متعلق بھی اسی قسم کے دلائل پیش کیئے جاسکتے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ صرف عام دلائل سے نہیں بلکہ ہر ایک افسانے کی فرداً فرداً تنقید سے بھی ہمیں معلوم ہورہا ہے کہ محض روایات کی مدد سے کوئی ایسی پائدار بنیاد قائم نہیں ہوتی جس پر ابتدائی تاریخ یونان کا ایوان تعمیر کیا جاسکے، بلکہ اُس کی مدد سے ہم صرف قدیم شعرا اور وقائع نگاروں کا

کام جاری رکھ سکتے ہیں اور گویا کہ ریت پر بنے ہوئے محل کی آہک پاشی کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بالفرض ان قصوں میں باہمی ربط و اتصال کی کوئی صورت پیدا بھی کی جائے تاہم ہمیں اس سے کیا خاص فائدہ ہوگا؟ کیا ہمیں اس کے بعد قدیم یونانیوں کے خصائص کا صحیح اندازہ ہو سکیگا؟ ہومر کے اشارے سے یونانی خانگی حالات کا جو مرقع تیار ہوتا ہے، ٹرواے کے میکے نائی اور ترِنز کی کھدائیوں اور مختلف قصّوں اور خرافوں کو اگر یونان کے ذہنی ماحصل کے طور پر دیکھا جائے، ان سب سے یونانی زندگی پر بادشاہوں کی فہرستوں اور نسب ناموں سے (خواہ وہ کتنے ہی قابل اعتبار کیوں نہ ہوں) کہیں زیادہ حالات معلوم ہوتے ہیں۔ جو چیز اشور اور مصر کی تاریخ کو اس درجہ دلچسپ بناتی ہے وہ بادشاہوں کے کارنامے نہیں (اور ہم اس سے خوب واقف ہیں کہ انھوں نے آنے والی نسلوں پر اپنا رعب جمانے کے بڑے بڑے سامان کیے تھے) بلکہ اُن ممالک کی مخصوص تہذیب و تمدّن ہے؛ اور بالفرض اگر منوس کی شخصیت مسلمہ ہوتا ہم یونان کی تہذیب و تمدن کی جو حالت سورماؤں کے زمانے میں تھی اُس پر اس خاص واقعے سے کوئی روشنی نہیں پڑتی ہے۔[1]

---

[1] جس سورما کی شخصیت دوسرے سورماؤں کی شخصیت سے ذرا زیادہ تاریخی معلوم ہوتی ہے وہ تھیسیوس ہے جسے اٹیکا کے سیاسی اتحاد کا بانی بتایا جاتا ہے۔ چونکہ ہم اس امر سے واقف ہیں کہ اٹیکا کا اتحاد یونان کے عام اصول کے خلاف تھا اسلیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تھیسیوس نے اپنے کارناموں کی نشانی چھوڑی ہے۔ گو اُس کی تاریخی وقعت لی کرگوس سے کم ہے لیکن چونکہ اس کا نام ایک واقعی نام ہے اس لیے وہ رومیولوس سے زیادہ تاریخی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ واقع میں کوئی تھیسیوس تھا بھی یا نہیں یونان میں دیوتاؤں اور انسانوں کے قصّے ایک دوسرے کے ساتھ بالکل مخلوط ہو جاتے ہیں یونانیوں کے نزدیک دیوتا ایسے ہی واقعی اور تاریخی اشخاص ہیں جیسے سورما شمڈٹ نے اپنی کتاب "اخلاقیات یونان" (L. Schmidt: Ethek der Griechen) میں واضح کر دیا ہے کہ یونانیوں میں "تشخص" کی جو قابلیت تھی اُس سے وہ روز بروز زندہ نئے

باب ششم

یہ تو سورماؤں اور اُن کی وقعت کا ذکر ہوا، اب ہم نسل نگاری کے مسائل کی طرف رجوع ہوتے ہیں جن کا گزشتہ باب میں حوالہ دیا جاچکا ہے۔ یہ تمام مسائل دراصل ایک مسئلے پر مبنی ہیں وہ یہ کہ قدیم یونانی، اُن کے اسماء اور اُن کی تہذیب و تمدن کا جو کچھ حال روایات سے معلوم ہوتا ہے اس میں کسقدر حقیقت مضمر ہے؟

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ دیوتا ایجاد کیا کرلیتے تھے، اور یہی حکم سورماؤں کے متعلق بھی لگایا جاسکتا ہے جس طرح یونانیوں نے اُن اشخاص کو جو دیوتاؤں کے دائرے میں تھے، بالکل رقیق اور سیال حالت میں چھوڑ دیا، اور اُن کے ناموں، اور ظاہری تضاد کی مطلق پروا نہ کی ٹھیک یہی سلوک انھوں نے سورماؤں کے ساتھ روا رکھا۔ بوقت ضرورت نئے نئے سورماؤں کا اختراع روز مرہ کا ایک واقعہ تھا۔ جیسے دیوتاؤں کا وجود اعتقاد پر مبنی تھا اسی طرح سورما کسی نہ کسی خاص تخیل کے گویا مجسمے تھے اور کسی نہ کسی وجہ سے انکا وجود لازمی سمجھا جاتا تھا۔ غرضکہ یونانی نئے نئے سورما پیدا کرنے میں نہایت آزادی برتتے تھے اور اسمیں مطلق تامل نہ کرتے تھے؛ انھیں کبھی اسکا خیال بھی نہ آتا تھا کہ محض فرضی سورما حقیقی نہیں ہوسکتے۔ ان کے لیے سورماؤں کی وہ وقعت نہ تھی جو آجکل کسی تاریخی فرد کی ہے۔ انھیں اپنے مذہبی عقیدہ کے لیئے اُن کی ضرورت تھی؛ حکمتی مورخ کے لیئے ان کا انفرادی وجود ہی نہیں۔

باب ششم

پیلاسگیون کا بیان

روایات اور حقیقت واقعات

ہم دیکھ چکے ہیں کہ روایتی تاریخ کا دعویٰ ہے کہ یونان کے ابتدائی باشندے پیلاسگی تھے اور امتداد زمانہ سے وہی ہیلینیس ہو گئے[1] لیکن اس نظریے کا

---

[1] مختلف زمانوں میں جو مفروضے قائم کیے گئے ہیں اور جو تفسیریں لکھی گئی ہیں اُنسے تاریخ یونان کا مواد اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ یہاں اس پر تفصیلی تبصرہ کرنا قطعاً ناممکن ہے اور ہماری رائے میں یہ تفصیل بہ نسبت تاریخ کے علم آثار قدیمہ کے سلسلے میں زیادہ کارآمد ہوگی۔ اول ترین زمانے کے متعلق ہمارے پاس بعض نہایت باخبر تصانیف کا ذخیرہ موجود ہے جنمیں ایک کتاب ھ، گ، پلاس (H.G.Plas) کی "یونانیوں کے قبل تاریخ اور ابتدائی زمانے کے حالات" لائپزگ ۱۸۳۱ء Vor-und Urgeschichte der Helleuen ہے۔ زمانہ حال کے مورخوں نے پیلاسگیون کی بابت بہت کچھ لکھا ہے اور اپنی اپنی تصانیف کی ابتدا اس خیال سے کی ہے کہ ہیروڈوٹس اور اس کے بعد کے مورخوں کو سند کا پایہ دینا چاہیئے اور اگر ان میں کوئی باہمی تضاد ہو تو اُسے رفع کر دینا چاہیئے۔ اس موضوع پر ایک علم آموز کتاب ک ف، ہرمان کی "قدیمیات یونان" (K.F. Hermann: Gr. Staatsalterthiimes ۶ و ۷) کا مطالعہ مفید ہوگا۔ میں نے سنا ہے کہ حال ہی میں پیریز لاؤ میں ایک اور کتاب شائع ہوئی ہے (بریوک: Briick: Quae Veteres de Pelasgis tradidernut "حالات پیلاسگیان نوشتہ قدما") لیکن بد اتفاقات سے اس وقت تک میں نے اُس کا مطالعہ نہیں کیا۔

[2] ہومر میں پیلاسگیون کو ٹروا سے کی امدادی فوج بتایا گیا ہے (الیاڈ ۲، ۸۴۰؛ ۱۷، ۲۸۸) اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ڈوڈونا کا زیوس پیلاسگی الاصل ہے

باب ۳

ثبوت کوئی آسان کام نہیں - بلاشبہہ اگر ہم پانچویں صدی ق م کے مورخوں کو بیسویں یا پندرھویں صدی ق م کے واقعات کی سند سمجھنے لگیں تو ہمیں ایک خاص قسم کے بیان کی ایک بنیاد مل جائیگی، خواہ وہ بنیاد کتنی ہی کمزور کیوں نہو، لیکن اگر ہمیں اسکا

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ - (الیاڈ ۱۶، ۲۳۳)، نیز یہ کہ کریٹ میں پیلاسگی دیوتا موجود تھے (اوڈیسی ۱۹، ۱۷۷) - حال میں ہومر کے مختلف اجزا کی تاریخ کے متعلق جن آرا کا اظہار کیا گیا ہے اُن سے ہماری رائے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی - اگر وہ ہومری فقرے جو یہاں نقل کیئے گئے ہیں اس قدر حال کے زمانے کے لکھے ہوئے ہیں کہ انھیں ہومری نہیں کہا جاسکتا تو ایسی حالت میں ہومر میں پیلاسگیون کا ذکر نہ آنا خود ایک قولِ فیصل اور نمایاں امر ہے - اس قوم کے متعلق ہسیوڈ نے جو کچھ لکھا ہے اُسکا اسٹرابو (۷، ۳۵۷) میں اور آسیوس کی تحریر کا پوسانیاس ۸، ۱، ۴ میں اقتباس دیا ہوا ہے جو ودونا کو مسکن پیلاسگیان کا لقب دیا گیا ہے اور ہسیوڈ کا اقتباس جسمیں پیلاسگوس کو لیکاؤن کا باپ بتایا گیا ہے، اسٹرابو ۵، ۲۲۱ میں ہے ہیروڈوٹس ۲، ۵۶ میں کہتا ہے کہ ہیلاس کو پہلے پیلاسگیا کہتے تھے اور جو پیلاسگی خود مورخ کے زمانے میں تھے ان کا تذکرہ ۱، ۵۷؛ ۵، ۲۶؛ ۷، ۴۲ میں ہے - زمانہ حال کے مورخ اور قدما دونوں لفظ لاریسہ کو پیلاسگی قرار دیتے ہیں اور اس نام کی ترجیح سے اس نظریے کا انطباق ہوتا ہے کہ پیلاسگی صرف شمالی اضلاع اور ایشیا تک محدود تھے - ہم اس سے تھسلی میں تین جگہ آرگیس اور اکائیا، آرگوس اور اٹیکا، ٹروائے، امتی لنہ، ایلس والے کیے، الفی سوس، ترالیس اور کریٹ میں دو چار ہوتے ہیں - اور اس کے علاوہ یہ نام اشور، شام، پونٹوس اور کمپانیا میں بھی پایا جاتا ہے (اسٹرابو کے فقرات ۴۴۰ اور ۶۲۰ میں لاریسہ کا ذکر ہے) - ایشیا اور تھسلی کے لاریسیون کا پتا ہومر میں بھی ہے - اور محض اُن کے کریٹ میں موجود ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ ابتدا میں اندرون ملک میں رہتے تھے - آرگوس میں جو ایک لاریسہ ملتا ہے وہ اُنفورڈس کی رائے کے ایک کمزور سے ثبوت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے لیکن کسی اور ثبوت کے نہ ملنے پر یہ لفظ (جہاں تک تاریخی چھان بین کا تعلق ہے) بالکل بیکار

باب ۶

یقین نہیں کہ کوئی ایسی روایت جو کار آمد اور مفید کہی جا سکے اس قدر بعید زمانے تک محفوظ رہ سکتی ہے تو پھر ہمیں ایسے نوشتوں کی جستجو کرنی چاہیئے جو نسبتہً اُس دور سے قریب ہو جن کا اس میں تذکرہ ہو، اور کیا بلحاظ قدامت اور کیا بلحاظ تمدن کوئی نوشتہ ہومری نظموں کی برابری نہیں کرسکتا جن کے آخری اجزا بھی دیگر قدیم ترین نوشتوں سے بھی قدیم تر ہیں۔ ہومر میں پیلاسگیوں کا بہت ہی کم تذکرہ ہے اور اُن کا ذکر یہ کہہ کر ختم کر دیا گیا ہے کہ وہ ٹرویائیوں کی امدادی فوج کے ایشیائی افراد تھے۔ الیاڈ میں یہ بتایا گیا ہے کہ تھسالوی زیوس کی طرح دودونا کا زیوس بھی پیلاسگی الاصل ہے اور ہسیود نہایت صراحت کیساتھ بیان کرتا ہے کہ دودونا پیلاسگیوں کا وطن تھا، اور بہ اعتبار قدامت زمان کے یہی ایک قول پیلاسگی نظریئے کا ثبوت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان اقوال کے مطابق اس قوم کا وطن ایپائرس، تھسلی اور ایشیائے کوچک ہوگا۔ عام طور پر اُسے یونان میں کبھی کوئی وقعت نہیں دی گئی۔ لیکن زمانہ مابعد کے حالات بالکل مختلف ہیئت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہسیود کہتا ہے کہ پیلاسگوس لیکاؤن شاہ آرکیڈیا کا باپ تھا؛ اس کے بعد رزمی شاعر و نسّاب آسیوس نے (جو غالباً ساتویں صدی ق م میں ہوگا) اور ہیروڈوٹس نے اُس میں اضافے کیئے۔ آسیوس کی ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ ابوالبشر کا نام پیلاسگوس تھا، اور ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ یونان کو پہلے پیلاسگیا کہتے تھے۔ لیکن جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر یہ ہیروڈوٹس کو کیونکر معلوم ہوا تو ہمیں صرف یہ جواب ملتا ہے کہ اس دودونا کے پجاریوں نے بیان کیا، اور اگر ہم ان تمام روایات کو جو اُن پجاریوں نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ہو جاتا ہے اس لیئے کہ اُسمیں جو ایک لاحقہ ئیسہ ہے وہ ایشیائے کوچک کے بہت سے مقامات کے ناموں سے ملتا ہے (کیپرٹ: کتابچہ ۳۴ ۷ :Keepert Lehrbuch) غرض یہ ہے کہ اگر ہم لفظ لارِیسہ کو خاص طور پر ہم بالشالی سمجھیں تو اس رائے کے موافق کہ پیلاسگی ملاح تھے متعدد دلائل پیش کیئے جا سکتے ہیں؛ اسی لیئے زمانہ حال کے بہت سے مورخوں نے جن میں کیپرٹ کا نام بہت نمایاں اور ممتاز ہے

باب۳ مورخ سے بیان کیں پیش نظر رکھیں تو ہماری نظروں میں اُن کا وقار اور اعتبار نہیں بڑھتا؛ اس کے علاوہ ہیروڈوٹس نے جو کچھ ایتھنز اور پیلاسگیون کے باہمی تعلقات کے متعلق بیان کیا ہے اس میں صفائی یا صراحت نہیں پائی جاتی اور چونکہ پیش اس ر.ڈ.وں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس میں نہایت پیچیدگی پائی جاتی ہے اس لیئے ہمیں ہیروڈوٹس کی عدم صراحت پر متعجب نہ ہونا چاہیئے اس کے برعکس جو ذکر اس نے اپنے ہمعصر پیلاسگیون کا کیا ہے وہ بالکل سیدھا سادا اور قابل قبول ہے اور اُس کی جو ظہوری قیمت ہے وہ عیاں ہے۔ ہیروڈوٹس کے زمانے یا اس سے کچھ روز پیشتر پیلاسگی بحیرۂ ایجین کے شمالی ساحل اور تھریسی ساحل کے جزیروں میں آباد تھے اور اس بیان میں اور ہومر کے تذکرے میں ایک حد تک مطابقت پائی جاتی ہے۔ اسطرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ پیلاسگی مختلف زمانوں میں شمالی یونان اور جنوب و مشرق کی طرف آباد تھے۔ لیکن آجکل کیطرح ہیروڈوٹس میں بھی پیلاسگی عروج کی وہی عظیم الشان لیکن اس کے ساتھ ہی نہایت مبہم تصویر کھینچی ہوئی ہے؛ وہ کہتا ہے کہ ایتھنزی نسلی اعتبار سے پیلاسگی تھے اور اسی طرح تمام ایونیائی، ایولیائی اور آرکیڈی پیلاسگی النسل تھے؛ صرف دوریائیوں میں ہی اصلی یونانی خون پایا جاتا ہے۔ ہیروڈوٹس یہ نہیں بتاتا کہ وہ تمام اقوام جو پہلے پیلاسگی تھے آخر ہیلینیس کیسے ہو گئے اور نہ وہ اس کی صراحت کرتا ہے کہ قدیم پیلاسگیون اور ہیلینیس کی زبان میں کیا امتیاز باہمی تھا؛ اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اُسے پیلاسگیون کی بابت یہ سب امور کیونکر

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ یہ اعلان کر دیا ہے کہ وہ سامی الاصل تھے، گو اس وقت تک اُس کا کوئی قول فیصل ہم تک نہیں پہنچا (کیمپرٹ ۲۱۶)۔ ڈیوڈوروس (۳، ۶۷) کہتا ہے کہ حروف ہجا پیلاسگی کہلاتے تھے، لیکن اُس کی کوئی اور مورخ تائید نہیں کرتا اس لیئے اُسکی وقعت نہیں ہے۔ اس سے زیادہ قابل یقین نظریہ تو یہ ہے کہ پیلاسگی ان قبائل میں سے ہیں جن کے لیئے گرتیوس نے لفظ ''ایونیائی'' گھڑا ہے، لیکن یہاں بھی دودوناکی وجہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے۔ پیلاسگیون کے متعلق مزید بیانات کیلیئے ہیروڈوٹس ۱، ۷، ۵۷؛ ۸، ۴۴

معلوم ہو گئے تھے؟ اس کے بعد ایفوروس نے اس سے زیادہ قریب الفہم نظریہ قائم کیا، وہ یہ کہ پیلاسگی در اصل آرکیڈیا سے آئے، وہ فطری طور پر جنگجو تھے اور اُنھوں نے اپنی نسل کی اقوام کو جمع کر کے اُن کے ساتھ بہت سے ممالک مثلاً کریٹ کے بعض حصوں اور تھسلی پر قبضہ کر لیا۔ اس نظریے کے مطابق جب پیلاسگیون کا اعتبار و اقتدار بڑھا تو اُس وقت بھی یونانی قوم کا وجود تھا۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان بیانات اور ہیروڈوٹس کی تحریروں میں کس قدر فرق ہے؛ حقیقت یہ ہے کہ دونوں مورخ ان بعید واقعات سے بالکل نابلد تھے اور دونوں نے اپنی مختصر معلومات پر خود اپنے نظریوں اور مخترعات کا اضافہ کر کے ایک خاص قسم کی تصویر دکھا دی؛

یہ معلوم کرنے کے لیئے کہ ان مورخوں نے یہ اختراعات کیوں کیے ہمیں دو باتوں پر غور کرنا پڑیگا۔ لفظ پیلاسگی کی جو اصل مورخوں نے بیان کی ہے وہ نہایت اہم ہے؛ ان کا خیال ہے کہ یہ لفظ (Palai) "یعنی قدیم" سے مشتق ہے؛ پیلاسگوس در اصل اولین انسان کا گویا قائم مقام ہے اور پیلاسگی گویا یونان کے قدیم ترین باشندے ہیں لیکن اُنکے پاس اس دعوے کا مطلق کوئی ثبوت نہ تھا۔ اسی کا اتباع کر کے ہیروڈوٹس کی یہ رائے ہوئی (علاوہ دوریانیوں کے جو عرصے کے بعد یونان میں وارد ہوئے) باقی جملہ یونانی پیلاسگی تھے اور چونکہ دودونا کے پجاری اپنے معبد کو پیلاسگی زمانے کا تصور کرتے تھے اسلیئے اُنھوں نے اس نظریے کی تائید کی، نیز چونکہ آرکیڈیوں نے اپنی ابتدائی سادگی کو دیگر یونانیوں سے زیادہ محفوظ رکھا تھا اس لیئے اُنھوں نے بھی اپنا پیلاسگی الاصل ہونا ظاہر کیا؛ اور ساتھ ہی یہ دلیل بھی پیش کی کہ ہمارے ملک میں غیر ملکیوں کے آنے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ (ایتھنزیوں کا تعلق پیلاسگیون سے)؛ ۱، ۶، ۱۴۶ (آرکیڈیا) ۹۵۷ (ایولیائی) ۷، ۹۴ (ایونیائی)۔ (اٹیکا میں پیلاسگیون کی موجودگی) ۲، ۵۱؛ ان سب حوالوں کے ساتھ شٹائن Stein کے حواشی بھی دیکھنا چاہئیں۔ ہیروڈوٹس (۱، ۵۸) کے نزدیک ہیلے نیس اور پیلاسگی ایک دوسرے سے علٰحدہ ہو گئے۔

باب ۲

اور آباد ہونے کا کوئی ثبوت نہیں؛ اس کے علاوہ یہاں زیوس دیوتا کی خاص طور پر پوجا کی جاتی تھی۔

الفورس کا نظریہ یہ ہے کہ پیلاسگی قوم آرکیڈیا کی رہنے والی تھی اور چونکہ اُس کے افراد فطرۃً جنگجو تھے اس لئے رفتہ رفتہ یہ دیگر اطراف ملک پر حاوی ہو گئے؛ یا یہ نظریہ ایک اور طرح سمجھ میں آسکتا ہے؛ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک عام تاریخی نظریے کا ایک جزو ہے جس کا اطلاق دیگر اقوام دنیا پر بھی کیا جاتا ہے۔ ہمیں انجیل کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرقی ممالک میں یہ خیال عام تھا کہ مختلف اقوام کے نام وہی ہیں جو اُن کے مورثان اعلیٰ کے ہیں اور یہ مورث اپنی اولاد کے ذریعے سے اپنا نام کل قوم کو دیتے ہیں۔ مثلاً یونانی ایک ایو کا اور لے لیگیس اور ایک لے لیگس کا وجود فرض کر لیتے ہیں۔ لیکن ایک مشکل سے دوچار ہونا پڑتا ہے، وہ یہ کہ اقوام کا ہمیشہ ایک ہی نام نہیں رہتا؛ اس کے لیئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر ایک نام کے سلسلے میں کسی ایک مورث کا نام تجویز کر لیا جاتا ہے اور ان میں سے ایک کو مورث اعلیٰ اور باقی کو سلسلہ بہ سلسلہ اس مورث اعلیٰ کی اولاد بنا یا جاتا ہے۔ اگر ایک شخص کی اس قدر وقعت ہو کہ قوم کی قوم اُس کے نام سے پکاری جاتی ہو تو یہ فرض کر لینا بیجا نہ ہوگا کہ اُس ایک شخص نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہوں گے؛ اس کا موقع اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی غیر ملکی نے حملہ کر دیا ہو اور ملک کی خاموشی اور پُر امن ارتقائی کیفیت میں نقص پیدا کر دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی تاریخ میں ہمیں اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ باہر سے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گوشتہ۔ اسٹرابو ایک حد تک ہسیوڈ پر تکیہ کرتا ہے اور اول الذکر کی رائے کا اعادہ الفورس (۵، ۲۲۱) میں کیا گیا ہے۔

پیلاسگیون کے مسئلے کے سلسلے میں اٹیکائی اور تیرہے نیائی پیلاسگی خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ ہیروڈوٹس (۶، ۱۳۷) کے بیان کے مطابق اٹیکائی پیلاسگیون نے ایتھنز کے قلعے کی دیواریں تعمیر کیں اور اسکے زمانے میں انکا سردار ہی میتوس تھا؛ بالآخر انھیں اپنا

کوئی آیا اور ملک پر متسلط ہوگیا اور پوری قوم اُسی کے نام سے پکاری جانے لگی۔ مگر لوگوں کی خواہش یہ معلوم کرنے کی تھی کہ آخر اس جلیل القدر شخص نے اپنا وطن کیوں چھوڑا اور جن اصحاب نے قوم کی تاریخ مرتب کی اُن کے پاس اس کا جواب بھی موجود تھا، وہ یہ کہ اس ملک میں کوئی بدامنی یا جھگڑا پیدا ہوا تھا جسکی وجہ سے اُسے ترک سکونت کرنی پڑی یا کہ بیرونی حملے کی وجہ سے کسی اور نے اس کی مدد چاہی۔ یونان کی تاریخ ایسے افسانہ آمیز قصوں سے جن کی ابتدا اس قسم کے اسباب سے ہوئی بھری پڑی ہے، ان کے لئے کوئی تاریخی سند دریافت کرنا بیکار محض ہے، اصل یہ ہے کہ ان کی تاریخی سند سرے سے مفقود ہے۔

اب ایک قدم آگے بڑھیئے۔ اگر اقوام کے نام اُن کے ابوالآباء کے نام پر نہیں بلکہ ان لوگوں کے ناموں پر رکھے گئے تھے جنھوں نے اگر وقتاً فوقتاً ملک پر تسلط قائم کیا تو پھر یہ ممکن ہے کہ ایک ہی قوم کے متعدد نام ہوں جو اُس کے جملہ فاتحوں کے ناموں پر رکھے گئے ہوں، اور چونکہ بہت سے لوگوں کا بہت سے مقامات پر جانا

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ ۔ وطن چھوڑ کر جزیرۂ **لیمنوس** چلا جانا پڑا۔ **استرالبو** (۹، ۱، ۴۰) کے نزدیک وہ **بیوتیہ** سے اٹیکا آئے تھے۔ **طوسی ویدئس** (۴، ۱۰۹) کہتا ہے کہ وہ دراصل **تیرھے نیائی** تھے۔ **دیونی سیوس** ساکن **ہالی کارناسوس** نے اسوفوکلیس کی کتاب **اناخوس** کا جو اقتباس دیا ہے (۱، ۲۵) اس میں بھی **تیرھے نیائیوں** اور **پیلاسگیوں** کو ایک ہی قوم فرض کر لیا گیا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ **سوفوکلیس** کا مطلب دراصل **آرگوسیوں** سے ہے اور اس مثال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے کے مصنفوں کا یہ قاعدہ تھا کہ کسی نظم کے کسی خاص فقرے کی تاویل کرتے وقت محض تخیلات کو تاریخی اور واقعاتی جامہ پہنا دیتے تھے۔ قدیم زمانے کے جو باقیات ہمیں حاصل ہوئے ہیں اُن میں اس قسم کا مصنوعی اور جعلی مواد بھرا ہوا ہے اور اُسے مفسروں کے مفروضہ ہونے کے علاوہ اور کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔ اس کے برعکس **ہیروڈوٹس** (۱، ۵۷) **پیلاسگیوں** اور **تھریس** میں رہنے والے **تیرھے نیائیوں** کی تفریق کرتا ہے۔ بدیں سبب یہ بھی پورے طور پر صاف نہیں ہے کہ **لیمنوس**، **امبروس** اور **پلاکیئے** کے قدیم باشندوں کا

باب ۲

ایک ہی شخص کے جاننے سے زیادہ آسان ہے اس لئے اگر مختلف اقوام کا ایک ہی نام ہو تو ظن غالب یہی ہے۔ ممکن ہے کہ یہی خیال اور مورخوں کے دل میں بھی آیا ہو لیکن کم از کم الیفوروس نے پیلاسگیون کے ذکر میں اس پر بہت زور دیا ہے وہ کہتا ہے کہ پیلاسگیون کا ذکر متعدد اضلاع کے سلسلے میں آیا ہے۔ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ اس قوم کے افراد نے جو ایک جنگجو آرکیڈی قوم کے رکن تھے۔ ان سب اضلاع کو فتح کر لیا تھا۔ (یہاں الیفوروس دراصل ہسیود کا اتباع کرتا ہے جس نے لیکاؤن کو پیلاسگوس کا بیٹا بنا دیا تھا)۔ اس نظریئے میں بہت سے آبائی ناموں سے مدد لی گئی ہے، لیکن فی الجملہ اس کی قیمت نظریۂ "واحد الشخصیت" سے زیادہ نہیں ہے اور ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس کا سلسلہ قدیم روایات تک پہنچتا ہے۔ ۵۲

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ نام کبھی بھی پیلاسگی تھا یا یہ کہ اٹیکا میں کبھی بھی پیلاسگی آباد تھے۔ یہاں تک بھی خیر۔ اب ایک صاحب کا قول ہے کہ لدیہ کے ایک قبیلے کا نام تورہے بنیائی تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ پیلاسگی ایشیائے کوچک میں آباد تھے، بدیں وجہ تیرہے نوس اور تورہے نوس میں خلط مبحث ہو جاتا ہے، یعنے اٹرسکی اقوام (تیرہے نی) دراصل لدیہ سے ہی آئی تھیں اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ ان ہی اٹرسکنوں کو بجائے پیلاسگی ہونے کے تیرہے نیائی بتایا جاتا ہے غرض یہ ہے کہ اقوام کے ناموں کی بجنسہ وہی حالت ہے جو کسی شعبدہ باز کی گیند کی ہوتی ہے جسے قرار نہیں ہوتا اور جو ہوا میں اڑتی پھرتی ہے۔ حال ہی میں جزیرۂ لیمنوس میں ایک نوشتہ دریافت ہوا ہے جو ہے تو یونانی حروف میں لیکن بڑے بڑے مبصروں (مثلاً دے کے Deeke کی رائے میں وہ اٹروری زبان کے ہم شکل ہے "لیمنوس والا تیرہے نیائی نوشتہ"، (Die Tyrrhen. Inschrift Von Lemnos, Rhein. Mus. 1886, p. 460)، اس لئے ممکن ہے کہ لیمنوس کے تیرہے نیائی دراصل اٹروری قوم ہی کا ایک جزو ہوں۔ لیکن اس نظریئے سے پیلاسگیوں کے وجود کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

۵۲ جہاں تک ناموں کی اصل کا تعلق ہے یہ امر نہایت دلچسپ ہے کہ جس طرح الیفوروس نے

ان اسباب کی بنا پر اس کا ثبوت نہیں دیا جا سکتا کہ پیلاسگی نامی قوم کی تاریخ کی یونان کے ابتدائی مراحل میں ذرا بھی دخل تھا۔ ہومر کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا اور یورپ میں پیلاسگی ضرور تھے، لیکن ایشیا میں تو اُن کی قوم کبھی ممتاز نہیں ہوئی اور گو ہمیں معلوم ہے کہ یورپ میں وہ ایپائرس اور تھسلی میں آباد تھے، لیکن یہ سننے میں نہیں آتا کہ اُن کی تعداد زیادہ تھی یا وہ بہت ذی اقتدار تھے۔ قدیم مورخ روز بروز پیلاسگیوں کے کارنامے بڑھانے چڑھانے پر تُلے ہوئے تھے، اور یہ اس قدر زیادہ کہ زمانۂ حال کے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ پیلاسگیوں کی اصل کی بابت تحقیقات کی ہے۔ ایسے میں طوسی ویدش نے یونانی قوم کے متعلق بھی اپنی تضیع اوقات کی ہے۔ اُس کے نزدیک (۱/۳) یونانیوں کا ہیلے نیس اس لیے نام پڑ گیا کہ ہیلن اور اس کے بیٹے (جو تھسلی کے باشندے تھے) نہایت جنگجو تھے اور اُنھوں نے دیگر ممالک میں نام پیدا کیا وہ اپنے وطن مالوف سے خارج نہیں ہوئے بلکہ اُن سے امداد کی درخواست کی گئی۔ اس نظریئے کے قائم کرنے میں اُس پرانے قاعدے پر عمل کیا گیا ہے کہ جہاں واقعات کی ضرورت ہو وہاں اُنھیں گھڑ لیا جائے۔ یہ نہایت دلچسپ بات ہے کہ کسی قوم کی اصل دریافت کرنے کے لیے تین مختلف طریقوں سے کام لیا جاتا ہے: (۱) یہ کہ مورث اعلیٰ ایک ہی ہے اور قوم کا نام اُسی کے نام پر رکھا گیا ہے؛ (۲) اس نام کا ایک شخص قوم کو مغلوب کر لیتا ہے اور اُسی کے نام سے قوم کی قوم مخاطب کیجاتی ہے؛ (۳) بہت سے افراد جبراً حاکم بن بیٹھتے ہیں یا مختلف مقامات میں کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں اور اُنکی قوم اُنھیں کے نام سے پکارے جانے لگتی ہے، یا قوم کا اُس رہبر کے نام پر نام پڑ جاتا ہے جس کے ساتھ وہ ترک وطن کرتے ہیں۔ ڈیونی سیوس ساکن ہالی کارناسوس (۱، ۱۱) میں ہیو گے تیوس کا ذکر کرتا ہے جسنے ترک وطن میں "اپنی قوم" کی رہبری کی تھی اور طلینی کے قول کے مطابق (۳، ۵) اٹلی میں لوکانی اپنے سردار لوکیوس کی ماتحتی میں سانی قوم سے جدا ہو گئے۔ طریق نمبر ۲ کی ایک نمایاں مثال او ئے نوتریائیوں کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس قوم پر اطالوس، مورگیتیس اور سیقے لوس نے حکومت کی، اور اسی لیے اُنکا نام اطالوی، مورگیتا اور سقالی پڑ گیا۔ (اس ضمن میں ڈیونی سوس ساکن ہالی کارناسوس کا اقتباس انطاکوس نے دیا ہے:

مصنف بھی یہ سمجھنے لگے کہ یہ دراصل ابتدائی یونانی قوم کا ہی نام تھا۔ لیکن یہ
محض غلط ہے۔ اگر ایسی قوم کا نام ہی تجویز کرنا تھا جس کا وجود ثابت ہو چکا ہے
تو "پیلاسگی" تجویز کرنے میں چنداں حرج نہ تھا، کتنے ایسے نام ہوں گے جو
کسی اشیائے معلوم کے لیئے حال کے زمانے کے ماہران حکمیات نے اُن کی
بسیط تعریف کے لیئے اختراع کیئے ہیں؟ لیکن اس ضمن میں اشتباہ یہ پیدا ہوتا
ہے کہ لفظ "پیلاسگی" خود ساختہ نہیں بلکہ زمانہ قدیمہ میں بھی مستعمل تھا،
اس لیئے اگر ہم اُسے وسیع تر معنیٰ میں استعمال کریں تو یہ خیال پیدا ہو جانے
کا احتمال ہے کہ اس لفظ کے معنیٰ فی نفسہٖ وسیع تر ہیں اور یہ کہ بیشتر ابتدائی
یونانیوں کا نام پیلاسگی ہی تھا؛ یہ ایسی بات ہے جو نہ ثابت شدہ ہے
اور نہ مظنون ہے۔ حال تو یہ ہے کہ اس وقت تک یہ امر پایۂ ثبوت کو ہی
نہیں پہنچا کہ ان تمام اقوام میں جنھیں ایک نوعی نام "پیلاسگی" دیا جاتا ہے
باہمی کوئی رشتہ بھی تھا یا وہ کسی نوعی نام کے مستحق بھی تھے؛ اور جب ہم یہ دیکھتے
ہیں کہ فرضی پیلاسگی تمدن بھی، جو اُن لوگوں کے لیئے جو پیلاسگی نام کیساتھ
اتنا کچھ وابستہ کرنا چاہتے ہیں، ایسے مفروضوں پر مبنی ہے جو ہنوز ثابت نہیں
ہوئے اور جو قرین قیاس بھی نہیں ہیں تو اس نام کے استعمال میں اور بھی
زیادہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔[۱]

---

[۱] انھیں وجوہ سے ہم مجبور ہیں کہ اُن محققوں کا ساتھ دینے سے گریز کریں جو ابتدائی یونانی تمدن اور فنون کیلیئے
سند مانے جاتے ہیں لیکن جو ایک مخصوص دور تاریخ یونان کو "دور پیلاسگی" کا لقب دیتے ہیں، اس لفظ کا یہ
استعمال اس معنیٰ کر کے تاریخی نہیں ہے۔ پیلاسگیوں کیلیئے فرانکوٹ ("یونان قدیم کی آبادی" پیرس
۱۸۹۱ء Francotte: Les populat. de la Grece; Paris, 1891)
مجھ سے بالکل متفق الرائے ہے اور اے میر ("تحقیقات تاریخ یونان" جلد ۱، ہالے ۱۸۹۲ء
E. Meyer: Forschungen zur griech. Gesch. I, Halle, 1892)
انھیں امور کو جنھیں میں نے مختصراً ثابت کیا ہے نہایت تفصیل کے ساتھ واضح کرتا ہے لیکن
میری تحریر کا اقتباس نہیں دیتا اور ساتھ ہی ویسے ہی فخر کرتا ہے جیسے کہ اگر اُس نے یہ رائے
سب سے پہلی مرتبہ ظاہر کی ہو۔

باب ہفتم

دیگر یونانی اقوام؛ لیلےگیس، کاریائی، میناے
قدیم یونانیوں میں تہذیب و تمدن کا پھیلنا؛ ازمنۂ رزمیہ

ایونیانی

پیلاسگی اس ممتاز درجے کے مستحق نہیں جو انھیں دیا جاتا ہے؛ لیکن اور بھی بہت سی قومیں ایسی ہیں جن کا قدیم تاریخ یونان میں تذکرہ ہے، اور ان میں سے بعض تو یونانی النسل ہیں اور بعض نیم مشرقی ہیں۔ ان موخر الذکر اقوام میں سے کاریائیوں کا نمبر اول ہے؛ لیکن روایات کے اعتبار سے اُن کے ساتھ ایک اور قدیم قوم کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے جس کا ذکر ہم کاریائیوں سے پہلے کریں گے اس لیے کہ اُن کی واقعی تاریخ اور اُس رتبے نے جو بڑے بڑے علما نے اُنھیں دیا ہے، اُنھیں پیلاسگیون کا ہمسر بنا دیا ہے۔ ہمارا مطلب لیلےگیس سے ہے ہومر کی تصانیف میں وہ پیلاسگیون کی طرح بحیرۂ ایجین کے ایشیائی ساحل پر ترویانیوں کے حلیفوں کی صف میں نمودار ہوتے ہیں[1]، لیکن مورخین مابعد کے نزدیک وہ دراصل

[1] لیلےگیس؛ ہومر: الیاڈ ۲۰، ۹۶؛ ۱۰، ۴۲۹ مع "آلہہ پیلاسگیاں"۔ اس کے لئے اِسترابو ۷، ۱، ۳۲۱ و ۳۲۲ کا عام طور پر حوالہ دیا جاتا ہے۔ ارسطاطالیس جزو ۷، ۱۲ ایں جس کا اقتباس اِسترابو نے ۳۲۱ میں دیا ہے اکارنانیہ، لوکری، بیوتیہ، میگارس، لیوکاس کا ذکر ہے؛ پیوسائناس ۴، ۳۶، ۱ میں ضلع میگارڈ اور پیلوس کا، اور ۴، ۱، ۱ میں لقونیہ کا بیان ہے۔ [2] لیلیگس کے مصر سے میگارا جانے کا حال

باب ۲

اکارنانیہ، لوکرس، بیوتیہ، مگارس، لقونیہ، مسینیہ اور پیلوس کے باشندے تھے اور اس طرح گویا نصف یونان میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان بیانات کے بہت بڑے حصے کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ پیوسائناس (۱، ۳۹، ۶ اور ۴، ۴۳) میں دیا ہوا ہے۔ الفیوروس (جزو ۳۲م) کے مطابق بلطہ کے ساحل پر بھی، جو عام طور پر کاریائی نوآبادی سمجھی جاتی ہے، لیلے گیس آباد تھے۔ لیلے گیس کیلئے ک، و، دائم لنگ: لیلے گیس K.W. Deimling: Die Leleges لائپزگ ۱۸۹۲ء کا مطالعہ کیا جائے۔ کیپرٹ اپنے مضمون میں جو روئداد ماہواری انجمن علمیہ برلن ۱۸۶۱ء صفحہ ۱۱۴ Kiepert: Monatsber. der Berl Acad 1861 میں چھپا ہے اس سے کلیتہً اختلاف کرتا ہے اور اس نے اپنے اسی خیال کی پیروی اپنے "کتابچہ نصاب" صفحہ ۲۴ ("الریائی") Lehrbuch میں بھی کی ہے۔ دائم لنگ کا ابتدائی خیال بالکل درست ہے کہ لیلے گیس کے اس قدر وسیع رقبے پر پھیلنے کے نظریے کی کوئی جہت ضرور ہونی چاہیئے؛ لیکن جو سبب اس نے دیا ہے (یعنی ان کی پوجا پاٹ کے طریقے) درست نہیں ہے؛ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ قدمانے ان کے مساکن اور ناموں کو نہایت خود رائی سے ساتھ ملا دیا۔ پہلی جہت کی تو حقیقت دی ہوئی ہے؛ کاریائیوں کی طرح ان کا اصلی وطن ایشیائے کوچک کے ساحل پر تھا، اور بلاشبہہ وہ انکی طرح ایک بحری قوم کے افراد تھے اور جگہ جگہ چکر لگاتے پھرتے تھے۔ دوسری جہت کے طور پر ان کے نام پیش کیئے جاتے ہیں؛ اس کی توجیہ ہسیود نے کی ہے جس کا اسٹرابو نے (۳۲۲) میں اقتباس دیا ہے۔ اس سے شعرا اور قدیم مورخ یہ آسانی تاویل کر سکتے تھے۔ ملاحوں کی ایک قدیم قوم جو یا تو مختلف النسل اقوام کے مجموعے سے یا ان لوگوں کے یکجا ہونے سے بنی تھی جنھیں زیوس نے دیوکالیون کے سامنے پیش کیا تھا، یقیناً ہر جگہ پائی جاتی ہوگی، اور ایسی جگہ وہ التزاماً ہوگی جہاں ملاح رہتے تھے (جیسے اکارنانیہ کے تیلے لوئے) یا جہاں الفاظ کی اصل اس نظریے کی منافی ہیں (جیسے یہ نظریہ کہ لوکرسی لیلے گیس کی اولاد تھے) اس سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ آخر ایسے مواضعات میں جہاں غالباً لیلے گیس کا پتہ بھی نہ ہوگا آخر انھیں کیوں داخل کیا گیا۔ میولر (۳، ۴، ۱۰۳) میں دونوس کا اقتباس دیتا ہے کہ ساموس میں ہیرا کا بتخانہ لیلے گی تھا؛

ماخذ در اصل ارسطاطالیس جیسے پائے کا مورخ ہے[۵۲]۔ قدما کی رائے کے مطابق وہ اور پیلاسیجی دونوں جملہ بلادِ یونان میں پھیل جاتے ہیں یعنی جو حصہ لیلیگیس سے بچتا ہے (یعنی تھسلی، اٹیکا، آرکیڈیا) وہ سب پیلاسگیون کے قبضے میں ہے۔ ان دونوں قوموں میں ایک مشابہت اور بھی پائی جاتی ہے؛ وہ یہ کہ بہت سے اضلاع (مثلاً اکارنانیہ اور لقونیہ) میں اُن کا ابوالآبا، یا ابوالملوک پیلاسگیون کی طرح لے لیکس ہی تھا، اور روایت کے مطابق وہ مصر سے مگارا آیا تھا

---

۵۳ کاریائی، میگارہ میں، پوسانیاس، ۱، ۴۰، ۶؛ ایپی دوروس اور ہرمیونے میں، اسٹرابو، ۸، ۴، ۲۷۔ (ہیروڈوٹس ۵، ۶۶ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہتا ہے کہ ایک دفعہ ایک کاریائی ایتھنز جا کر آباد ہو گیا لیکن محض اس فقرے سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ عام طور پر کاریہ کے باشندے ایتھنز جا کر آباد ہو گئے) جزائر میں طوسی ویدیش ۱، ۸ (جہاں کاریائی اور فنیقی تقریباً مساوی التعداد ہیں اور گو یہ واقعہ غور کرنے کے قابل تھا لیکن اس پر کافی غور نہیں کیا گیا)۔ کاریائیوں کی ایجادات کا ہیروڈوٹس ۱، ۱۷۱ ؛ اسٹرابو ۱۴، ۲، ۶۶۱ اور دیگر فقروں میں تذکرہ ہے جنھیں ہیلبگ نے اپنی کتاب "دورِ ہومر" Helbig. Hom. Epos ۲۲۹ میں نقل کیا ہے۔ وہ اس موضوع پر نہایت بسیط تبصرہ کرتا ہے۔ ہیروڈوٹس ۱، ۵-۸۸) کے نزدیک ایونیائی زنانہ لباس بھی "کاریائی" ہی ہے۔ ہیلبگ لکھتا ہے کہ ایونیائیوں کو ہومری دور میں بھی کاریائی ایجادات کا علم تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ فرضی بڑے نام ایونیائی تمدن میں بہت کچھ کاریائی عنصر شامل ہے۔

اینولیہ اور یوبیہ میں کوریتیس، اسٹرابو [۴۶۲/۴۶۸]۔

جنوبی ایلیس اور میسینیہ میں کاؤکونیس، اسٹرابو ۳۴۵۔

یوبیہ میں ابانتیس، اسٹرابو ۴۴۵

دریوپیس، اسٹرابو ۳۷۳، ۴۳۴۔

یہ قوم زمانۂ مابعد کے دورس میں کوہ ایتا پر جزیرہ یوبیہ میں اِستیرا اور کارستوس میں اور جزائر کیتھنوس، ازینے اور ہرمیونے میں پائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ وہ اکائیائیوں کے ہمقوم یا کم از کم ساتھی اور حلیف ضرور سمجھے جاتے ہیں۔ زمانۂ مابعد میں ہمیں نہایت قابل قدر اطلاع ملتی ہے کہ لیلے گیس ابتداءً ایفی سوس سے فوکیہ تک تمام ساحل پر اور جزائر خیوس اور ساموس پر قابض تھے، یہ کہ وہ ایشیائی کاریائیوں کے غلام تھے، یہ کہ وہاں بعض مقامات کو لیلے گیس کا وطن بتایا جاتا تھا اور یہ کہ کاریہ میں بہت سے ویران و برباد قلعے تھے جنھیں لیلے گیس سے منسوب کیا جاتا تھا۔ ان امور کے علاوہ ایشیا میں ایک مقام "پیلاسگی لیلے گیس" کا نام سننے میں آتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ان کے اور پیلاسگیوں کے حالات کم و بیش ایک سے ہیں۔ ہومر میں پیلاسگیوں کی طرح لیلے گیس ایشیا کی طرف ظاہر ہوتے ہیں، اور تاریخی زمانے میں وہ ایشیا میں اور پیلاسگی ایجین کے شمال میں نظر آتے ہیں۔ الغرض روایت کی رو سے یونانی یورپ ان دونوں قوموں کے درمیان تقسیم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں پہنچکر انکا صرف نام ہی نام باقی رہ جاتا ہے؛ اور درانحالیکہ دودونا کے پیلاسگی زیوس کا وجود ایک ناقابل انکار واقعہ ہے، لیلے گیس کا وجود پیلاسگیوں سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے۔ اس خیال کو لے کر کہ لیلے گیس نصف یونان میں پھیل گئے تھے اور تاریخ یونان کے اس عظیم الشان عنصر کے لیئے ایک منفرد تہذیب و تمدن کا ہونا لازمی امر ہے، حال کے ایک محقق نے نہایت محنت و کاوش سے تمام مواد کو یکجا اور با ترتیب کر کے اُسے جانچا ہے اور بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مفصلۂ ذیل ادارات دراصل لیلے گی ہیں: ارتمیس کی پوجا، خاصکر ایفی سوس میں؛ مختلف بت خانوں کی وہ پجارنیں جنھیں "ہئے رو ڈولوئی ہیتائی رائی" (جماعت قربانی کنندگاں) کا لقب دیا جاتا ہے؛ لقونیہ میں اپولو کارنیوس کی پوجا اور ہیاکنتھیا کا میلا لیکن افسوس ان سب باتوں کا مطلق کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں ارتمیس کی پوجا کے جن امور کو وہ لیلے گی قرار دیتا ہے اُنھیں قدیم مورخ لیلے گیس سے منسوب نہیں کرتے اور اور اس سے بھی زیادہ تحیر انگیز بات یہ ہے کہ یونان میں جن اضلاع کو "لیلے گی" کا لقب دیا جاتا ہے وہاں لیلے گی خصوصیات کا پتہ بھی نہیں ملتا۔

کاریائیوں کی صورت حال ایک حد تک مختلف ہے، اس لیئے کہ یہاں

باب

ہمارے سامنے حقیقی واقعات کا میدان ہے لیکن اسی وجہ سے اس قوم کے آثار سرزمین یونان میں اس قدر پھیلے ہوئے نہیں ملتے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ وہ میگارا میں رہتے تھے؛ تاریخی زمانے میں میگارا میں ایک قلعہ تھا جس کا نام کاریہ تھا؛ اس کے علاوہ وہ ایپی دوروس اور ہرمیونے میں بھی آباد تھے لیکن اس وقت تک اس کا ثبوت میسر نہیں ہوا کہ فی الواقع وہ اٹیکا میں رہتے تھے یا نہیں؛ افسانوں سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اٹیکا کے ساحلوں پر تاختیں ضرور کیں، ساتھ ہی یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ انھیں بحیرۂ ایجین پر سیادت حاصل تھی، اور ان دونوں امور میں جو تطابق ہے وہ ظاہر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یونانی تہذیب و تمدن پر اُن کا معتدبہ اثر پڑا اور زرہ بکتر کے ارتقا کی تاریخ میں اُن کے آثار نمودار ہیں؛ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے دُہرے دستے کی ڈھال، خود کی کلغی اور ڈھال پر خاندانی نشان ہونا یہ سب کاریائیوں کی ہی ایجادات ہیں۔ تاریخی زمانے میں بھی کاریائی ایک مشہور و معروف قوم تھی لیکن یونانی اسے اپنے دائرے سے باہر خیال کرتے تھے۔

ہم اُن اقوام کو جنھیں یونان کے عہد اولین کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے (مثلاً کورے تیز، کاؤکونیس، ابانتیس، دریوپیس وغیرہ کو) یہیں چھوڑتے ہیں اس لیئے کہ علاوہ دریوپیس کے جو زمانۂ مابعد میں یونان میں داخل ہوئے، سب کے سب تماشاگاہ تاریخ یونان پر سے ہو کر محض گزر جاتے ہیں؛ لیکن ایک مشہور و معروف قوم ایسی ہے جسے ہم نہیں چھوڑ سکتے؛ یہ قوم منیائے ہے جن کے ذریعے سے ہم بالآخر واقعی تاریخ کے میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔[۱] اس قوم کے ابتدائی حالات ہومر سے معلوم ہوتے ہیں؛ ہومر بیوتی اور خومینوس کو

[۱] منیائے؛ اُ۔ میولر: تاریخ اقوام و بلادِ یونان جلد ۱ O. Muller: Geschichten hellenischer Stämme und Städte I. Orchomenos und die Minyer; Breslau 1820 "اورخومینوس و منیائے" بریزلاد سنہ ۱۸۲۰ء

استرابو ۴۱۴؛ پوسانیاس ۹، ۳۴، ۶ وغیرہ۔

منیائی شہر بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ متمول ترین بلاد میں ایک اورخومینوس بھی ہے جس کا مقابلہ مصری تھبز تک سے کیا جا سکتا ہے ۔ اس بیان میں زمانہ مابعد کے مصنفوں نے اضافہ کیا ہے ؛ وہ کہتے ہیں کہ یہ قوم (یعنی منیائی) اس ضلع میں زراعت کرتی تھی جسے جھیل کوپائس سیراب کرتی ہے ؛ یہاں سے وہ تھسلی گئی جہاں سے اُس نے آرگوناٹ کی مہم روانہ کی ، اور جزیرہ لیمنوس میں اس قوم کے افراد موجود تھے جو خود کو ان ہی ملاحوں کی اولاد بتاتے تھے ۔ اُس جزیرے سے انھیں اُن پیلاسگیون نے جو ایتھنز سے آئے تھے ، نکال دیا ، اور آخرکار انھوں نے تیتار وھم کی راس پر پناہ لے کر جزیرۂ تھیرا کی لقولونی نوآبادی میں حصہ لیا اور بعض جا کر الیس کے ضلع ترِی فی لیہ کے چھ شہروں میں آباد ہو گئے ۔ نسابوں کا بیان ہے کہ اورخومینوس کا پہلا حکمران فیے نیوس کا بیٹا تھا اور اس طرح منیائی قوم کا سلسلہ فلیے گیائی خودسروں کے خاندان سے مل جاتا ہے ۔ بعض مورخ اس نسب نامے کا استرابو سے مقابلہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ منیائی بیوتیہ سے تھسلی نہیں گئے بلکہ اس کے برعکس تھسلی سے بیوتیہ گئے تھے ۔ آرگوناٹ کے افسانوں اور منیائی بندرگاہوں کے درمیان جو تعلق ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کے افراد فن ملاحی میں مہارت رکھتے تھے اور اورخومینوس اور اُس کی باقیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے تعلقات مشرقی اقوام سے بھی دیرینہ تھے ۔

منیائی قوم کے بعد ہم تاہم نہاد دور رزمیہ تک پہنچ جاتے ہیں[۵۹] ۔ یہ وہی دور ہے جہاں سے سورماؤں کی خاندانی تواریخ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور منیائی ہی ہم سے اس دور کے سب سے پھیلے ہوئے خاندان یعنی ایولیائیوں کا تعارف کراتے ہیں ۔ یہ سچ ہے کہ اورخومینوس کا پہلا حکمران یعنی فیے نیوس کا بیٹا اندروس (جس کے بعد اُس کا بیٹا ایتیوکلیس تخت نشین ہوا) خود ایولیائی نہ تھا ، لیکن

[۵۹] یونانی دینیات کا مجموعہ اپولودوروس کے "سلسلے میں" Abollodorus: Bibliotheca
دیمولر: جزو ا Muller:Fr.I - اس پر ہینے (Heyne نے ایک بسیط تفسیر لکھی ہے ۔

سسی فوس (جو بلاشبہہ ایولیائی تھا) ایک نئے شاہی خاندان کا بانی سمجھا جاتا ہے
ہومر صرف دو ایولیائیوں یعنی سسی فوس اور کرے تھیوس کا ذکر کرتا ہے
اور ان میں ہسیود ایک تیسرے یعنی سالمونیوس کا اضافہ کرتا ہے جب نسب نامہ
مکمل ہو جاتا ہے تو اس میں سات بیٹوں اور پانچ بیٹیوں کے نام نظر پڑتے ہیں
جن سے اس خاندان کی وسعت پذیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ بیٹوں کی اولاد سے تو
متعدد اقوام کی ابتدا ہوتی ہے جو بعد میں مجموعی طور پر ایولیائی نام سے پکارے
جاتے ہیں، اور ایک بیٹی یعنی کالیکے کے ذریعے سے مغربی یونان کی مختلف اقوام
کا باقی ماندہ یونانیوں سے تعلق پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کالیکے کا ایتھ لیوس
سے نکاح ہوتا ہے اور ان کے تین بیٹے ہوتے ہیں جن کے نام اے پیوس،
ایتولوس اور پایان ہیں؛ ان میں سے ایتولوس پیلوپونیز سے شمال کی راہ
لیتا ہے اور اس کے دو بیٹے یعنی پلیورون اور کالیدون اور اوبے نیوس ہیں جنہیں سے
موخر الذکر کالیدون کا حکمران ہے اور جس کی اولاد میں دو مشہور سورما یعنی تی دیوس
اور دیومدیس ہیں۔ اس بیان سے ان اختراعات کی روش صاف طور سے عیاں
ہو جاتی ہے؛ ظاہر ہے کہ کالیکے کو ایتھ لیوس سے بہتر شوہر ملنا ناممکن تھا، اس لیئے
کہ اول تو یہ بین یونانی میلوں کے سورما کا ہمنام ہے اور اس سے در اصل ان
میلوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو زمانۂ مابعد میں الیس میں ہوا کرتے تھے اور
اس سے یہ ضرورت بھی پوری ہو گی کہ اے پیائیوں اور ایتولیوں کے جدی نام
ایجاد ہوں اور پایان کے نام کے ساتھ ہم پھر تاریخ تمدن تک پہنچ جاتے ہیں۔
بہرحال یہ سب محض اختراعات ہی اختراعات ہیں۔ اتھاماس کے قصے میں نیفیلے کی
شخصیت محض ایک افسانۂ فطرت پر مبنی ہے؛ ہلی کر تیس فی الواقعہ سامی ملکارث
ہی کا دوسرا نام ہے؛ کلاؤگوس اور بیلیے روفون کا سلسلہ جا کر ایولو کی اس پوجا
سے ملتا ہے جو لکسیہ میں رائج تھی اور ساتھ ہی اس پوجا کے نقل مکان سے بھی
تعلق ہے؛ اور ادمے توس اور الکس تس سے ایولو کے افسانوں کے شبانی
اور تخیلی حالت کا پتا چلتا ہے۔ درحقیقت یہ ہے ان ایولیائی قصوں میں تہذیب و تمدن
کے جملہ مدارج کی مثالیں موجود ہیں اور یہ خاندان صحیح معنوں میں "انبوہ ایولیائیاں"

باب ۲ کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ ہم زمانۂ مابعد کے اُن مورخوں سے متفق الرائے نہیں جو ان افسانوں کو یورپی یونان کی مختلف ریاستوں کی بنا قرار دیتے ہیں، اور ہمارے نزدیک ان میں صرف یہ کوشش کی گئی ہے کہ مقامی حکایتوں کو ایک دوسرے میں پرو کر رسمی طور پر اُن سے نسب نامے تیار کیے جائیں اور ان کے ذریعے سے اُن تمام اقوام کے مابین جنھیں **ایولیائی** کا لقب دیا گیا تھا تعلق پیدا کیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ **ایولیائی** صرف سرزمین ایشیا میں اُس نام سے مخاطب ہوتے ہیں اور قیاس غالب ہے کہ **دوریانیوں** اور **ایونیانیوں** کی طرح یہ یک نسل نہ تھے۔ لیکن نام ضرور موجود تھا، اور چونکہ بغیر مورث اعلیٰ کے تعین کیے ہوئے آگے بڑھنا ناممکن تھا اس لیے ایک مورث اعلیٰ تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ مشکل یہ پڑی کہ **ایولوس** نامی ایک کی بجائے دو اشخاص پہلے ہی سے موجود تھے ورنہ اس نام کا مورث پیدا کر لیا جاتا، اور ان دونوں کے درمیان تعلق پیدا کرنا اور ایک تیسرا مورث اختراع کرنا دونوں باتیں ایک ہی سی تھیں۔ غرض یہ ہے کہ **تھسالولوں** اور **بیوتیوں** کا تعلق (جو ایشیائے کوچک کی **ایولی** قوم کے نمائندے تھے) **ایولوس** کے بیٹیوں کے ذریعے سے اور **ایلیس** اور **ایتولیہ** کی اقوام کا تعلق اُس کی بیٹیوں کی وساطت سے قائم کیا گیا۔[۵]

ف۵ **ایولیائی**، **تھسلی** کو بدرجۂ اتم "ایولستان" کا لقب دیا جاتا ہے اور **دیودوروس** (۴، ۶۷) کا بیان ہے کہ اس کا ابتدائی نام **ایولس** ہی تھا۔ اس اطلاع کی اتنی ہی قیمت ہے جتنی ایک دوسرے بیان کی کہ کسی زمانے میں یونان کا نام **پیلاسگیا** تھا۔ یونانی اختراعات تاریخی کی ایک معمولی مثال ہے کہ کسی ملک کا کوئی اور ابتدائی نام رکھ دیا جاتا ہے؛ ممکن ہے کہ وہ نام کسی زمانے میں معروف ہو۔ لیکن یہ لازمی نہیں کہ وہ اسی ملک کے ساتھ وابستہ ہو جس کو اُس سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ مثلاً **سسلی** کو لیجیے؛ یہ نہایت جرأت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں اُس کا نام **تری ناکریا** تھا۔ ظن غالب یہ ہے کہ یہ ہومری لفظ **تھری نا کیے** کا بگاڑ ہے جسے لوگوں نے سسلی سمجھ لیا تھا۔ زمانۂ مابعد کے سب سے اہم ایولیائی مرکز **تھسلی** اور **بیوتیہ** ہیں۔ **طوسی دیدش** (۳، ۲، ۱۰۲) کے مطابق **پلیوروں** اور **کالی دون** کے قرب وجوار کے ملک کا نام بھی **ایولس** ہی تھا، اور اس سے

مورخوں کی یہ ایک فطری خواہش ہے کہ ان نسب ناموں کی مدد سے مختلف اقوام کی حرکات و سکنات کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں، اور یہ اکثر کیا بھی جاتا ہے۔ رائج الوقت خیال کے مطابق منیائی تھسلی سے بیوتیہ گئے اور ایتولی دراصل ایلیس سے آئے تھے۔ لیکن یہ امر مسلم ہے کہ ان افسانوں میں سے ہر ایک میں بہت سا خود ساختہ مواد موجود ہے، ایسی حالت میں دونوں قسم کے مواد کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کی کیا سبیل ہے؟ وہ کونسی معقول تاریخ ہوگی جن میں اُن اشخاص کا ذکر کرنا لازمی سمجھا جائیگا جو ایتھ لوس اور پایان کیساتھ تماشاگاہ تاریخ پر نمودار ہوتے ہیں؟ اس میں شبہ نہیں کہ اولین دور میں قوموں نے ترک وطن ضرور کیا ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا آٹھویں صدی ق م میں کسی فرد بشر کو بھی اس ترک وطن کا دھندلا سا بھی علم تھا؟ ان تمام اسباب کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ دوریانی ترک وطن سے پیشتر ایولیائی اسی نام سے ایشیائے کوچک میں آباد تھے؛ یہ کہ ان ایولیائیوں کے لئے ایک سورما مورث اعلیٰ کی ضرورت پیدا ہوئی اس لئے ایولوس ایجاد کیا گیا جسے ہومر نظموں میں سسی فوس اور کریے تھیوس کا باپ بنایا گیا ہے؛ یہ کہ تمام یونانی اقوام جو دوریانی یا ایونیائی نہ تھیں وہ سب اس ایولوس کے ساتھ وابستہ کردی گئیں اور سب کو "ایولیائی" کا لقب دیا گیا؛ یہ کہ کورنتھ، بیوتیہ، تھسلی ایتولیہ اور ایلیس کے ایولیائیوں کے باہمی تقرب اور رشتہ داری کے متعلق ایک حصہ تو یقیناً ایجاد کیا گیا اور دوسرے حصے کی صحت کا ثبوت نہیں اس لئے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ مساۃ کالیکے کے تعارف کی توجیہ بھی عیاں ہوجاتی ہے۔ جہاں تک ایولیائیوں کا تعلق ہے میں ڈنکر Duncker ۵/۳۵۶، ۳۶۶ سے بالکل متفق ہوں۔ میں اُسکی اس رائے سے بھی متفق ہوں کہ ایولیائی بولی کا تخیل محض اسلیئے پیش کیا گیا ہے کہ افسانہ ساز یونانی بولیوں اور دوریانی اور ایونیائی ارتقا شدہ زبانوں کے درمیان تباین دکھانا چاہتے تھے ان بولیوں کیلیئے مقابلہ کرو برگمان: ۳ قواعد زبان یونانی Brugmann: Gr. Gramm یہ کتابچہ علوم قدیمہ مولفہ ا، میولر کا ایک جزو ہے Iw. Mueller: Handbuch der Klass. Alterthümer. ان دو مشہور او ممتاز اقوام کو نکال کر دیگر اقوام یونان کو ایولیائی نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔

باب ۷

دوریانی ترک وطن سے پیشتر نہ تو کوئی ایسی قوم تھی اور نہ تمدن کی کوئی خاص منزل جسے "ایولیائی" کا لقب دیا جا سکے ؛

درانحالیکہ ہومر ایولیائیوں کا مطلق ذکر نہیں کرتا، اُس کی نظموں میں اکائیائیوں کا نام نہایت نمایاں ہے[۵] وہ کہتا ہے کہ اکائیائی فتیوتس اور پیلوپونیزی آرگوس کے باشندوں کا نام ہے اور ساتھ ہی جب وہ جنگ ٹروائے کا ذکر کرتا ہے تو اُن سب اقوام کو جو وہاں جنگ آزما ہوئیں اکائیائی بتاتا ہے؛ گویا کہ یہ نام "آرگوسی" اور "داناے" کا مترادف ہوا۔ بدیں وجوہ اس میں شبہہ نہیں ہو سکتا کہ یہی وہ قوم تھی جو دوریانی ترک وطن سے پہلے آرگولس اور غالباً لقونیہ میں آباد تھی۔ خود ہرقلیس کے متعلق بھی یہی مشہور تھا کہ وہ اکائیائی قوم کا ہی فرد تھا ؛

ہومری نظموں میں لفظ "ایونیائی"[۶] کا اطلاق خاص طور سے ایتھنزیوں پر کیا جاتا ہے لیکن بعض اقوام جو خلیج ساردن کے جنوب میں پیلوپونیزی ساحل پر (مثلاً ٹروائے زین میں) آباد تھیں ان کا نام بھی ابتدا سے ایونیائی ہی پڑ گیا تھا، اور خلیج کورنتھ کے جنوبی ساحل کے باشندوں کو بھی جنھیں دوریانی فتح پیلوپونیز کے زمانے میں اکائیائیوں کے لئے اپنا ملک چھوڑنا پڑا، یہی لقب دیا گیا تھا ؛

یہاں تک تاریخ یونان کی ممتاز اقوام کے ناموں پر بحث ہوئی۔ اب دیکھنا ہے کہ اُن کی تہذیب و تمدن کے متعلق ہمیں کس قدر معلومات حاصل ہیں شعرا اور نسابوں کی روایات کی مدد سے یونانیوں کے اندرونی ارتقا کی مفصلہ ذیل تصویر کھینچی گئی ہے :- یونان کے قدیم باشندے یعنی پیلاسگی قوم ایک سیدھی سادی امن پسند قوم تھی جو سوائے زیوس کے کسی اور کی پرستش نہیں کرتی تھی جب فنیقیوں سے ربط ضبط بڑھا تو نئی نئی رسموں اور نئے نئے دیوتاؤں کی پوجا کو یونان میں رائج

---

[۵] اکائیائی : ہومر : الیاڈ ۲، ۶۸۳ ؛

[۶] ایونیائی ملبوس "طویل قمیص" : الیاڈ ۱۳، ۶۸۵، سطر ۶۸۹ کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے ایتھنزیوں سے ہے لیکن لازم نہیں آتا کہ خلیج ساردن کی دیگر اقوام بھی اسی نام سے نہیں پکاری جاتی تھیں ؛

باب

کیا گیا ہے۔ شہ یہی قوم تھی جن سے یونانیوں نے ملاحی سیکھی، اور انھیں کے ساتھ دیگر اقوام
(مثلاً لیلیگیس اور کاریائی) بھی ایشیا سے آئے جو پیلاسگیوں کے ہم نسل تھے اور
جنھیں ایک قومی نام یعنی "ایونیائی" دیا جاتا ہے۔ اس تصویر کے مطابق پیلاسگی
بغیر کسی بت خانے یا بغیر کسی مورت کو اپنے سامنے رکھے ہوئے خدائے واحد
کی عبادت کرتے تھے اور غیر یونانی اقوام سے متاثر ہونے سے پہلے وہ اپنی عبادت
میں کسی خاص معبود کا نام بھی نہ لیتے تھے! اور جب اُنھیں نام لے کر عبادت کرنے کا
طریقہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے خاص طور پر دودونا کے کاہنوں سے اجازت
طلب کر کے اُس وقت یہ نئی پوجا شروع کی۔ دراصل اس قصے کی بنیاد وہ قصے
ہیں جو دودونا کے پجاریوں نے ہیروڈوٹس سے بیان کئے اور اُس کے
مطالعے سے اُس کا اختراع صاف ظاہر ہوتا ہے اسی لیئے آج کوئی بھی اُسے تسلیم
کرنے کے لیئے تیار نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس تمام قصے سے یہ نتیجہ بھی نہیں
نکالا جا سکتا کہ ابتدائی یونانی مذہب (بت پرستی کی آلائش سے) پاک وصاف تھا۔
اگر واقعۃً اسمیں خدائے واحد کی پرستش رائج تھی تو پھر یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اسکی بجائے
ارباب پرستی کے اصول نے کسطرح رواج پکڑا۔ حال میں اسکی توجیہ کی کوشش کیگئی ہے اور کہا جاتا ہے
کہ ابتدا ہی سے یونانی مذہب میں ارباب پرستی کا عنصر موجود تھا جب شخصیت خداوندی کی مختلف
کیفیات پر اطراف وجوانب میں زور دیا جانے لگا تو اسمیں تہیج پیدا ہوا اور اُسنے ایک نہایت مفصل
جو بالکل باطل لیکن اس استدلال سے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یونانی مذہب (ارباب پرستی سے)
کبھی بے میل نہ تھا، اور چونکہ یونانی ہمیشہ سے مختلف دیہات میں رہتے تھے اسلیئے وہ ہمیشہ مختلف معبودوں کو
پوجا کرتے ہوں گے خود آریہ قوم میں ہر جگہ ارباب پرستی جاری تھی اور اسی اصول پر ہر جگہ عمل ہوتا تھا، فرق
یہ تھا کہ ابتدا میں یہ اصول ایک دائرے میں محدود تھا، رفتہ رفتہ اسمیں وسعت پیدا ہو گئی ہے:
اس کے علاوہ یہ کہا جاتا ہے کہ یونانی ارتقا میں فنیقی قوم میں ایک خاص
لوچ پیدا کیا اور اسی نے یونانیوں کو فن جہاز رانی سکھایا۔ اس میں کلام نہیں کہ
یونانی ترقی میں فنیقی قوم کی طرف سے بہت مدد ملی، لیکن حقیقی وقت کہ فنیقی اثرات کو

شہ یونانی تمدن کی شاہراہوں کے لیئے دیکھا جائے۔ گروٹیوس ۱/۱۶۴ - ہیروڈوٹس
۵۲/۲ میں۔ دودونا کے پجاریوں کا ذکر ہے:

دی جاتی ہے وہ کسی حالت میں قرین قیاس نہیں۔ وہ مورخ جو ایشیائے کوچک، جزائر اور یورپی یونان کے باہمی تعلقات پر زور دیتے ہیں وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان اضلاع کے باشندوں نے فینیقی سے فن جہاز رانی سیکھا ہوگا؛ اگر ہر مسافر کو آنے والا بندرگاہ ہمیشہ نظر آتا رہتا تھا، اگر اقلیم یونان جزائر کے لیئے اور جزائر اقلیم یونان کے لیئے محض ایک مختصر سی منزل تھی تو پھر اس کی کیا ضرورت تھی کہ کوئی قوم باہر سے آئے اور یونانیوں کو فن جہاز رانی سکھائے۔ حق یہ ہے کہ فینیقی اُس اہمیت کے ہرگز مستحق نہیں جو اُنھیں دی گئی ہے؛ یونان میں مشرقی تہذیب و تمدن کے ترویج کے لیئے اُن کی مداخلت کی قطعی ضرورت نہ تھی، اس لیئے کہ مشرقی تمدن کا پرتو ایشیائے کوچک پر ہمیشہ پڑسکتا تھا، اور اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ تمدن محض قدرتی وسائل سے جزائر اور سواحل یونان پر نہیں پھیلا۔ جب ابتدائی یونان کی اولین تاریخ کی نظریات محض مفروضات پر مبنی ہیں تو ایسی صورت میں کسی پیچیدہ نظریے سے ایک سیدھا سادا مفروضہ یقیناً قابل ترجیح ہوگا؛

زمانۂ حال کے مورخوں کی رائے یہ ہے کہ مشرقی اثرات بڑھنے کی وجہ سے یونان میں ایک نئے رزمیہ دور کی ابتدا ہوئی جس میں تقریباً اسی قسم کے واقعات پیش آئے جیسے قدیم رزمیہ شعرا اور نسابہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن پیلاسگی عہد کی سادگی کے بعد جنگ و جدال کا دور صرف ایک شرط پر ثابت ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ نسابوں اور شاعروں کے بیانات اور دودونا کے پجاریوں کے تذکرے حقیقت پر مبنی ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ ہم ان روایات کو مجرداً تسلیم بھی کرلیں، لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اس ترتیب و تسلسل کو بھی تسلیم کرنے پر مجبور رہوں جو قدما چھوڑ گئے ہیں؛ ممکن ہے کہ اوراستوس، تی دیوس، اکیلیس، تھےسیوس، یاسون، اُدھےتوس وغیرہ کے حالات اور اُن کی چال بازیوں کے قصے محض زمانہ مابعد کے شعرا کے اختراعات نہ ہوں بلکہ اُن کی بنا اُن افسانوں پر ہو جو اس وقت زبان زد عوام تھے، لیکن کم از کم یہ تو ماننا پڑیگا کہ ان افسانوں میں یہ تمام واقعات یکجا نہ تھے اور ان میں کسی قسم کی تاریخ کا تعین نہیں کیا گیا تھا؛ اور جب ہم اس سے واقف ہیں کہ نسب نگاروں نے ان کا باہمی ربط و تعلق اور زیادہ کرایا تو پھر

ہمیں اس کا حق نہیں ہے کہ ہم انھیں کوئی بھی تاریخی اہمیت دیں، نہ ہمیں یہ چاہیے کہ ہم ایک ایسے مبارزانہ عہد کو فرض کرلیں جو متواتر دو صدی رہا ہو اور جس میں جنگ و جدال کی نوساختہ خواہش کی وجہ سے عظیم الشان و درخشاں نتائج ظہور پذیر ہوئے ہوں، اور کسی زمانے کے امن پسند پیلاسگیوں نے آپس میں لڑنا شروع کردیا ہو جس کی مثال اوساستوس اور تھبزیوں کے باہمی مجادلے سے دی جاسکتی ہے۔ یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ محض فنیقیوں کے اثر سے یہ اقوام یکایک جنگجو ہوگئیں۔ زمانہ حال میں اگر کسی ملک کی غیر متمدن قوم جو فطرۃً امن پسند ہو تو محض انگریز سوداگروں کے تعلقات سے وہ جنگجو نہیں بن سکتی[۹]۔

کہیں زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ مشرقی روابط کے سبب سے یونانی پہلے سے زیادہ متمدن بھی ہوگئے اور ساتھ ہی اُن کی مردانہ وار عادتیں بھی کم ہوگئیں یہاں تک کہ آخرکار فرضی سورماؤں کو دوریانی[۱۰] جیسی جنگجو قوم نے

---

۹ اب قدامت شناس اپنی عام فہم کتابوں میں اپنے متقی اور قابل قدر پیلاسگیوں کے قصوں میں ایک اور قصہ ایسے وحشی اور غیر متمدن پیلاسگیوں کا اضافہ کرتے ہیں جو زیوس دیوتا کے سامنے انسانی قربانی چڑھایا کرتے تھے اور جنھیں ایونیائیوں نے اپولو کی پرستش سکھا کر مہذب بنانے میں مدد دی۔ ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے قصے بالکل ایک ہی نوع کے ہیں اور اس تضاد کی مطلق کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تہذیب پھیلانے والے اپولو کی پوجا در اصل اُس زمانے کی بات ہے جب دوریائی ترک وطن کے بعد کاہنوں کا دور دورہ شروع ہوا، اور اسے یہاں سے اٹھا کر ابتدائی عہد کو منتقل کردیا گیا ہے۔ اُس اولین عہد میں زیوس کے سامنے انسانوں کی قربانی ایک شاذ واقعہ ہے، اور یہ ذرا مشکل سے باور ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں اپولو کے مجاوروں کے رسوم زیوس کے پجاریوں کے رواجوں سے کچھ زیادہ نرم و ملائم ہوں گی۔

۱۰ ہیلبیگ نے ("دور ہومر" صفحہ $\frac{293}{294}$) یہ نہایت واضح طور پر ثابت کردیا ہے کہ ہومری نظموں کے سورما کچھ زیادہ جنگجو نہیں ہیں ÷ Helbig: Hom. Epos

باب

شکست دیگر مغلوب کر لیا۔ [لہ]

ممکن ہے کہ ان یونانیوں کا نام جو وقتاً فوقتاً ایشیائے کوچک سے یورپ آئے الیونیائی ہی ہو۔ توریت کی کتاب پیدائش میں اقوام کی جو فہرست دی ہوئی ہے اُس میں ایک قوم "یاون" بھی ہے؛ لیکن چونکہ یہ فہرست دوریائی ترک وطن کے بعد مرتب ہوئی تھی اس لیئے وہ اس نظریے کا خاطر خواہ ثبوت نہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ شامپولیوں نے خیتاس کے حلیفوں کی فہرست میں جو رامسیس دوم سے تقریباً سنہ ۱۳۸۰ ق م میں لڑے تھے، الیونیانیوں کے نام کا انکشاف کیا تھا؛ اُسی کا اب دوبارہ انکشاف ہوا ہے۔ بہر حال اس معاملے میں ہم گرتیوس سے متفق الرائے ہیں کہ ابتدائی زمانے سے ہی یونانی ایشیائی اور یورپی دونوں ساحلوں پر رہتے تھے؛ اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب کریٹ کو ان ممالک میں شمار کیا جاتا ہے جو ابتدا ہی سے یونانی تھے تو پھر خیوس اور ساموس کو یونانی نو آبادی کیوں بتایا جاتا ہے۔ بلاشبہ ساموس اور خیوس میں مصری تہذیب و تمدن کا اثر کریٹ سے زیادہ تھا، اور اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ جب

[لہ] تاریخ یونان کے مطالعے میں مختلف طبعی علوم خصوصاً ارضیات سے مماثلت پیش کی جاتی ہے؛ ہم یہاں ایک تشبیہ اسی قسم کی دینا چاہتے ہیں جس سے ہمارا مطلب صاف اور واضح ہو جائیگا کسی زمانے میں علم ارضیات کے ماہرین یہ نظریہ تسلیم کرتے تھے کہ زمین میں دفعتاً اور یک بیک انقلابات پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن اب یہ نظریہ مسلمہ ہو گیا ہے کہ زمین کی ساخت میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں وہ مسلسل اس بات کی بنا پر تدریج ہوتی ہیں۔ ہمیں یقین ہے اور ہم اس پر زور دینا چاہتے ہیں کہ یہی صورت حال اُن اثرات کی ہے جو یونان پر مشرقی تمدن کے ہوئے۔ ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ پہلے تو ایک دور پیلاسگی سادگی کا آیا؛ اس کے بعد الیونیانی اور فینیقی اثرات کے سبب یہ سادگی مہارت میں تبدیل ہو گئی؛ بلکہ اس کے برعکس ہماری یہ رائے ہے کہ ایشیائی یونانیوں اور غیر یونانیوں کا یورپی یونانیوں پر روز افزوں اثر پڑتا رہا، یہ یورپی یونانی اپنے دیگر آریائی بھائیوں کی طرح جنگجو بھی تھے، اور ان میں ارباب پرستی بھی رائج تھی؛ اور اگر ان میں امن پسندی کے وہ جذبات نہ تھے جو ان کے ابتدائی دور میں انسے منسوب کیئے جاتے ہیں تو انھوں نے زمانہ مابعد کے اس رد عمل کو جسے "دوریائی ترک وطن" کا لقب دیا جاتا ہے تکمیل نسبتہً آسانی سے کی ہوگی

دوریانی ترک وطن کے بعد ایونیانی خیوس اور ساموس آئے تو انھیں جو قوم یہاں ملی وہ اس قوم کی بہ نسبت جس سے وہ کریٹ میں دوچار ہوئے تھے یونانیوں سے مغائر تھی۔ ان دونوں کے استعمار میں جو فرق ہے وہ صرف یہی ہے کہ خیوس اور ساموس کے مستعمرین کی تاریخ کا تعین فرض کر لیا گیا ہے درانحالیکہ کریٹ کی نوآبادی کی تاریخ کا پتا بھی نہیں۔ حق یہ ہے کہ ایشیائے کوچک کے ساحل اور جزائر میں ابتدا ہی سے یونانی آباد تھے۔[۲۱]

[۲۱] کرتیوس: "ایونیانی ترک وطن سے پیشتر ایولیانیوں کی حالت" E Curtius: Ionier Vor Der Ionischer Wanderung, 1855 و "تاریخ یونان" جلد ا صفحہ ا حاشیہ ۷ Gr. Gesch. ہم پورے طور سے ان سے متفق ہیں کہ یونانی یورپ کی طرح ایشیائے کوچک کے ساحل بہت قدیم زمانے سے یونانی ہیں، اور اس انکشاف کو ہم بہت بڑی تاریخی عظمت دیتے ہیں۔ خیتاس کے حلیف "یاونوں" کے لیے و، م، میولر: "قدیم مصری عمارات اور ایشیا اور یورپ کے باہمی تعلقات" لائپزگ ۱۸۹۳ء صفحہ ۳۵۵ و صفحہ ۳۶۹ W. M. Mueller: Asien und Europa Nnach altaegyptischen Denkmalern, Lpz کا مطالعہ کیا جائے ابتدائے تاریخ کے دور میں یونانیوں کے ایشیائے کوچک کے ایک حصے میں پھیل جانے کی نسبت ہم کرتیوس سے متفق ہو کر مفصلۂ ذیل رائے کا اظہار کرتے ہیں:۔ قدیم یونانی روایت کے مطابق یونانی نوآباد پہلے پہل ڈاکاماس ولد تھے سیوس کی سرکردگی میں قبرس، لسیہ اور پمفیلیہ آئے (ہیروڈوٹس ۷، ۹۰، ۹۱ میں تیوکروس، لیکوس اور کالخاس کا ذکر ہے) اکثر اس بیان کو محض من گھڑت سمجھا جاتا ہے۔ اسکے خلاف میئر ("تاریخ ازمنۂ قدیمہ" E. Meyer: Gesch. des Alterthums جلد اول صفحہ ۲۷۹) کا اس طرف میلان ہے کہ ایونیانی ترک وطن سے پہلے ہی جزیرۂ قبرس اور پمفیلیہ میں مغرب کی طرف سے آباد کاری ہو چکی تھی۔ لیکن ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ جب یورپ کے قریب ہی بہت سے غیر آباد مقامات پڑے ہوئے تھے تو پھر یورپی یونانیوں کو اتنی دور جانے کی کیا ضرورت پڑی تھی؟ کیا یہ استدلال محض ان یونانی روایات کی بنا پر کیا گیا ہے جو ان مقامات کا تعلق جنگ ٹروا سے ظاہر کرتی ہیں؟ کیا اس سے زیادہ قرین قیاس یہ مفروضہ نہ ہوگا کہ وہ دراصل ایشیائے کوچک کی

باب ۲

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ قدیم یونانی آبادی کے باقی تھے؟ **قبرسیول** اور **پم فیلیوں** کے ان یونانیوں کی اولاد سے ہونا جو ٹروائے سے گھر واپس جا رہے تھے، اُسکی ایشیائے کوچک کی تاریخ کے لیئے اتنی ہی نسبت ہے جتنی **اوے نوتریوں** اور دیگر اقوام کی اصل کی جنکا یونان سے آنا بیان کیا جاتا ہے، اور جتنی **اٹلی** کی تاریخ میں **دیو مدیس** اور دیگر سورماؤں کے آباد ہونے کی۔ اس کے علاوہ لطف یہ ہے کہ **کالخاس** دونوں ملکوں میں موجود ہے ؎

باب ہشتم

یونان کے ابتدائی فنون کے باقیات

ٹروائے، میکے نائی، اورخومینوس، تیرنز

ان سب امور پر غور کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بالآخر دریائی نقل وطن سے پیشتر کے عہد کے متعلق ہمیں کیا معلومات حاصل ہیں۔ اس کے جواب میں سب سے پہلے تو ہمارے سامنے وہ انکشافات ہیں جو حال کے زمانے میں خاص ارض یونان میں اور ان مقامات پر ہوئے ہیں جو کسی زمانے میں تمدن اور سیاسی اقتدار کے مرکز شمار کیے جاتے تھے۔ حال ہی میں ہائنرخ شلی مان؎ نے میکی نائے، اورخومینوس، تیرنز اور ٹروائے میں جو نہایت دلچسپ حالات دریافت کیے ہیں اُن کی تاریخی وقعت میں کسی قسم کے مبالغے کی گنجائش نہیں اور اُن کے لیے ہمیں اس محقق کے جوش اور تحقیقات کے ذوق کا ممنون ہونا چاہیے۔ ان انکشافات نے ہمارے اُس معلومات میں جو زمانۂ قدیمہ کے متعلق ہمیں حاصل تھا، معتدبہ اضافہ کیا ہے اور اس سے اُن مسائل میں جو حکمیات کے ذریعے سے ہی طے ہو سکتے ہیں ایک اور مسئلے کا اضافہ ہو گیا ہے۔

ان مقامات میں سب سے قدیم تمدن کا موقع ٹروائے؎ تھا۔ اس شہر کے متعلق

؎ شلی مان: الیوس، بلدیہ وملک ٹروئیانیان" Schliemann: Stadt und Land Der Troyaner، لائپزگ ۱۸۸۱ء و "ٹروائے، میری حال کی کھدائیوں کے نتائج" (Troja, Ergebnisse meiner neusten Ausgrabungen auf der Baustelle von Troja) لائپزگ ۱۸۸۴ء - یہ دونو تصانیف باتصویر ہیں - مقابلہ کرو۔

اب تک جو خیالات تھے اُن میں باہمی تضاد تھا۔ لیکن ان میں سے اس رائے کو کہ پریام کا شہر کوہ بونار باشی پر واقع تھا ترجیح دی جاتی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ ہومر کی نظمیں اور ٹرواے کی عام وقعت اسی کی متقاضی تھی کہ وہ بونار باشی کے سے مستحکم اور مرتفع مقام پر ہی واقع ہو۔ لیکن شلی مان نے جو معیار علمی دنیا کے سامنے پیش کیے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ اہم ہیں، اور درانحالیکہ بونار باشی پر کوئی اہم باقیات کبھی برآمد نہیں ہوئے اس کے برعکس کسی اور پہاڑی پر جو سمندر سے قریب ہے اور اب جس کا نام حصار لک ہے پرانے کھنڈر اس کثرت سے ملے ہیں اور ہماری تحقیقات اور مدح سرائی کے لیئے اتنا عظیم الشان ذخیرہ برآمد ہوا ہے کہ ہمیں کوئی قومی شک نہیں رہ سکتا کہ اگر اُس میں اور ہومر کے حالات میں تطابق کلی نہ بھی پایا جائے، بایں ہمہ یہی شہر اس وقت شعرائے یونان کے پیش نظر تھا جب اُنھوں نے جنگ ٹرواے کے متعلق اپنے اشعار نظم کیئے تھے۔ واضح ہو کہ خود قدما کے نزدیک اسی پہاڑی پر شہر الیوم واقع تھا اور بعض تو اُسے ٹرواے ہی کا موقع قرار دیتے تھے*

راس سگیوم سے عین مشرق کی طرف آٹھ میل دراز اور ڈھائی میل چوڑی ایک گھاٹی ہے جو کوہ ایدا سے اُتر کر ہیلیس پونٹ کی طرف ذرا کشادہ ہو جاتی ہے۔ اس گھاٹی کو دو ندیاں سیراب کرتی ہیں جن میں سے بڑی کا نام جو جنوب کی طرف

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گذشتہ شخ ہارٹ کی کتاب "شلی مان کی کھدائیاں" Schuchhardt : Schliemanns Ausgrabungen) "دو جلد، لائپزگ ۱۸۹۲ء" شلی مان کی رائے کے مطابق پہاڑی پر صرف قلعۂ ٹرواے تھا اور شہر دراصل اُس کے دامن میں واقع تھا؛ اس سے اسکا اصل مقصد یہ تھا کہ ہومر کے اس بیان سے کہ شہر قلعہ سے بہت بڑا تھا کسی طرح تطابق پیدا کرے۔ اُس کے دلائل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شہر کے تین دروازے ہیں، ایک دیوار کا چھوٹا سا ٹکڑا ابھی موجود ہے جو ممکن ہے کہ شہر پناہ کے آثار ہی ہوں اور قلعہ کے نیچے بہت سا ملبہ اس وقت بھی نظر آتا ہے۔ اول تو یہ دلائل فی نفسہٖ فیصلہ کن نہیں ہیں، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پہاڑی کے نیچے شہر آباد تھا پھر بھی شلی مان نے جو رقبہ معین کیا ہے اُس کی بنیاد کسی دیوار کے آثار پر نہیں بلکہ محض مصلحت پر ہے۔ بیوی شر کی رائے ہے (جریدۂ "ممالک غیر"

واقع ہے، سکامانڈر اور چھوٹی کا نام جو شمال میں ہے سموئس ہے؛ دونوں ندیاں سمندر کے قریب آکر ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں۔ اس گھاٹی میں ساحل سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک سو ساٹھ فٹ بلند ایک پہاڑی واقع ہے جو درحقیقت پہاڑیوں کے ایک طولانی زنجیرے کی آخری چوٹی ہے؛ اس پہاڑی کا اوپر کا حصہ ۶۰۰×۹۰۰ فٹ یعنی تقریباً ساٹھ ہزار مربع گز ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں شلی مان نے (جس کے ساتھ بعد میں ڈیورپ فیلڈ بھی ہوگیا) ۱۸۷۰ء میں کھدائی شروع کی اور محیر العقول نتائج برآمد کیے۔ کھدائی سے یہ معلوم ہوا کہ اس موقع پر متعدد شہر ایک دوسرے کے کھنڈروں پر بنائے گئے ہیں جس کی وجہ سے پہاڑی کی چوٹی پر ۵۰ فٹ بلند تودہ بن گیا ہے۔ ان تمام تہوں میں سب سے عجیب وغریب تہ نیچے سے دوسری تہ ہے اور یہ اس قدر دلچسپ ہے کہ یہاں اس کا ایک توصیفی نقشہ کارآمد ہوگا۔ اس کے ہر چہار طرف ایک شہر پناہ ہے جس کا نیچے کا حصہ دھوپ میں تپی ہوئی اینٹوں اور اوپر کا حصہ پتھر کا ہے؛ اس شہر پناہ کے تین بڑے بڑے پھاٹک اور متعدد برج ہیں۔ شہر کے اندر بہت سی دلچسپ اشیا مثلاً ظروف (منجملہ ان کے نام نہاد "تصویر دار ظروف")، پتھر اور تانبے کے برتن، اور سونے کی اشیا کا ایک نادر مجموعہ ہے جس میں طلائی کنگن، مدریاں، جھومر وغیرہ نکلے ہیں۔ یہی وہ اشیا ہیں جن کے دستیاب ہونے پر علمائے قدیمیات میں ایک سنسنی سی پیدا ہوگئی اور جس کا نام شلی مان نے خزانۂ پریام رکھا۔ یہ زیور سب تہ بہ تہ ایک دوسرے پر ایسے رکھے ہوئے ملے گویا کوئی خاص خطرہ تھا جس کی وجہ سے انھیں ایک طرف رکھ دیا گیا ہوگا، اور ان سے ٹروائے کے مشہور آفاق تموّل کا

باب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ Ausland ۱۸۸۳ء حاشیہ ۵۱ و ۵۲) کہ قلعہ میں صرف مردے جلائے جاتے تھے، لیکن شلی مان کے ساتھی ڈیورپ فیلڈ نے دو تمتہ جریدۂ عام ملکی، ۱۸۸۳ء ۲۹۴ (W. Dorpfeld: Beil. Z. Allgem Ztg.) میں اس نظریے کو مسترد کردیا ہے اور خاص ٹروائے میں ماہرین آثار قدیمہ کی ایک کانفرنس میں جو قرارداد میں منظور ہوئی تھیں ان سے بیوتی شر کی رائے کی توثیق نہیں ہوتی۔

پتا لگتا ہے۔ شہر پناہ پر کیٹ اور راکھ کا اس قدر ڈھیر جما ہوا ہے کہ اُس سے وہ آتش زدگی یاد آتی ہے جو ٹروائے کی بربادی کا باعث ہوئی۔ بلاشبہ ایسی باتیں بھی ہیں جو ہومر کے بیان سے میل نہیں کھاتیں، مثلاً ان کھنڈروں کا رقبہ بہت کم ہے، اور یہاں کی تہذیب وتمدن کی حالت نہایت قدیم طرز کی ہے، بایں ہمہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ٹروائے اور حصارلک ایک ہی چیز نہیں۔ ظاہر ہے کہ شعرا اعداد وشمار کے ماہر نہیں ہوتے خاصکر جب وہ واقعات متعلقہ سے صدیوں بعد اُنھیں نظم کا جامہ پہنائیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ٹروائے کے ان انکشافات کا یونان کی قدیم تاریخ سے گہرا تعلق ہے، اس لیئے کہ اول تو ان اقوام کا جو بحیرۂ ایجین کے ہر چہار طرف آباد تھیں باہمی تعلق تھا اور دوسرے خود ہومر کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یونانیوں اور ترویانیوں میں کسی قسم کا قومی اختلاف نہ تھا۔

جزیرۂ تھے را میں جو آثار برآمد ہوئے ہیں[۱] اُن کا قدیم ترین حصہ حصارلک کے دوسرے شہر سے زیادہ جدید ہے۔ یہاں کی ابتدائی عمارات کو آتش فشانی زلزلوں اور لاوے نے بالکل ڈھانک دیا ہے اور کھنڈروں میں دبے ہوئے پتھروں کے اوزار اور برتن نہایت نفیس حالت میں ملے ہیں جو ظن غالب ہے کہ

---

[۱] لینورماں: "جزیرۂ تھیرازیہ میں زمانۂ قبل تاریخ کی عمارات کا انکشاف" (جریدۂ آثار قدیمہ، پیرس، ۱۸۶۶ء، ص ۱۶)
F. Lenormant Decouverte De constructions Antehistoriques dans L,ile de Therasia," Rev. archeol.
ف، فوکے: "زمانۂ قبل تاریخ کا ایک پومپی آئی" (جریدۂ عالمین، ۱۸۶۹ء، صفحہ ۹۲۳)
(F.Fouque: Une Pompei antehistorique Rev. des D.mondes)۔ فوکے کے نزدیک وہ مصیبت جس کی وجہ سے جزیرے کا ایک حصہ برباد ہو گیا اور اس کے اولین تمدن کا خاتمہ ہو گیا، سنہ ۲۰۰۰ ق م اور سنہ ۱۸۰۰ ق م کے درمیانی سنین میں پیش آئی ہو گی۔ نیز مقابلہ کیجئے مامے: "جزیرۂ تھے را" (پیرس ۱۸۷۴ء) جس میں تصویریں بھی دی ہوئی ہیں (Mamet:De ins.Thera.)

فنیقی الاصل ہیں۔ اس جزیرے کے باشندے جَو کی کاشت کرتے تھے؛
میکے نائے میں جو انکشافات ہوئے ہیں اُن کے ذریعے[3] سے ایک نئی دنیا جو اس سے بھی زیادہ درخشاں تھی ہمارے سامنے آئی ہے؛
جس وادی کا پانی آگرِدکورنتھ کے مغرب کی جانب خلیج کورنتھ میں جاتا ہے اور اُس کے اور میدان آرگوس کی سب سے بڑی ندی اِناخوس کے درمیان کوہ ترےتون واقع ہے۔ یہ پہاڑ ہی دراصل جزیرہ نمائے آرگوس کے زنجیرے کی ایک چوٹی ہے اور کورنتھ سے آرگوس تک کی سڑک اسی پر ہو کر جاتی ہے جس مقام پر یہ سڑک جنوب کی طرف مڑ کر کوہ ترےتون کے جنوبی ڈھال کے قریب اٹریوسیون کا شہر میکے نائے واقع ہے اور یہاں سے ہر چہار طرف کا میدان دُور دور تک نظر آتا ہے اور شمالی درے کی حفاظت بحسن وخوبی ہو سکتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں اس شہر کا طول کم و بیش ایک ہزار گز اور عرض چھ سو گز ہوگا جس سے اس کا رقبہ اور وسعت ظاہر ہوتی ہے۔ شہر کا قلعہ ایک بے قاعدہ مثلث کی شکل میں شمال و مشرق کی سمت پر واقع ہے۔ اس قلعے کے صدر دروازے میں داخل ہوتے ہی ایک دائرہ نظر آتا ہے جو پتھر کی سلوں کی دوہری قطار سے بن گیا ہے؛ اسی دائرے کے مغربی حصے میں موجودہ سطح زمین سے بیس سے لیکر پینتیس فٹ گہرائی تک شلی مان کو پانچ بڑے بڑے مقبرے ملے اور حال ہی کے زمانے (یعنی ۷۷-۱۸۷۶ء) میں ایتھنز کی انجمن آثار قدیمہ نے ایک اور مقبرے کا انکشاف کیا ہے۔ ان مقبروں میں کُل سترہ لاشیں اور بہت سی اشیا برآمد ہوئیں لیکن ان میں سے بعض لاشیں ایسی تھیں

[3] شلی مان: میکے نائے اور تِرنز میں میری تجسسات وانکشافات کا حال (Schliemann: Bericht uber meine Forschungen und Entdeckungen in mykenae und Tiryns)، لائپزگ ۱۸۷۸ء؛ سٹیفن: "نقشہ جات میکے نائے" (Steffen: Karten von. mykenae) مع دو تصاویر، برلن ۱۸۸۴ء، متن کتاب مصنفۂ سٹیفن و لولنگ۔ نیز مقابلہ کیا جائے پ گارڈنر: ابواب جدید P. Gardner: new chapters باب ۳۔

جن کی تجہیز و تکفین میں اس عزت و حرمت کا لحاظ نہیں کیا گیا جو عام طور پر مردے کے ساتھ کی جاتی ہے بلکہ ویسے ہی خندق میں پھینک دیا گیا۔ ان کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن سے پہلے یا عین دفن کرتے وقت انھیں نصف جلا دیا گیا ہوگا۔

ان میں سے پہلے اور دوسرے مقبروں کی اہمیت کچھ زیادہ نہیں۔ تیسرے مقبرے میں تین لاشیں، تقریباً سات سو طلائی گول رکابیاں جن پر نہایت باقاعدہ کام نظر آتا ہے، ایک بہت بڑا جھومر جو طلائی پتیوں کا بنا ہوا ہے، تین طلائی مربع رکابیاں جن پر کندہ کیا ہوا کام ہے، اور ایک طلائی پیالہ برآمد ہوا۔ چوتھے مقبرے سے پانچ لاشیں نکلیں جن کے چہرے طلائی نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے، اور ان کے ساتھ تانبے کا ایک پیش قبض جس میں سونے کی پچی کاری کر کے شیر کے شکار کی تصویر بنائی گئی ہے، شیر کا طلائی چہرہ، بیل کا نقرئی سر، طلائی چھلے، سنگ مرمر کے برتن اور عنبر کے دانے نکلے۔ باقی ماندہ قبروں میں بھی اسی قسم کی اشیا برآمد ہوئیں، اور ان کے علاوہ مٹی کے برتن اور بھونڈی مورتیاں ہر جگہ نکلیں۔ سلیے میں ملے ہوئے قبروں سے تعویذ بھی ہاتھ لگے جن پر گاڑی بانوں کی تصاویر اور وسط میں پیچ دار نقوش بنے ہوئے ہیں۔ ظن غالب یہ ہے کہ ان تعویذوں سے مختلف قبروں کا موقع معلوم ہوتا ہوگا۔ مقبروں کے اندر رکھے ہوئے پتھر اور ایسے مٹی کے برتن جو تاریخ فنون لطیفہ کے لیے نہایت دلچسپ ہیں برآمد ہوئے۔ قلعہ کا وہ حصہ جس میں یہ مقبرے نظر آتے ہیں، باقی ماندہ حصے سے بالکل علیحدہ ہے۔ تمام قلعہ کی تعمیر پیلاسگی یا کیکلوپی طرز کی ہے یعنی مختلف دیواریں بے قاعدہ پتھروں کو یکجا کر کے بنائی گئی ہیں لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ خاص طرز تعمیر اپنی قسم کی سب سے قدیم تعمیر ہے۔ میکینائے کے مقبروں کی اندرونی اشیا سے نیز اس کی دیواروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تعمیر مختلف عہدوں میں ہوئی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایسے مکانات وغیرہ بھی ہیں جن میں حملے کے وقت فرار اختیار کرنے کی حالت رہتی ہوگی؛ یہ مکانات خاص طرز کے بنائے گئے تھے اور خاص قسم کی دیواروں سے انھیں مستحکم کر دیا تھا۔ اس امر سے

باب ۵

اس مضبوطی اور عمدگی کی اصلی توجیہ سمجھ میں آتی ہے جو قلعہ کے صدر دروازے (یعنی مشہور آفاق "شیر دروازے") کی شرک میں پائی جاتی ہے۔ شلی مان کے انکشافات سے پیشتر قدیم ترین یونانی طرز تعمیر کی ایک درخشاں مثال سمجھی جاتی تھی اور اس وقت بھی اُس کی اہمیت میں کوئی خاص فرق نہیں ہوا ہے۔ یہ دروازہ دس فٹ طویل ہے اور اُس کا اوسط عرض تقریباً نوفٹ ہے اور اُس پر پتھر کی ایک نہایت وزنی سل رکھی ہے، جس کا طول سولہ فٹ، بلندی ساڑھے چھ فٹ اور موٹائی تین فٹ ہے؛ اس کا وزن کم کرنے کے لیئے اُس کے اوپر ایک مثلث خلا چھوڑ دی گئی ہے اور سامنے کی جانب ایک زیبائشی سل نصب کر دی گئی ہے جس کے دونوں طرف دو پاؤں پر کھڑے ہوئے دو شیر منبت کاری کے بنے ہوئے ہیں۔ افسوس اُن کے سر موجود نہیں ہیں لیکن دیگر اعضا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صناع نے اُن کے تراشنے میں قدرتی ساخت کے مطابق بلا کم و کاست چربہ اُتارنے کی کوشش کی ہے، اور اس صفت میں ان مجسموں اور عام ایشیائی مصنوعات کی ساخت میں معتد بہ تباین نظر آتا ہے ؛

یونانی فنون لطیفہ کی تاریخ میں میکینائے کی جو اہمیت ہے وہ قلعہ اور شیر دروازے تک ہی محدود نہیں، بلکہ اُن کے علاوہ شہر کے نشیبی حصے میں چھ مختلف عمارتوں کے باقیات برآمد ہوئے ہیں جنھیں خزانوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو ارض یونان میں اپنی طرز کی تنہا عمارتیں ہیں ؛

ان میں سب سے بڑی اور سب سے محفوظ عمارت نام نہاد خزانۂ اتریوس ہے، جس کا علم تو پہلے ہی تھا لیکن اس پر اتنی مٹی جمی ہوئی تھی کہ باہر سے گنبد تک نظر نہ آتا تھا، اور اُسے شلی مان نے مٹی کھود کر اب بالکل برآمد کر لیا ہے۔ باہر سے ایک راستہ ایک دروازے میں جاتا ہے جو شیر دروازے کے طرز پر بنا ہوا ہے لیکن جو اُس سے ذرا تنگ اور بلند ہے۔ اس خزانے کے اندر کا حصہ در اصل ایک بہت بڑا گنبد ہے جو سولہ فٹ چوڑا اور اتنا ہی اونچا ہے۔ یہ گنبد بے قاعدہ کٹے ہوئے پتھروں سے نہیں بنایا گیا بلکہ اس کی تعمیر کے لیئے پتھروں کی تہ پر تہیں جمائی گئی ہیں اور یہ اوپر کی طرف تنگ ہوتا جاتا ہے۔ اس گنبد کے

باب ۳ دروازے پر کسی زمانے میں رنگین سنگ مرمر کے مزین سیل پائے تھے۔ (واضح ہو کہ اسی طرح کی ایک عمارت آرگوس کی سڑک پر ہیرائیوم کے قریب بھی واقع ہے)۔

ایتھنز کے شمال میں مینی دی کے قریب بھی (جسکا قدیم نام اکارنائے تھا) اسی قسم کی ایک عمارت ملی ہے اور اُس کے بھی مقبرہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ قدما کا خیال تھا کہ میکے نائے کی گنبد نما عمارتیں دراصل خزانے تھے لیکن ظن غالب یہ ہے کہ یہ مقبرے ہی ہوں گے یا یہ بھی ممکن ہے کہ پ، گارڈنر کے خیال کے بموجب ان سے دونوں کام نکالے جاتے ہوں۔ مینی دی کے مقبرے میں بھی میکے نائے کی طرح مختلف اشیا برآمد ہوئی ہیں لیکن وہ اس قدر اہم نہیں۔ بالکل یہی حکم ان مقبروں پر بھی لگایا جا سکتا ہے جو اٹیکا کے دیہے یا پانیہ میں سپاتا کے قریب ملے ہیں اور جو تو ریلیا کے نزدیک پہاڑ کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ اسیطرح امیکلی کے قریب بافایوم (وافیو) میں ایک گنبد نما مقبرے کا انکشاف ہوا ہے جس میں منجملہ دیگر اشیا کے طلائی پیالے بھی نکلے ہیں جن کی تزئین و زیبائش نہایت نادر اور شاندار ہے۔

میکے نائے کے موقع اور شمال رویہ پہاڑی دروں کے استحکامات کا ان توصیفی نقشوں سے خوب اندازہ ہوتا ہے جو جرمنی میں آخرترین تحقیقات کے بعد مرتب ہوئے ہیں، اور اُن سے اُن کے تعمیر کرنے والوں کی فہم و فراست کا اندازہ ہوتا ہے۔ قلعۂ میکے نائے کی اہمیت کا راز یہ تھا کہ وہ آرگوس کے عین مقابل میں واقع تھا، اور شمالی پہاڑی درے اس لیئے مستحکم کیئے گئے تھے کہ حملے کے وقت عقبی حصے کی حفاظت ہو سکے اور جتنی فوج ممکن ہو وہ جنوب کی طرف بھیجی جا سکے۔

تاریخ تمدن میں تیسری جگہ بیوتیہ کے شہر اورخومینوس نے پائی ہے جو زمانۂ حالیہ کے شہر سکرپیو کے قریب کوپائے جھیل کے کنارے آباد تھا لیکن

سکہ ہ، شلی مان: "بیوتی اورخومینوس کے موقع پر میری کھدائیوں کا بیان"
H. Schliemann: Bericht uber meine Ausgrabungen im boeotischen Orchomenos لائپزگ ۱۸۸۱ء۔

علاوہ مشہور آفاق "خزانۂ منیاس" کے (جس کی طرز بالکل میکے نائے کے خزانوں کی سی ہے) یہاں اور کچھ باقی نہیں رہا۔ اس کی کھدائی بھی شلی مان کی زیر نگرانی عمل میں آئی ہے۔ اس کے بیچ کے کمرے میں کوئی قابل لحاظ چیز برآمد نہیں ہوئی لیکن پہلو کے ایک کمرے میں بعض پتھر کی سلیں نکلی ہیں جن سے چھت پٹی ہوئی تھی۔ یہاں کی آرائش کی طرز اور مصری تھیبز کے ایک مقبرے کی زیبائش میں، جس کا قطعی تعین بارھویں صدی قائم کیا گیا ہے، بہت کچھ تطابق پایا جاتا ہے، اور یہ تطابق اولین یونانی صنعت اور اس کی ابتدا کے اہم ترین واقعات میں سے ہے۔

قدیم بلدیات میں چوتھا نمبر ترنز کا ہے[۵]۔ یہ شہر نوپلیا اور آرگوس کے درمیان ایک پہاڑی پر واقع تھا جو آس پاس کے میدان سے بلند ہے۔ اس کی فصیل چٹانوں کے عظیم الشان بے ڈول ٹکڑوں سے تعمیر کی گئی ہے جن کا طول نو فٹ کے قریب اور موٹائی تین فٹ ہے؛ اور بعض جگہ تو یہ پتھر کے ٹکڑے پچیس پچیس فٹ تک ضخیم ہیں۔ چند مقامات پر اس دیوار کے متوازی ایک اندرونی راستہ بنایا گیا ہے جس کی چھت پر پتھر کی سلوں کا پاٹاؤ ہے جن کے بعض جیسے ایک کے دوسرے پر بھی رکھے ہیں اور بعض جگہ روشنی کے لیے چھت میں سوراخ چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اس فصیل کی بلندی ابتدا میں تقریباً ساٹھ فٹ ہوگی اور اس کی تعمیر کا سہرا لسیپہ کے (نیم انسان) کیکلوپیوں کے سر رکھا جاتا ہے۔ ہومر ترنز کو "مورچہ بند شہر" کے نام سے موسوم کرتا ہے جس سے اس امر کا پتا لگتا ہے کہ اس زمانے میں اس کی فصیل کو ایک شان و شوکت حاصل ہوگی۔ یہ سب ہمیں پہلے سے معلوم تھا لیکن شلی مان نے حال ہی میں ایک نہایت بڑی عمارت کے آثار برآمد کیے ہیں جن سے ہم محض ناواقف تھے؛ اس عمارت سے اس زمانے کے محلات کا تصور نظر کے سامنے آجاتا ہے، اور اس کی آرائش کا بیشتر حصہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے خصوصاً ایک دیوار جس کی ساخت اور خومینوس کی چھت کی ساخت سے بہت

[۵] شلی مان: "ترنز"، لائپزگ ۱۸۸۶ء آپ، گارڈنر: "ابواب جدیدہ"، باب ۴۔

باب

مشابہ ہے، دیکھنے والے کی تمام تر توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتی ہے؛
ممکن ہے کہ کیکلوپی یا پیلاسگی فصیلیں زمانۂ مابعد میں بنائی گئی ہوں اس لئے اس جگہ ہم ان کا حوالہ نہیں دے سکتے، یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو پتھروں کو ہموار مستطیل کاٹنا تو جانتے ہوں لیکن اتنی تکلیف گوارا کرنے کی بجائے چٹانوں کے ناہموار ٹکڑوں پر ہی قانع رہے ہوں؛ اور یہ عیاں ہے کہ طرز تعمیر یعنی پتھروں کا ناہموار یا چوکور ہونا پتھروں کی قسم پر منحصر ہے۔
یہاں ہماری خواہش ہے کہ ہم گولاس کے حیرت انگیز آثار کا حوالہ دیں جو کوپائے جھیل کے کنارے واقع ہیں؛ اور بہت سے مورخوں کے نزدیک قدیم اورخومینوس اسی جگہ تھا، لیکن ہم اس رائے سے متفق نہیں ہیں[۵۶]؛
جن تاریخی مقامات کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے ان میں سے ٹروائے اور تھیرا کے آثار سے تمدن کی اول ترین منزل کا پتا لگتا ہے؛ ان دونوں کے بعد ترنز کی فصیل پھر میکے نائے اور ترنز اور خومینوس کا نمبر بلحاظ قدامت کے آتا ہے لیکن، آرائشی باقیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میکے نائے اور اورخومینوس کے شہرۂ آفاق ہونے کے بعد بھی ترنز برابر تہذیب و تمدن کا مرکز بنا رہا۔ اسکے علاوہ میکے نائے اور ترنز کا باہمی تعلق بھی ظاہر ہے؛ ان دونوں شہروں کے مواقع اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں استحکامات ایک ایسی قوم کے قبضے میں تھے جس نے تمدن کا سبق مشرق سے لیا اور سمندر کے قریب ترنز میں مورچہ بندی کر کے ذرا وسیع پیمانے پر میکے نائے جاکر اسے اپنا مستقر بنایا جہاں وہ ہر چہار طرف کے حملوں سے بالکل مامون و مصئون ہو گئے؛
ان مقامات سے مختلف اشیا کے برآمد ہونے سے مختلف مسائل زیر بحث ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ جہاں تک فنون لطیفہ کا تعلق ہے اس تمدن کا منبع

---

[۵۶] الرخ: یونان میں سیاحت اور تحقیقات Ulrich: Reisen und Forschungen in Griechenland جلد ۱، ۲۱۸ - اس کا گرمتیوس حوالہ دیتا ہے لیکن اس نے اس نظریے کو (جس کا متن میں تذکرہ ہے) ثابت نہیں کیا۔

مشرق تھا، لیکن یہ صرف ایشیا کا ہی مرہون منت نہیں بلکہ اس میں مصری تہذیب کا بھی بہت کچھ حصہ ہے۔ اب اس کا تعین نہایت دشوار ہے کہ آن مصنوعات پر جو برآمد ہوئی ہیں (خصوصاً وہ جو میسینے نائے میں نکلی ہیں) مصر کا زیادہ اثر پڑا یا ایشیا کا۔ ان کے علاوہ بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں جو اپنی نوع میں بالکل یکتا ہیں اور ان سے ارتقائے فنون لطیفہ کی ایک اور منزل ظاہر ہوتی ہے جو مشرقی تمدن کے کسی بڑے سلسلے میں پائی جاتی؛ ایسی اشیا تین شقوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں یعنی مٹی کی اشیا، منقوش پتھر اور طلائی کام۔[7]

ابتدائی فنون لطیفہ کے سبب سے اہم نمونے ظروف ہیں۔[8] ان میں سے بعض پر روغن کیا گیا ہے اور بعض بالکل سادہ ہیں؛ جن پر رنگ چڑھایا گیا ہے وہ شمالی یورپ کے مفروضہ زمانہ قبل تاریخ کے برتنوں سے مشابہ ہیں اور ٹروائے میں بکثرت اور میسینے نائی میں وزالکم دستیاب ہوئے ہیں۔ بعض رنگین برتن ایسے بھی ہیں جنکا رنگ وزالبقدا ہے، اس کی شکل ان ظروف کی سی ہے جو اشور اور فنیقیہ میں برآمد ہوئے ہیں۔ روغنی ظروف میسینے نائے میں بکثرت پائے گئے ہیں اور مشرقی یونان، جزائر

---

[7] ملش ہوفر: "یونان میں فنون لطیفہ کی ابتدا" A. Milchhofer: Die Anfänge der Kunst in Griechenland لائپزگ ۱۸۸۳ء۔ روس باخ O. Rossbach نے اپنی کتاب "یونان میں جواہرات پر کام" Griechische Gemmen altester Technik, Archäolog. Zeitung (جریدہ آثار قدیمہ ۱۸۸۳ء) میں اسکی تصحیح بھی کی ہے اور بہت سا مواد بھی فراہم کیا ہے۔

[8] ڈیومون اور شاپلین کی کتاب "یونان خاص کے چینی کے ظروف" (پیرس) Dumont et Chaplain: Les céramiques de la Grèce propre ہنوز غیر مکمل ہے۔ فرٹ وینگلر Furtwangler کی کتاب "عجائب خانہ برلن میں چینی کے ظروف کا مجموعہ" Beschreibung der Versamml. im Ant. d. mus. Zu Berlin (دو جلد، ۱۸۸۵ء) حوالے کیلئے بہت اچھی ہے۔ ہیلبگ ("ہومری دور" صفحہ ۲۷۹) کی رائے ہے کہ دوریانی ترک وطن سے پہلے آرائش ظروف کے دو مختلف طریقے رائج ہوئے؛ ایک کے تحت تو ہندسی طرز کی آرائش کیجاتی اور دوسرے کے مطابق شیر، درخت، چیتے اور عجیب و غریب قسم کے جانوروں کی شبیہ بنائی جاتی۔

باب۴

اور بعض مغربی حصوں میں بھی ملے ہیں؛ ان پر درختوں اور خیالی جانوروں کی تصویریں بنی ہیں جن کی ساخت کا فن کمال کو نہیں پہنچا؛ انسانی شبیہ ان برتنوں پر بہت ہی کم نظر آتی ہے۔ اب اس قسم کے برتنوں کو میکنے نادی ظروف کہتے ہیں اور حال ہی میں ان کے ہمشکل برتن ایتھنز میں اریوپاگوس اور نِکس کے درمیان قدیم مقابر میں برآمد ہوئے ہیں۔ ان کا اور "دیپلونی" ظروف کا (جن پر ہندسی طرز کے خطوط سے آرائش کی گئی ہے) باہمی تعلق معلوم ہوتا ہے؛ اور سب سے آخر میں، وہ نوع آتی ہے جسے مشرقی کہنا چاہیئے اور جسکی خصوصیات میں گلاب کے پھولوں اور خیالی جانوروں کی تشبیہیں نمایاں ہیں؂۹

اس عہد کے منقوش پتھروں کو عام طور پر "جزائری" پتھروں کا لقب دیا جاتا ہے اس لیئے کہ ان میں سے اکثر جزائر ایجین میں (خصوصًا جنوبی جزائر مثلاً کریٹ اور میلوس میں) پائے گئے ہیں؛ لیکن چونکہ اقلیمی ممالک میں بھی

؂۹ لیوشکے اور فرٹ وینگلر نے اس مضمون کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ موخرالذکر کی بسیط تصنیف کی ابھی اشاعت نہیں ہوئی ہے؛ اس کی آراء کے لیئے انجمن آثار قدیمۂ برلن کے جولائی ۱۸۸۳ء کے جلسے کی روئداد پڑھنا مفید ہوگا جو ہفتہ واری جریدۂ لسانیات (Berliner Phil. Wochenschrift ۱۸۸۳ء ع۴۲۲) میں شائع ہوئی ہے۔ اس موضوع پر جو تحقیقات ہوئی ہے وہ اتنی مفصل اور اتنی نامکمل ہے کہ اس کتاب کے مختصر لب لباب میں مصنف کو دو خطروں کا سامنا کرنا پڑا ہے ایک تو یہ کہ تحقیقات کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے جو کچھ اس نے لکھا وہ بہت جلد باسی ہو جائیگا اور دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ مضمون بے حد باریک اور پیچیدہ ہونے کی وجہ سے وہ آخری تحقیقات کا لب لباب بھی کما حقہ بیان نہ کر سکے قدیم ظروف کی مفصلۂ ذیل تقسیم کیجا سکتی ہے (مرے: کتابچۂ آثاریاتِ یونان Murray: Handbook of Greek Archaeology): (۱) قدیم ترین نوع (۲) میکنے نادی ظروف (جو پالی سوس، سپاتا، مینی دی، ایتھنز، کریٹ، کاریہ، کالیمنا و دیگر مقامات میں بھی دستیاب ہوتے ہیں اور جنھیں مرے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۰ پر "ظروف نوآباریات" کا لقب دیتا ہے) (۳) ہندسی نوع جس میں

اُن بے شمار ٹھپے دار رکابیوں میں سے جو میکلے نائی کی اشیا میں اہم ترین ہیں، بعض پر ستارے، بعض پر مچھلیوں یا تتلیوں کی تصاویر گھڑی ہوئی ہیں، اور ان سب میں ایک خاص کاریگری نمایاں ہے۔ ان کے علاوہ اس مجموعے میں سونے کی کندہ کی ہوئی اشیا بھی ہیں جن کی قسم اور ساخت تقریباً ایک سی ہی ہیں[۱۰]؛ ان میں مثلاً پیلوپونیز میں اس قسم کے نمونے ملے ہیں اس وجہ سے یہ نام صحت پر مبنی نہیں ہے۔ یہ اُن اشیائے گلی کے مماثل ہیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے، لیکن ان دونوں صنفوں کے مابین جو اختلافات ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت ایشیائی الاصل ہیں۔

بقیۂ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ فالیرون کے ظروف بھی شامل ہیں (مرے صفحہ ۳۸) (۴) یونانی ایشیائی ظروف جو رہوڈس اور نوکراتس وغیرہ میں ملے ہیں اور جن پر جانوروں کی قطاروں کی تصاویر بنی ہیں (مرے ۶۱) (۵) کورنتھی ظروف (مرے ۶۹)۔

[۱۰] اگر یہ امر واقعی ہے کہ جنگجو آدمیوں کا وہ مجسمہ جس کی تصویر ملش ہوفر نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴ (تصویر ۳۵) پر دی ہے، حقیقت میں دوریانی ترک وطن سے پہلے تیار کیا گیا تھا، تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس قدر بعید زمانے میں بھی دورِ مابعد کے یونانی فنون کے بعض اصولوں کا لوگوں کو علم ہوگا اور اُس کی مخصوص اسلوب کی پیش بندی کی گئی ہوگی۔ پیرو (Perrot) کی رائے ہے کہ وافیو کے ان طلائی پیالوں کا اسلوب جسے ترنتاس نے منکشف کیا ہے، بالکل دیسی ہے، لیکن ہمیں اطلاع ملی ہے کہ فلنڈرز پٹیری کو اسی طرز کی ایک منقوش دیوار خوئے ناتن کے محل میں بمقام تل العمرنا ملی ہے۔ میکلے نائی اور مصر کے باہمی تعلقات کے لیئے پ، گارڈنر کی کتاب "ابواب جدیدہ" P,Gardner : newchapters صفحہ ۲ وغیرہ و صفحہ ۸۵ کا مطالعہ کیا جائے۔ ان دونوں کے باہمی تعلق سے ہی میکلے نائی کی تہذیب اور اُس کے مخصوص فنون کی قدامت کا اندازہ ممکن ہے۔ خوئے ناتن مصر کے اٹھارھویں خاندان کا بادشاہ تھا اور اس نے سنہ ۱۵۰۰ ق م میں حکومت کی تھی، اس لیئے ممکن ہے کہ میکلے نائی کی تہذیب سنہ ۱۶۰۰ ق م سے سنہ ۱۲۰۰ ق م تک رائج رہی ہو۔ لیکن یہ سب باتیں بالکل غیر متعین ہیں۔ بعض مورخوں کی یہ رائے ہے کہ مصری تعلقات سے یہ لازم نہیں آتا کہ میکلے نوی تمدن کا رواج بہت بعد میں ہوا ہو؛ اس موضوع پر رسالہ اتھنےنوم ۱۸۹۲ء میں ک، ٹور اور ا، گارڈنر C.Torr and E.Gardner

باب

سب سے شکیل اور خوبصورت وہ ظروف ہیں جو "وافیو کے پیالوں" کے نام سے منسوب ہیں۔

غرض یہ ہے کہ میکنے نائی میں بہت سی ایسی اشیاء برآمد ہوئی ہیں جو دیگر حصص یونان میں بھی پائی گئی ہیں لیکن جنھیں نہ تو ایشیائی ہی کہا جا سکتا ہے نہ مصری۔ حال ہی میں بعض مورخوں نے نہایت شدّ و مد سے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ان اشیا کا اسلوب محض دیسی ہے یعنی سامی النسل نہیں بلکہ ہندو یورپی ہے؛ لیکن اس نظریے کا ہنوز خاطر خواہ ثبوت بہم نہیں پہنچا[۱۱]۔ ہمارے خیال میں اس ضمن میں بہترین انتاج یہ ہوگا کہ یہ اس نہر تمدن کی ایک پیداوار ہے جو متواتر ایشیائے کوچک سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کے درمیان ایک مکالمہ چھپا تھا، اسے اور مرے Murray کے کتابچہ Murray: Hand book کو دیکھنا چاہیے۔ میری رائے ہے کہ یہ تمدن دوریانیوں سے پہلے ہی رواج پا گیا ہوگا۔

[۱۱] ہلش ہوفر نے ان کے اور ہندوستانی اشیا کے درمیان ایک خاص مشابہت قائم کی ہے، لیکن یہ اس لیے ممکن نہیں کہ دونوں کے درمیان بہت بڑا تاریخی بُعد ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ جزائر میں بہت سے ایسے مجسمے پائے جاتے ہیں جن پر گھوڑوں کی شکلیں بنی ہوئی ہیں، لیکن یہ نہ تو دریائے فرات کے کنارے اور نہ مصر میں ملتے ہیں۔ یہاں کا بیان نسبتہً درست ہے، لیکن اس موقع پر بھی وہ کلیتہً حق پرست ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ خاص دریائے فرات کے کنارے ایک پردار گھوڑے کا مجسمہ برآمد ہوا ہے جس کی تصویر پیرو اور شی پی اے (Perrot and Chiplez) نے اپنی کتاب جلد ۲ کے صفحہ ۲۷۹ کے تحت دی ہے۔ اس کے برعکس ہلش ہوفر کا یہ قول کہ ہندی دنیات میں گھوڑے کا بہت بڑا حصہ ہے بالکل درست ہے اور اس سے اس قسم کی مصنوعات کے ہند و یورپی ہونے کا پتا چلتا ہے۔ بہرحال اس امر کی بابت پیرو (جلد ۲ صفحہ ۱۰۶) کی رائے کا بھی مقابلہ کرنا چاہیے، اور ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ بہت سے اصولی دلائل آریائی نظریے کے خلاف بھی ہیں۔ ہلش ہوفر کے نزدیک فنون کی اس مخصوص نوع کا ارتقا جزیرۂ کریٹ میں ہوا، اور اپنے نظریے کے ثبوت میں مفصلۂ ذیل دلائل پیش کرتا ہے:-

بہت سے جزائری خنجر کریٹ میں پائے گئے ہیں؛ طلائی رکابیوں پر دریائی جانوروں کا جو نقشہ ہے

جاری تھی اور جس کا منبع خواہ ایشیا کا مغربی ساحل ورنہ جزائر ایجین میں تھا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کا جزوی منبع خاص یورپی یونان میں بھی ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُس کا منفذ خاص میکنے نائی کو بھی کیوں نہ قرار دیا جائے۔ یہ تو یقینی امر ہے کہ نقاشوں نے وہاں بیٹھ کر ہی کام کیا ہوگا اس لیے کہ یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ شیر دروازے کے بت کسی اور ملک سے بن کر آئے ہوں، اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہاں کے متمول حکمرانوں نے ایشیائے کوچک سے ایران فن کو بلا لیا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ تیرنز کی فصیل کی تعمیر لیکیہ کے کیکلوپیس نے کی تھی جس سے ایشیائی اثر صاف عیاں ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ایک دفعہ ایشیا کے کاریگروں نے آکر دیسیوں کو یہ طرز تعمیر بتا دیا تو پھر مزید کاریگروں کے آنے کی ضرورت پیش نہ آئی ہوگی اور اگر میکنے نائی کے طرز تعمیر میں تیرنز سے کوئی ترقی نظر آتی ہے تو یہ قیاس بیجا نہیں کہ اس ترقی کے دینے والے خود دیسی ہی ہوں گے۔ بلا شبہہ اورخومینوس کے خزانے کی چھت مصری نمونے کے مطابق بنائی گئی ہے، لیکن یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ سلیں بن کر مصر سے آئی ہوں، اور اس میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کہ خود اورخومینوس میں ہی ایسے نقاش موجود ہوں گے جنھوں نے یہیں بیٹھ کر انھیں تیار کیا ہوگا۔ اگر یہ طرز استدلال درست ہے تو پھر یہ بالکل ممکن ہے کہ چھوٹی چھوٹی اشیا بھی میکنے نائی میں ہی تیار کی گئی ہوں۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان لوگوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ ایشیائی طرز کی نقل اُتاریں بلکہ اس میں چند نئے عناصر کا بھی اضافہ کیا ہیں میکنے نائی کے شیروں سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن کی ترقی ساحلی علاقوں میں ہوئی ہوگی، اور یہ امر واقعہ ہے کہ کریٹ اس فن میں مشہور و معروف تھا۔ اس نظریے کے خلاف ہم مفصلہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:۔ یورپا، تالوس، منوتار وغیرہ سے پتا چلتا ہے کہ کریٹ پر سامی خیالات کا بہت بڑا اثر پڑا تھا اس لیے اگر ہم منہد دیورپی اصل کا نظریہ پیش کریں تو صریحی اور بدیہی دلائل کی ضرورت پڑے گی۔ اگر معمولی توجیہات سے ہی کام لیا گیا تو پھر ... کا نام بھی پیش کیا جا سکتا ہے جہاں حال ہی میں بہت سے ظروف برآمد ہوئے ہیں اور جہاں

باب ۳ ایک جدید تخیل کا پتا چلتا ہے جو مشرقی نقاشوں سے بالکل ممتاز ہے۔ ان شیروں کی ساخت میں قدیم طرز سے گریز کیا گیا ہے۔ اشور میں تو اظہار قوت و جبروت کے لیئے اور مصر میں اظہار خوبروئی و حسن کے لیئے سنگتراشوں نے اپنے مجسموں کی ساخت میں ایک خاص مبالغہ آمیزی سے کام لیا لیکن یہاں یہ بالکل مفقود ہے اور اس کی بجائے ایک بالکل جدید قسم کی صنعت و کاری گری کی ابتدا نظر آتی ہے اسی طرح جہاں تک ہم رائے قائم کرسکتے ہیں امیکے نائی کے خزانے بھی اپنی طرز میں بالکل نرالے ہیں۔ ایشیا میں مقبروں پر مخروطی شکل کے تودے رکھ دیئے جاتے تھے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ تلخی نیس قوم آباد تھی جو دیو دوروس (۵، ۵۵) کے نزدیک نقاشی میں کریٹی و الکتی لی سے زیادہ ماہر تھی۔ اس کے علاوہ یہ دریافت کرنا بے موقع نہ ہوگا کہ وہ کونسے عناصر تھے جن کا کریٹیوں نے ہند یورپی فنی خصوصیات میں اضافہ کیا۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم مفصلۂ ذیل امور کی طرف غور کریں:۔ جن طلائی رکابیوں پر سمندری جانوروں کی تصاویر کندہ تھیں وہ کریٹ میں دستیاب نہیں ہوئیں۔ اس جزیرے میں سونا نہیں پایا جاتا بلکہ اس کی ایشیائے کوچک سے برآمد ہوتی ہے، اور زیادہ قرین قیاس یہ ہوگا کہ طلائی اشیا ایشیائے کوچک میں ہی بنائی گئی ہونگی۔ ورنہ صورت اس خاص فن اور جناتی پتھروں سے کسی نتیجے کا اخذ کرنا ایک تصور خیالی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا؛ اور اگر تصویر دار طلائی رکابیوں کا نکاس کریٹ سے نہیں ہوا تھا تو پھر یہ ثابت کرنے کے لیئے کہ اس فن کا منبع جزیرۂ کریٹ تھا وہ بالکل ہلکا ہیں جو منقوش چھلے برآمد ہوئے ہیں ان میں سے ایک پر ایک عورت کی تصویر ہے جو ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے، اور اس میں رقص ہو کر کریٹی جھلک دیکھتا ہے لیکن اس چھلے کی ساخت دوسرے چھلوں سے بہتر نہیں ہے، اور اگر یہ واقعی کریٹی صنعت کی مثال ہو بھی بایں ہمہ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ کریٹ میں فن نقاشی کو دیگر ممالک سے زیادہ ترقی ہوگی بلکہ جناتی پتھروں، اور بڑی بڑی طلائی انگوٹھیوں کا اسلوب تو بالکل بابلی معلوم ہوتا ہے۔ مقابلہ کیا جائے استوانی کے نقشے کا جو ہومل نے اپنی کتاب "تاریخ بابل و اشور" (برلن ۱۸۸۵ء) کے صفحہ ۱۴۴ پر دیا ہے۔ Hommel. Geschichte Babyloniens und Assyriens- منقوش پتھروں کے لئے مرے کا کتابچہ Murray:Handbook دیکھا جائے۔ اسکے علاوہ

اور کسی جگہ اوڑخومینوس اور میکینے نائی کے سے تہ خانے نہیں پائے گئے ۔ یہ ظاہر ہے کہ ان تہ خانوں سے تخیل کے ارتقا میں عرصۂ دراز درکار ہوا ہوگا، اور مدور مکانوں کی تعمیر سے پیشتر بہت سے پھاٹک، راستے اور جھکی ہوئی چھتوں والے مکان بنائے گئے ہوں گے ۔ جزیرۂ یوبیہ میں کوہ اوخا پر ایک عمارت ہے جسے قدیم یونانی بتکدہ سمجھا جاتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی ابتدائی طرز تعمیر کا ایک نمونہ تھا ۔ یہ چالیس فٹ طویل اور پچیس فٹ عریض ہے اور اس کی دیواروں کی اندرونی بلندی آٹھ فٹ ہے ۔ اس کی چھت پر مُحدّب پتھروں کی سلیں ایک دوسری پر چنی ہوئی ہیں اور عین وسط میں ایک روشن دان اٹھارہ فٹ طویل اور ڈیڑھ فٹ عریض ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے مکان اور میکینے نائی کے خزانوں کے درمیان بہت بُعد ہے اور اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ اسے ارض یورپ میں ہی عبور کر لیا گیا ہوگا تو ہمیں اس کا ثبوت مل جائیگا کہ اس برّاعظم کے باشندوں نے دیگر ممالک سے علیحدہ اپنی مخصوص طرز کی مصنوعات کی ساخت کی تھی ؛

تھوڑی سی پرواز تخیل سے ہم میکینے نائی اور اوڑخومینوس کے اعیان وکبار کی اس وقت کی زندگی کا نقشہ اتار سکتے ہیں جب یہ دونوں شہر اپنے عنفوان شباب پر تھے ۔ زمانۂ حال کا ایک سیاح یہاں کی طرز تعمیر سے یہ معلوم کر سکتا ہے کہ ان شہروں کی فصیلیں مختلف عہدوں میں بنی ہیں ۔ صدر دروازوں کے سامنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شلی ان اپنے مضمون میں جو ویسٹرمان کے ماہوار رسالہ "ماہواری" Westermann : Monatsheften (نومبر ۱۹۱۱ء) میں چھپا ہے ہند و یورپی نظریے پر نہیں بلکہ مصری تعلقات پر زور دیتا ہے ۔ ان بھونڈے چونیا پتھر کے مجسموں کی جو جزیرۂ کیروس میں نکلے ہیں کیوہلر "روئداد انجمن آثار قدیمہ ایتھنز" Kohler : Milth. D. D. Arch Inst.in Athen ۹، ۲ کا مطالعہ سود مند ہوگا ؛

؎ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میکینے نائی کے فرماں روا خود اپنے میں کس قدر غیر یونانی عنصر سمجھتے تھے کیوہلر کا خیال قابل غور ہے کہ ان کی تہذیب وتمدن کی ابتدا کاریہ والوں سے ہوئی ہوگی، اور ہم اس کتاب کے ساتویں باب میں یہ دکھا چکے ہیں کہ یونانی تہذیب وتمدن میں ایک عنصر ضرور ایسا تھا

باب ۳

جہاں تہاں شاہی خاندان کے عظیم الشان مقبرے ہیں؛ میدانوں میں نوجوان گاڑی دوڑانے میں منہمک نظر آتے ہیں؛ امرا کے مکانوں میں مصری اور فنیقی وضع سے رنگ برنگ کے پتھروں کی مرصع کاری ہو رہی ہے اور وہ کمرہ جہاں سامان تعیش رکھا ہے تانبے کے برتنوں سے سجا ہوا ہے۔ سیلوں کے موقع پر مرد مسلح نظر آتے ہیں؛ اُن کے پرتلوں میں زر کار تلواریں پڑی ہیں جو زمانہ مابعد کی نشاۃ جدیدہ کی زرنگاری کا مقابلہ کرتی ہیں، اور عورتوں کے سروں پر، گلوں اور بانہوں میں قیمتی اور خوبصورت زیورات اُن کے حسن کو دوبالا کر رہے ہیں۔ جب کسی کی دعوت ہوتی ہے تو مہمان کے سامنے چاندی سونے کے پیالے رکھے جاتے ہیں جنھیں فنیقی ملاحوں سے حال ہی میں خریدا گیا ہے یا جو پچھلی لڑائی میں میز بان کو بطور مال غنیمت ہاتھ لگے تھے۔ خزانہ کمروں میں بیش بہا چھوٹی چھوٹی اشیا رکھی ہیں؛ یہاں شترمرغ کا انڈا جس پر بیش قرار سنگین کام کیا ہوا ہے، وہاں صنوبر کا ایک بکس جس میں منقوش پتھر، سونے کی انگوٹھیاں اور عنبر کے دانے رکھے ہیں۔ ہر جگہ یہی کوشش کی گئی ہے کہ حسن و زینت کا اضافہ کیا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ میکے نائی اور اورخومینوس میمفیس اور بابل، صور، شام اور ایشیائے کوچک کی مصنوعات کی نقل اتارتے ہیں لیکن اسمیں کبھی اپنی جدت طرازی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جیسے کاریہ کے ساتھ منسوب کرنا چاہئے لیکن کاریہ سے متعلق جو مفروضہ ہے اسے پرسی گارڈنر نے اپنے "ابواب جدید" صفحہ ۸۶ میں کامیابی کیساتھ مسترد کر دیا ہے۔

بابِ پنجم

یونان پر دیگر ممالک کے اثرات

مصر و فنیقیہ

تہذیب و تمدن کے ابتدائی مدارج کے لیئے یونانی ایشیا کے اور ایک حد تک مصر کے مرہون منت رہیں؛ چونکہ ان میں سے ایشیا اور یونان کے باہمی تعلقات مسلسل رہے اس لیئے ممکن ہے کہ یہاں ایشیائی تہذیب بغیر کسی واسطے کے رائج ہوئی ہو؛ اس لیئے گو اشور کی تہذیب و تمدن کا یونان پر فنیقیہ اور ایشیائے کوچک کے ذریعے سے اثر پڑ سکتا تھا لیکن مصر کے تعلقات میں فنیقیہ کا واسطہ کم و بیش لابد اور لازمی تھا۔

اگر تاریخ مصر کے بعض واقعات کی تاویل صحیح کی گئی ہے تو ہمارے پاس مصر و یونان کے باہمی تعلقات کا ذخیرہ بہت کافی ہونا چاہیئے اس لیئے کہ اس تاویل کے مطابق سنہ ۱۲۰۰ ق م سے پیشتر ہی سے یونانی اقوام نے مصر کی لڑائیوں میں شرکت شروع کر دی تھی۔[1]

---

[1] مصر میں اکائیائیوں کی موجودگی کے لیئے ا۔ مے یر: "تاریخ قدیمہ" ج ۱، ۱۹۴، ۲۳۴، ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۶۴ (E. Meyer : G. D. Alt.)۔ مے یر کو اس کا یقین ہے کہ پندرھویں صدی ق م میں مصر کو یونانی جزیروں پر سیادت حاصل تھی اور بارھویں صدی ق م میں داناؤسیون نے مصر کی طرف ایک مہم روانہ کی تھی۔ رُوژے اور شاپا (Rougé & Chabas) کی رائے کے خلاف ویڈے مان (Wiedemann) اور ایک حد تک برگش (Brugsch)

شاہستی اول کے زمانے میں (جب در اصل اُس کا بیٹا رام سیس دوم ہی حکومت کر رہا تھا)، مصر پر لیبیہ والوں اور اُن کے حلیفوں نے جن کے نام شردانا، اور تولشا دیئے ہوئے ہیں، حملہ کیا؛ ان دونوں قوموں کو سارڈینی اور ترھینی سمجھا جاتا ہے۔ مصر و یونان کے تعلقات میں اس سے بھی زیادہ یگانگت اس مہم کی وجہ سے ہوئی جو رام سیس دوم نے اپنی تخت نشینی کے بعد خطیوں کے خلاف سر کی۔ اس قوم کے ساتھ دیگر اقوام یعنی دردانا، ماسو، پداسا، اور یے وتنا اور لیکا کا بھی نام آتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ دردانا اصل میں تروِیانی یا اُن کے ہم نسل اور یے وتّنا ایونیانی ہیں، اور پداسا سے پیداسوس کی یاد تازہ ہوتی ہے جو جنوبی ایشیائے کوچک کے ایک شہر کا نام ہے؛ اسی طرح لیکا سے باشندگان لیکیہ، ماسو سے باشندگان میزیہ کا خیال دل میں آتا ہے۔ اگر یہ تاویلیں درست ہیں تو یہاں ہم ایشیائے کوچک کی اقوام کے ایک بہت بڑے اتحاد عمل سے دوچار ہوتے ہیں، جن میں سے بعض سے یونانیوں کا نہایت قریب کا رشتہ تھا۔ رام سیس دوم کے بعد مِنَفتا تخت مصر پر جلوہ افروز ہوا اور اُس کے عہد حکومت میں اور بہت سی قوموں نے مصر پر حملہ کیا اور اُنھیں بھی شکست ہوئی؛ ان کے نام تُرشا، شاردانا اور لیکا کے علاوہ جن سے مصری پہلے سے واقف تھے۔ شاکلشا اور اکائی واشا (یعنی صقالی اور اکائیائی) تھے۔ اس طرح گویا ان اقوام کا تیرھویں صدی ق م میں مصر میں انھیں ناموں سے پتا چلتا ہے جن سے وہ اپنی تاریخ کے ابتدائی زریں زمانے میں مخاطب کئے جاتے تھے۔ تیرھویں صدی ق م میں مصر کے انیسویں خاندان شاہی کے سب سے ذی اثر بادشاہ یعنی رام سیس سوم کے عہد میں شمالی آخری مرتبہ مصر پر حملہ آور ہوتے ہیں؛ اس حملے میں ہمارے سامنے نئے نئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کا یہ خیال نہیں ہے کہ یہ بحری قوم در اصل یونانی ہی تھی، اور ممکن ہے کہ ان اقوام میں ایک بھی ایسی قوم نہ ہو جو یورپ میں آباد ہو۔ اس مسئلے کی سب سے مکمل تحقیقات و، ام، میولر (W. M. Muller) نے کی ہے جس کا اقتباس اس کتاب کے باب ۷، حاشیہ ۲ میں دیا ہوا ہے، نیز میولر کی کتاب کے ابواب ۲۷ و ۲۸ کا بھی مطالعہ کیا جائے۔

نام آتے ہیں یعنی ترشا، لیکا اور شاکلشا کے ساتھ یوُلستا، جکّار وا اور داوُنا وانظر آتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جکّار وُ، تیوکری اور دا وُنا وُ، ادانا وسی ہیں؟ یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ داوُناوا دانا وسی ہی تھے اور ممکن ہے کہ دانا وسی اٹھارھویں خاندان شاہی کے زمانے میں بھی شاہ تو تمیس کے عہد میں پھر مصر سے جنگ آزما ہوئے، اسلیے وہ گویا پندرھویں صدی ق م سے بارھویں صدی ق م تک مصر کے مد مقابل بنے رہے لیکن شومی قسمت سے یہ سب تاویلیں تا حال متنازعہ فیہ اور مشکوک ہیں۔[۱]

اگر بالفرض یونانی اُس زمانے میں مصر گئے ہوں تو بھی یہ ممکن نہیں کہ انھوں نے وہیں مصریوں کی تہذیب و تمدن سے واقفیت بھی حاصل کی ہو اور پھر اُسے یونان میں خود ہی رائج کیا ہو، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تمدن نے کسی اور طرح رواج پایا ہوگا۔ اُس زمانے کے اکثر مورخوں کی یہ رائے ہے کہ مصری تمدن کا اثر ایک دوسری قوم نے یونان میں پہنچایا جس کا نام قوم خطّی تھا اور جو عرصہ دراز تک مغربی ایشیا میں برسر اقتدار رہی[۲] لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بالفرض اگر اسی قوم نے ایرانیوں

---

[۱] توتمیس سوم کے زمانے میں دانا وسیوں کا حملہ: ماسپرو کی "تاریخ مشرق قدیم"، ۲۸۷ (Maspero : H. d.l'anc. Or.) لیہوُرمان کا خیال ہے کہ رام سیس سوم کے خلاف بحیرۂ روم کی اقوام کی جو ایک لیگ قائم ہوئی تھی وہ دراصل کریٹ کی سیادت بحری ہی تھی، دونوں میں سسلی کا شمول بیان کیا جاتا ہے۔ "ابتدائے تمدن"، ۲، $\frac{۲۹۶}{۲۹۸}$ (Anfänge D. Kultur)۔

[۲] خطّیوں کے لیے مفصلۂ ذیل کتابوں کا مطالعہ کیا جائے:۔ ۱، اے، ھ، سیس: "خطّیوں کی یادگاریں"، (روئداد انجمن آثار انجیلیہ، جلد ۷ (۲) ۱۸۸۱ء) (A. H. Sayce : The Monuments of the Hittites ; Transactions of the Soc. of Bibl. Archaeol., VII(2)1811)؛ ہیروڈوٹس: ازمنۂ قدیمہ کی مشرقی سلطنتیں جلد ۱ تا ۳، لندن ۱۸۸۳ء: ایڈ وارڈ مے یر: تاریخ قدیمہ (E. Mayer G. D. A.) ۲۳۰، ۲۳۹ وغیرہ، $\frac{۲۵۵}{۲۵۸}$، $\frac{۲۶۳}{۲۶۶}$؛ ورائٹ: "سلطنت خطّیاں"

باب ۹ پر ایک زبردست اثر ڈالا ہو، با اینہمہ اس میں بھی شبہ نہیں کہ فنیقیوں سے بھی اس کو بہت بڑی تقویت پہنچی ہوگی ۔

جو عظمت تاریخ یونان میں **فنیقیوں** کو حاصل ہے اُس کا اندازہ کرنا آسان کام نہیں۔ اس تحقیقات سے جو حال میں فنیقیوں کے متعلق ہوئی ہے اُن کے عام خصائل کا سرسری اندازہ ہوگیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہاز رانوں کی ایک قوم تھی جسے بلدی سوا رواج حاصل تھا، اور اس قسم کی خصوصیات میں وہ گویا یونانیوں کے پیش رو تھے۔ اُن کا مذہب اور اُن کی زبان سامی الاصل تھی، اور جہاں تک فنون لطیفہ کا تعلق ہے وہ دیگر اقوام خصوصاً اہل مصر اور دریائے فرات کے کناروں پر رہنے والوں کے محتاج و دست نگر تھے۔ لیکن اپنی قابلیت اور علم کو دوسری قوموں میں رواج دینے کا خاص ملکہ حاصل تھا، یہاں تک کہ یہودیوں کو بھی اُن کی اس خصوصیت کا تجربہ ہوچکا تھا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کے خالص تمدن کے آثار کا مطلق وجود نہیں، بلکہ جو کچھ واقفیت ہمیں فنیقیوں کی بابت حاصل ہوئی ہے اس کا ماخذ فنیقیہ کا مختصر رقبہ نہیں بلکہ دیگر ممالک ہیں[۴] اور یہ لازمی ہے کہ ان آثار پر خود ان ممالک کے اثرات پڑے ہوں گے جہاں وہ پائے گئے ہیں۔ الغرض ہماری معلومات کی بنا ایک حد تک صرف قیاس پر مبنی کہی جاسکتی ہے۔ بدیں سبب یونان میں بھی یہ امتیاز دشوار ہے کہ تمدن کے کس جزو پر خالص فنیقی اثر پڑا ہے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس امر کے متعلق متقدمین کی کیا رائے تھی ۔

فنیقیوں نے سرزمین یونان میں جو نوآبادیاں قائم کیں اُن کے متعلق بیشتر معلومات کا ماخذ وہ افسانے ہیں جو کادموس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں[۵]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ W. Wright: The Empire of the Hettites (لندن ۱۸۸۴ء- میئولر نے اپنی کتاب کے پچیسویں باب میں اس عظمت کو بالکل گھٹا دیا ہے جو اس قوم کو دی جاتی تھی۔

۵ فنیقیوں کی یونانی نوآبادیوں کے متعلق موورز کی کتاب "فنیقیان" (Movers : Phoenicier) اور لینورمان کی کتاب "تمدن ہائے قدیمہ" (Lenormant :

جب زیوس دیتا یوروپا کو اپنے ساتھ بھگا لے گیا تو اگے نور نے اپنے بیٹوں یعنی
کاڈموس، تھاسوس اور کلکس کو اُس کی تلاش میں روانہ کیا۔ ان میں سے کلکس
تو کلکیہ میں اور تھاسوس اپنے ہمنام جزیرے میں رہ پڑا لیکن کاڈموس پہلے تو
کریٹ گیا اور وہاں سے رھوڈس، تھیرا، میلوس ہوتا ہوا تھریس پہنچا
جہاں پالن گائی کی کانیں کھود کر وہ وہاں سے یوروپا کا حال دریافت کرنے ڈیلفی
گیا۔ ڈیلفی کے کاہنوں نے اُسے یہ صلاح دی کہ مزید جستجو بیکار ہے اور ہدایت
کی کہ فلاں گائے کے پیچھے چلے جاؤ اور جہاں کہیں وہ بیٹھ جائے اسی جگہ کو اپنا مسکن
بنالو۔ وہ گائے اُس جگہ بیٹھی جہاں زمانۂ مابعد میں بیوشیہ کا شہر تھیبز آباد ہوا اور اسطرح
اس مقام پر ایک فنیقی نوآبادی کی بنیاد پڑی۔ تھیبز سے اُسے پن تھیوس نے
نکال دیا اور چار و ناچار اُسے ایک اور ملک کو جانا پڑا جس کا نام اُس کے بیٹے الیریوس
کے نام پر الیریہ پڑ گیا [ش] اور اسی مقام پر اُس کا انتقال ہوا۔

اگر ہم صرف ان بیانات پر تکیہ کریں تو ہم کسی طرح کاڈموس کی ان صحرانوردیوں
سے یہ استدلال نہیں کر سکتے کہ فنیقیوں نے سرزمین یونان پر بتدریج نوآبادیاں
قائم کی ہوں گی اس لئے کہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس افسانے میں سے کسقدر وضعی ہے اور
کتنا حقیقت پر مبنی۔ اگر بالفرض کاڈموس کا وطن الیریہ ہی تھا اور اُس کا ایک
بیٹا الیریوس نامی بھی تھا تو محض ان واقعات سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ الیریہ
میں بالضرور ایک فنیقی نوآبادی ہوگی۔ اس کے علاوہ اور حالات بھی معلوم ہونے چاہئیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ Premieres civilizations) جلد ۲ صفحہ ۲۲۳/۳۰۹ دیکھی جائیں
فنیقی زندگی کا ایک نہایت عمدہ سلسلہ وار مرقع جو پیرو وشی پی انے کے تجربہ کار قلم کا
Perrot et Chipiez.)
نتیجہ ہے ان کی کتاب "تاریخ فنون لطیفہ بہ زمانۂ قدیم" (Histoire de L.ort dans L.antiquite) جلد سوم، پیرس ۱۸۸۵ء میں ملیگا۔

ش الیریوس ولد کاڈموس، اپولودوروس ۳، ۵، ۴۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اس
تاریخی مواد کا ضرور لحاظ کرنا چاہئے جو اوبرہومر نے اپنی کتاب "اکارنانیہ میں فنیقی قوم" (Oberhummer: Phoenicier in Akarnanien) (میونخ ۱۸۸۲ء) میں درج کیا ہے۔

باب ۵

جن کی بنا پر یہ استدلال کیا جا سکے کہ جن مقامات پر کاڈموس گیا وہاں فنیقی آثار باقی ہیں، بغیر ان آثار کے ہم ان مقامات پر فنیقی نوآبادیوں کے وجود کو تسلیم نہیں کر سکتے:

بالفعل مناسب ہے کہ ہم جزیرۂ کریٹ کو نظر انداز کر دیں، جہاں سے کاڈموس رھوڈس آتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس جزیرے کے باشندے ہیلیوس کی اولاد سے تھے جنھیں فنیقیوں نے مغلوب کر کے اپنا ماتحت بنا لیا تھا۔[۶] زمانۂ مابعد میں فنیقیوں کو کاریہ والوں نے شکست دی اور موخر الذکر کو ڈوریانیوں نے اپنا محکوم کر لیا، لیکن جب ڈوریانی اس جزیرے پر لنگر انداز ہوئے تو اُس وقت بھی یالی سوس کے قلعے میں فنیقی سپاہی موجود تھے اور ڈوریانی انھیں ایک چال چلے بغیر مغلوب نہ کر سکے۔ یہ فنیقی عنصر عرصۂ دراز تک خاص طور پر اہم رہا اور زمانۂ مابعد میں بھی اسی نسل کے لوگ پجاریوں کے طبقے میں خصوصیت کے ساتھ پائے جاتے تھے:

کاڈموس رھوڈس سے تھیرا (کالسٹے) گیا جہاں اُس نے میمبلیاروس[۷] کو مع چند اور ساتھیوں کے چھوڑ دیا۔ لیکن ہمیں دیگر ذرائع سے معلوم ہے کہ فنیقی تھیرا میں اس کے علاوہ دوسرے راستوں سے بھی داخل

---

[۶] رھوڈس کے لیے مطالعہ کیا جائے کونون "بیان" (Conon: narrs)؛ ارگیاس جس کا اقتباس اتھنایوس ۸، ۳۶۰ وغیرہ میں دیا ہوا ہے؛ دیودوروس ۵، ۵۸۔ زالتسمان (Salzman) کی جزیرۂ رھوڈس (خصوصاً کامی روس اور یالی سوس) کی کھدائیوں کے نتائج کا ایک حصہ عجائب خانۂ برطانیہ میں ہے۔

[۷] تھیرا ہیروسائٹاس ۴، ۱۴۷، ۸۔ میمبلیاروس پوئے کیلیس کا بیٹا تھا۔ سین کیل (Synkell) ۲۹۹، کی رائے ہے کہ تھیرا میں فنیقیوں نے اپنی نوآبادیاں پانچویں صدی ق م میں قائم کیں۔ مقابلہ کیا جائے شٹنت بائی زنطیوس: "انافے، میمبلیاروس" (St. Byz: Anaphe and Membl.) (اس کو لوموس واقع تھیرا میں جو فنیقی قبریں ہیں اُن کے لیے لینورمان کی کتاب صفحہ ۲۴۹ دیکھی جائے۔

ہوئے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اُن کے تھےرا پہنچنے سے پہلے اس جزیرے کے آتش فشاں پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی کے منہدم ہو جانے سے وہاں کی آبادی تباہ و برباد ہو گئی تھی؛ اور ہیرو سانیاس کا بیان ہے کہ جب تھےراس (جسے وہ کاڈموس کی نسل سے بتاتا ہے) جنگ ٹروائے کے ایک سو دس سال بعد اس جزیرے میں پہنچا تو وہاں اُسے ایک فینیقی آبادی ملی۔ بدیں سبب اُس نے اپنا مسکن اس جزیرے کو قرار دیا؛

جزیرۂ میلوس کے شہر میلوس میں بھی جو تھےرا کے قریب ہی واقع ہے ایک فینیقی نو آبادی تھی؛[۹]

کاڈموس نے تھےرا سے بحیرۂ ایجین کے شمال کی طرف رخ کیا اور وہاں سے وہ تھریسی ساحل پہنچا جس کے قریب جزیرۂ تھاسوس پر اُس کے بھائی نے قبضہ کر لیا۔ زمانۂ قدیم میں یہ امر مسلمہ سمجھا جاتا تھا کہ تھاسوس میں ضرور ایک فینیقی نو آبادی تھی؛ ہرقل کی وہاں خاص طور سے عزت کی جاتی تھی یعنی اُس کا اور خدائے صور کا ایک ہی رتبہ تھا۔ فینیقیوں نے اس جزیرے میں صرف سونے کی کانوں کی وجہ سے نو آبادیاں قائم کیں جن کی ہیروڈوٹس بہت تعریف کرتا ہے؛[۹]

ممکن ہے کہ جزیرۂ ساموتھریس پر فینیقی قبضہ ہونے کی وجہ سے کابیری دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہو۔ تھریسی ساحل پر کسی قسم کے آثار دستیاب نہیں ہوئے ہیں؛ لیکن چونکہ افسانوں میں یہ مذکور ہے کہ کاڈموس نے کوہ پنگائیوس کی کانیں[۱۱] کھودیں اس لیے ہم یہ باور کرنے میں حق بجانب ہیں کہ یہاں ایک فینیقی نو آبادی

---

[۹] میلوس کے لیے شمنت بائی زنطیوس کی کتاب "میلوس" کا مطالعہ کیا جائے۔
[۹] ہیروڈوٹس ۶، ۴۷ و ۲، ۴۴۔
[۱۰] ساموتھریس :- ڈیوڈورس ۵، ۴۷۔
[۱۱] پنگائیوس کی سونے کی کانوں کی بابت کالس تھینیس کا بیان جس کا اقتباس اشترابو ۱۴، ۵، ۲۸ اور پلی نی ۷، ۱۹۷ کا مطالعہ کیا جائے۔

باب ۹

موجود تھی:

تھیبز کی نوآبادی کی طرف رخ کرنے سے پہلے ہم یونان میں ان اثرات کا ذکر کریں گے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فنیقی وہاں آکر آباد ہوئے۔ یہاں دو مختلف زاویہ ہائے نگاہ کا تذکرہ لازمی ہے اگر کسی خاص طرز عبارت یا کسی خاص مقام کے نام سے اسکے فنیقی الاصل ہونے کا قرینہ ہو تو ظن غالب ہے کہ وہاں فنیقی آبادی ہوگی۔ لیکن اس استدلال میں بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے اس لیئے کہ طرز عبادت کی ہر ایک مماثلت سے کسی قوم کی نوآبادی کا وجود لازمی قرار نہیں دیا جا سکتا؛ ساتھ ہی ہمیں یہ امر نظرانداز نہ کرنا چاہیے کہ یونان میں جو کچھ سامی ادارات ملتے ہیں وہ سبکے سب بالالتزام ان فنیقیوں کی یادگار نہیں ہیں جو وہاں آکر آباد ہو گئے تھے:

ہر ایک امر سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ جزیرہ کی تھرا میں جو لقونیہ کے جنوب میں واقع ہے کسی زمانے میں ایک فنیقی نوآبادی ہوگی؛ خود یونانی دینیات میں کی تھیروس کو فنکس[۱۱۲] کا بیٹا قرار دیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین کا بھی یہی خیال تھا۔ اس جزیرے کی ام الارباب افرودیت تھی جس کی پوجا کا رواج یہاں سے ہر چہار طرف پھیل گیا۔ ہمیں فنیقی مستعمری کی اصل وجہ بھی معلوم ہے؛ فنیقیوں کو ارغوانی رنگ کے لیئے ایک خاص خولدار مچھلی کی ضرورت تھی جو اس جزیرے کے ہر چہار طرف بکثرت پائی جاتی تھی اور آج بھی ایسی ارغوانی مچھلی کی سیپ کے تودے کیتھرا اور گی تھیوم کے ساحل کے قریب ملتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ مغرب اور مشرق کی عین شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ جزیرہ بحری تجارت کے لیئے نہایت اہم ہوگا

طوسی ویدش کا بیان[۱۱۳] ہے کہ ایجین کے بہت سے جزیروں میں یہ قوم آباد تھی،

---

۱۱۲ شنت بی زانطیوس: کی تھرا" طوسی ویدش (۴، ۵۳) سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ۴۲۴ قم کے بعید زمانے تک میں کی تھرا اور مصر و لیبیہ کے درمیان تجارت کا سلسلہ قائم تھا:

۱۱۳ طوسی ویدش ۱، ۸۔

اور علاوہ ان مقامات کے جن کی تفصیل اوپر درج کی گئی ہے، دیگر جزائر بھی شمار کئے جا سکتے
ہیں جو خاص طور پر ان کے آثار سے مملو ہیں۔ ظن غالب ہے کہ انھوں نے نِسی رُوس،
گوس، اور گیاروس پر بھی (کی تھرا) کی طرح ارغوانی سیپ کے ہی لیے قبضہ کیا
ہوگا اور انھوں نے ہی سب سے پہلے جزیرۂ سِفنوس میں کانیں کھودی ہوں گی
نیز جس طرح انھوں نے سِتھے را میں فن بافندگی کو رواج دیا اسیطرح جزائر گوس
اور اموُرگوس کے کپڑے کی صنعت بھی یقیناً فنیقیوں کی ہی مرہون منت ہوگی۔[۱۴]
اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ مخصوص ارض یونان پر کہاں کہاں فنیقی نو آبادیاں
واقع تھیں۔ یہاں ہماری رہبری صرف مقامی ناموں اور طرز عبادت سے ہوتی ہے۔
لقونیہ میں افرودیت کی پوجا اور عید ہیا کنتھیا کی بہت وقعت تھی؛ موخر الذکر
ہیا کنتھوس سے منسوب ہے جسکے اور ادونس کے درمیان مماثلت ہونے کی وجہ سے
فنیقی اثر صاف ظاہر ہے، گو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فنیقی بالضرور سرزمین یونان
پر آباد ہوئے ہوں گے۔ لیکن چونکہ خالکنائے کورنتھ پر افرودیت اور میلی کرتیس
کی پوجا کی جاتی تھی اور یہ تجارتی اعتبار سے بھی نہایت اہم مقام تھا اس لیے ہمیں یہ فرض
کر لینا پڑے گا کہ یہاں فنیقی ضرور آباد ہوئے ہوں گے۔ ھیگارا کے قریب ایک
چھوٹا سا گاؤں مینوا ہے، اس کے اور سالامس کے نام سے اس نظریے کی
تائید ہوتی ہے کہ یہاں بھی فنیقی آکر آباد ہو گئے تھے۔[۱۵] اسی طرح سرزمین اٹیکا کے
بعض ناموں سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہاں فنیقی نو آبادیاں موجود تھیں لیکن
یہ ابھی تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا؛ مثلاً یہ تو امر واقعی ہے کہ جزیرۂ مالٹا کسی زمانے
میں فنیقیوں کے قبضے میں تھا، اب ایتھنز کے ایک محلے کا نام بھی ملیتے ہے؛
اسی طرح ماراتھون کے نام سے بھی فنیقی اثر کا پتا چلتا ہے، اور یہیں ہیرقل کی
بھی پوجا ہوتی تھی جو ممکن ہے کہ ملکارث ہی کا دوسرا نام ہو۔[۱۶] ہم سنتے ہیں کہ تھیبس سے

۱۴؎ گوس اور اموُرگوس کے لیے لینورمان ۲/۲۶۲ کا مطالعہ کیا جائے۔
۱۵؎ ہاگیوس گیورگوس کے چھوٹے سے جزیرے پر جو سالامس اور اٹیکا کے درمیان واقع
ہے، لامپرڈس سیپ کے تودے سے ارغوانی رنگ کی سیپیاں دستیاب ہوئی ہیں۔
۱۶؎ درانحالیکہ زمانۂ حال کے مورخ فنیقی آبادکاری اٹیکا (خصوصاً آبادکاری ایتھنز) کو بطور ایک

باب ۵

فینیقی مارا تھون آئے جس پر کادموس کے ساتھیوں کا قبضہ ہو گیا۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یوبیہ کا نام اصل میں ماکرِس اور پورفیرا تھا، ان میں سے ماکرِس تو گویا ملکارت کی ہی بگڑی ہوئی شکل ہے اور پورفیرا اس ارغوانی رنگ سے مشتق ہے جسے فینیقی تیار کرتے تھے۔ اسی طرح ستیرا کے متعلق بھی۔ جو ایک یوبیائی شہر تھا، یہ کہا جاتا ہے کہ در اصل استارتے سے تعلق تھا اور اس سے فینیقی آبادکاری کی جھلک پائی جاتی ہے۔ بدیں وجوہ ظن غالب یہ ہے کہ فینیقی یوبیہ میں آکر آباد ہوئے اور اگر اسے باور کیا جائے تو یہ امر بھی خلاف قیاس نہیں ہے کہ تھبز میں بھی ان کی کوئی بستی ہو۔

شہر تھبز ایک زرخیز ضلع میں واقع ہے جو جھیل کو پائس کے جنوب میں ہے؛ اس مقام کے قریب ہی پہاڑیوں کا ایک زنجیرہ ہے جس کا نام فینیقیوم تھا اور شہر کا قلعہ ہمیشہ سے کادمیا کہلاتا تھا۔ شہر کی چاروں طرف ڈرکے اور اسمینوس نامی ندیاں دورکرتی ہیں؛ جن میں سے آخر الذکر اشمون کی بگڑی ہوئی شکل خیال کی جاتی ہے جو ایک فینیقی دیوتا کا نام تھا۔ شہر کے نزدیک کابِئری کا تبکدہ ہے جو غالباً فینیقی دیبیاں تھیں۔ خود ہرقل، تھبز کا باشندہ تھا لہٰذا ممکن ہے کہ وہ اور ملکارت ایک ہی شخصیت کے نام ہوں۔ شہر کے سات دروازے بھی سامی الاصل بتائے جاتے ہیں[۱۲] اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ سات سیاروں اور انکے مخصوص معبودوں کے نام سے معنون کئے گئے تھے۔ تھبز کی افسانہ آمیز تاریخ سے اس طویل[۱۳] نزاعہ کا پتا چلتا ہے جو بہت عرصے تک تھبزیوں اور فینیقیوں کے درمیان

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ امر واقعہ کے تسلیم کرتے ہیں (ک) ۱۰ خسمو ماتھ: زمانہ قدیم میں شہر ایتھنز، جلد ۱، لائپزگ ۱۸۷۴ء (C. Wachsmuth: Die Stadt Athens in Alterthums) فون ولاموِتز میولنیڈورف اس کی مخالفت کرتا ہے۔ ستر ابو ۱۰ و ۱ ۷ م ہم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کادموس یوبیہ گیا ہے تو اس کے ساتھ عرب بھی تھے۔

[۱۲] سی برانڈس: تھبز کے سات دروازوں کی اہمیت J. Brandis. Die Bedeutung der Sieben Thore Thebens) رسالہ ہرمیس جلد ۲۔

برپا رہا۔ اس کے مطابق کادموس کے بعد ایک دیسی باشندہ پن تھیوس بعد ازیں کادموسی پولی دوروس اور پولی دوروس کے بعد ایک تیسرا شخص نکتیوس جسے دونوں خاندانوں کا دشمن بتایا جاتا ہے برسر اقتدار ہوتا ہے۔ نکتیوس کے بعد لبداکوس ولد پولی دوروس اور پھر تھبزی لیکیوس اور اُس کی اولاد امفیون اور لیتھوس سر پر آرائے حکومت ہوتے ہیں لیتھوس کے بعد لبداکوس کے جانشین لائیوس کا نام ہمارے سامنے آتا ہے۔[۱]

ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر خلاف قیاس نہیں ہے کہ تھبز میں کسی زمانے میں ایک فنیقی نو آبادی ہوگی، لیکن اس نظریے کے خلاف ہمیں ایک اشکال سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ یہ کہ فنیقی فطرۃً تجار اور کاریگر تھے، پھر وہ ساحل سے دور اندرون ملک میں آکر کیوں آباد ہوئے۔ دیگر مقامات پر جو آبادی انھوں نے کی اُس کے اسباب ظاہر ہیں، یہاں ماہی گیری، وہاں کان کنی، تیسری جگہ تجارت، یہی سب چیزیں فنیقیوں کو اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ ان میں سے صرف تجارت ہی ایک ایسی چیز تھی جس کی وجہ سے یہ قوم تھبز آکر آباد ہوئی ہوگی۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انھیں ساحل سے اس قدر دور جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس قابل لحاظ امر کی ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جو لوگ تھبز آکر بسے وہ فنیقی نہیں بلکہ سامی الاصل کاشتکار تھے، اور ممکن ہے کہ وہ تارکان وطن کنعانی ہوں جنھیں بیوتیہ میں اپنی پسند کی اراضی کاشت کو مل گئی ہو۔[۲] اس سلسلے میں ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ

---

[۱] لینورمان اپنی کتاب "ابتدائی تمدن" (Lenormant: Premières Civilisations) جلد ۲، ۲۸۵ میں یہ بتاتا ہے کہ تھبزی قصوں میں یونانیت اور مشرقیت کے باہمی جھگڑوں کی جھلک پائی جاتی ہے۔

[۲] کاشتکار کنعانیوں کو سولھویں صدی ق م میں بنی اسرائیل حملہ آوروں نے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا اور وہ لینورمان کے نزدیک بیوتیہ میں آکر آباد ہو گئے۔ (ابتدائی تمدن ۲، ۲۹۸)۔

باب ۹

یہ مقام شمالی و جنوبی بیوتیہ اور مغربی و مشرقی سمندر کی شاہراہ کے عین وسط میں واقع تھا اور جس طرح اُن اقوام کے لئے جو یوریپوس پر قابض ہو گئے ہوں اور جن کا مقصد خلیج کورنتھ سے تجارتی تعلقات پیدا کرنا ہو۔ کورنتھ کی جو اہمیت تھی اسی قسم کی اہمیت تھیبز کو بھی حاصل تھی؛

واضح ہو کہ اس امر پر کسی نے اس وقت تک زور نہیں دیا۔[۲۰] اور اس کی بنا پر ہمارے نزدیک شہر تھیبز میں ایک فینیقی نو آبادی کا وجود خلاف قیاس نہیں ہے؛

خود یونانیوں کا خیال تھا کہ اُن کے تمدن کے جدید اجزا مثلاً دیونی سوس کی پوجا،[۲۱] دھاتوں اور پتھر کی کان کنی[۲۲] اور حروف تہجی کا استعمال، یہ سب کادموس (یعنی فینیقیوں) نے رائج کئے تھے۔[۲۳] اس آخری امر یعنی حروف تہجی کا دیگر امور سے امتیاز کرنا لازمی ہے۔ یہ امر واقعی ہے کہ آٹھویں صدی ق م سے پیشتر یونان میں حروف تہجی کے وجود کا ثبوت نہیں دیا جا سکتا اور سب سے پہلے ان کے آثار جزیرۂ کریٹ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ در اصل فینیقی حروف کی ہی بدلی ہوئی شکلیں ہیں تو یہ تبدیلی آٹھویں صدی ق م سے پیشتر ہی ہو گئی ہو گی اور

---

[۲۰] الفوروس نے جس کا اقتباس سترابو نے دیا ہے اس پر زور دیا ہے کہ بیوتیہ تین طرف سے سمندر سے گھرا ہوا ہے۔

[۲۱] ہیروڈوٹس ۲، ۴۹۔

[۲۲] پلینی (۷، ۱۹۵) پتھر کی کانوں کی ابتدا فینیقیوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ فینیقیوں نے پتھر کے مکانات بنانا اور پہاڑوں کے اطراف کو روشوں کی شکل میں تبدیل کرنا یونانیوں کو سکھایا تھا، اور اپنے وطن میں انھوں نے اس فن کو اس قدر ترقی دی تھی کہ وہ چٹانوں کو کھوکھلا کر کے مکانات اور قلعہ جات بناتے تھے۔ ساتھ ہی ہمیں یہ امر بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ اس طرح چٹانوں اور پتھر سے اہالیان لیکیہ بھی اپنے مفید مطلب کام نکالتے تھے اور لیکیہ کا جو اثر یونان پر پڑا وہ مسلمہ ہے اور اس پر افسانے اور عینی شہادتیں دونوں متفق ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ فن لیکیہ نے فینیقیہ والوں ہی سے سیکھا؟ اس کا جواب غالباً نفی میں ہو گا اور ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں گے کہ اس ضمن میں جو اثر یونان پر فینیقیہ کا پڑا اس میں ابھی شک و شبہ کی گنجائش ہے۔

یہ معلوم ہے کہ فینیقی اس سے بہت پہلے ہی اپنے حروف تہجی سرزمین یورپ میں لے آئے تھے۔ بدیں سبب اس افسانے میں کہ کادموس نے ہی حروف تہجی پہلی مرتبہ یونان میں رائج کئے دو باتیں مضمر معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ فینیقیوں نے یونان میں آنے کے بعد کبھی نہ کبھی اپنے حروف تہجی استعمال کئے ہوں گے اور دوسرے یہ کہ ان کی بنا پر یونانیوں نے اپنے حروف اختراع کئے ہوں گے۔

مفصلۂ بالا تبصرے میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ طرز عبارت کی بعض شکلیں فینیقی الاصل تھیں۔ افرودیت بلاشبہہ ایک ایشیائی دیوی تھی[۱] اور یہی حال ہرقل کا ہے جس کا سلسلہ (ہمارے مفروضے کی بنا پر) ملکارث سے ملایا جا سکتا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ فینیقیوں نے ہی سب سے پہلے شراب کو یونان میں لا کر مروج کیا تو اس طرح دیوی سیوس اور تھبز کا باہمی رشتہ سمجھ میں آ جائیگا۔ اس کے علاوہ یہ امر قرین قیاس ہے کہ آریس* کی شکل کو فینیقیوں نے تبدیل کر دیا ہو اور تھبز کی آریس اور ہارمونیہ کا تطابق فینیقیوں کی سب سے بڑی دیبی اور دیوتا سے پایا جاتا ہے۔ زیوس تک کی پوجا میں ایک مخصوص فینیقی عنصر شامل کر دیا گیا ہے، وہ یہ کہ اورخومینوس اور کورونیہ کے درمیان اور تھسلی کے ضلع یولکوس میں زیوس لافس تھیوس کے سامنے انسانی قربانی چڑھائی جاتی تھی جس سے فینیقی انسانی قربانی کی (جو اکثر بچوں کی ہوتی تھی) یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

اب ہم یونان کے ایک اور خطے یعنی کریٹ کا ذکر کریں گے اور یہ وہ جزیرہ تھا

[۱] ف، ہول: افرودیت۔ انشتارتے: ”رسالیانہ لسانیات جدیدہ“ ۱۸۸۲ء — Astarte: N. Jahrb F. Phil اشتوریت:

افتوریت:

افروتیت:

* آریس، جنگ کا دیوتا۔ ہارمونیہ، آریس کی بیٹی اور کادموس کی بیوی [مترجم اردو]

باب ۲

جس پر فنیقیوں کا سب حصہ جات یونان سے زیادہ اثر پڑا[۲۲]۔ بیان کیا جاتا ہے کہ زیوس یوروپا کو کریٹ لے گیا اور اُس کے بیٹے کا نام منوس ہے جس کے افسانوں میں بہت سی فنیقی خصوصیات کا پتا لگتا ہے۔ یوروپا کریٹ کو ایک بیل پر سوار ہو کر آئی اور ایک بیل ہی منوتور کا باپ تھا جس کا سر بیل کے سر کے مانند اور دھڑ انسان کا سا تھا جب اُس نے اتھنزیوں سے انسانی قربانیوں کی خواہش کی تو اُنھوں نے اُس کے سامنے سات قربانیاں چڑھائیں، اور سات کے عدد کو سامی اقوام متبرک خیال کرتی تھیں۔ کریٹ کے افسانوں میں بیل کے اس پے در پے ذکر سے فنیقی اثر صاف ظاہر ہوتا ہے ہمیں یہ فرض کر لینا پڑے گا کہ منوس کی عقل و دانش کی بنا جس کی تعریف سے یونانی افسانے بھرے پڑے ہیں، اس واقعے پر تھی کہ اس جزیرے میں ایک خاص قسم کا تمدن مروج تھا جسے بعض نئی ایجادوں اور پوجا کے طریقوں سے، جنھیں فنیقیوں سے اخذ کیا تھا، بہت مدد ملی۔ اس مخصوص تہذیب کا مشاہدہ اُن کے فنون لطیفہ سے ہوتا ہے جن کے قائم مقام کوہ ایدا کے داکتی لی اور دئے دالوس ہیں*۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یونانی فنون لطیفہ کا منبع ایشیائی تھا لیکن اس امر کا یقین بھی نہیں ہو سکتا کہ دئے دالوس میں کس قدر عنصر فنیقی یا عام ایشیائی ہے[۲۵]۔

---

[۲۲] کریٹ کے لیے ہوک: کریٹ (Hoeck: Creta) تین جلد، گیوٹنگن ۱۸۲۳ء تا ۱۸۲۹ء؛ زمانۂ مابعد کے سفرناموں میں سے پیشلے (Pashley) دو جلد، کیمبرج و لندن ۱۸۳۷ء؛ یا سپراٹ (Spraft) دو جلد لندن ۱۸۶۷ء؛ پیرو: جزیرۂ کریٹ (Perrot. L'ile de crete پیرس ۱۸۶۲ء

* داکتی لی ملک فروجیہ کے کوہ ایدا پر رہتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے ہی لوہے کو پگھلا کر مختلف اشیا بنانے کا فن اختراع کیا۔ دئے دالوس یونانی دیومالا میں پہلا شخص ہے جس نے فنون لطیفہ میں مہارت پیدا کی۔ [مترجم اردو]

[۲۵] ارض یونان میں فنیقیوں کے آباد ہونے کی تاریخ پر حال ہی میں ڈنکر نے اپنی کتاب "تاریخ قدیم" (Duncker: Geschichte des Alterthums ۲، ۴۱، ۴۲ میں بحث کی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس ضمن میں جو کچھ معلومات ہمیں حاصل ہیں وہ نہایت مبہم ہیں اور

زمانۂ حال کے اکثر مورخوں کی بہ نسبت متقدمین اس اثر کو جو فنیقی تمدن
کا یونان پر پڑا زیادہ سمجھتے تھے۔ ساحل کے بہت سے مقامات پر انھوں نے

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ ہے ہم سال تو سال صدیوں کا بھی تعین نہیں کر سکتے حال
ہی میں ایک مقبول عام نظریہ کے خلاف جس کے بموجب فنیقیوں نے یونان پر
ایک عظیم الشان اثر ڈالا تھا، ردّ عمل شروع ہوا ہے۔ یہ ردّ عمل حق بجانب ضرور
ہے لیکن بعض مرتبہ نفس مطلب سے ہٹ جاتا ہے۔ حقیقت واقعی یہ ہے کہ
مورخ صرف اس وجہ سے فنیقی استعار یونان کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ یونان کو
فنیقیہ کا مطلق مرہون منت نہیں بنانا چاہتے۔ اپنے نزدیک ہم نے اس بات کو
ثابت کر دیا ہے کہ اس عالمگیر اثر کی بنیاد جو فنیقیوں کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے
(اور ہمیں تعجب ہے کہ اس کا ابطال خود مخالفین سامیت بھی نہیں کرتے) محض خیالی
اور واہمے پر ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فنیقی استعار کا مسئلہ اس معیار پر پورا
اترتا ہے جو دیگر واقعات کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے تو پھر اس کی کیوں مخالفت
کی جاتی ہے؟ حقیقت امر یہ ہے کہ یونان میں فنیقی موجود ضرور تھے، لیکن ان کا اثر ناقابل لحاظ
تھا۔ نیز مقابلہ کرو ر، فون سکالا: "زمانۂ قدیم میں مشرق اور مغرب کے باہمی تعلقات"
R. von Scala. Ueber die wichtigsten Beziehungen des Orients
zum Occid. in Atlerthums دو الجلد ۱۸۸۶ء۔ فلنڈرز پٹری نے اپنی کھدائیوں اور
تحریروں سے یونان اور مصر کے ابتدائی تعلقات کے بارے میں ہماری معلومات میں بہت کچھ اضافہ کیا
ہے۔ مقابلہ کیا جائے ان کی کتاب "دو مصر میں دس سال کی کھدائی" Flinders Petrie:
Ten year's digging in Egypt لندن ۱۸۹۲ء جس کے آخر میں انھوں نے اپنی کارروائیوں کی ایک
فہرست دی ہے۔ اس کتاب کا نواں باب "زمانہ قدیم پر نئی روشنی" تاریخ قدیم کے لیے بہت سا
مواد فراہم کرتا ہے۔ مصنف نے اس میں اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یورپ کی تہذیب و تمدن
بالکل اسی طرح مصر و بابل کی تہذیب و تمدن سے ممتاز و مخصوص ہے جیسے ہندوستان
کی آریائی تہذیب۔ وہ اور "عصر النحاس کا تمدن" بالکل ایک ہی زمانے کا نام ہے بلکہ وہ اس
موخر الذکر کے گویا کل و ثمر ہیں اور یہ تمدن براعظم یورپ کے دار پار جزیرہ نمائے یونان سے

باب ۹ تجارتی کوٹھیاں بنائی تھیں، اور گو اُن سے یونانیوں نے بہت کچھ سیکھا، لیکن علاوہ حروف تہجی کے جو کچھ معلومات انھیں حاصل ہوئیں اُن کی وقعت کچھ زیادہ نہ تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بحیرۂ بالٹک تک برابر پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔" حقیقت یہ ہے کہ اسکا اثر قدیم مصر پر بھی پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ ان خیالات کی صحیح وقعت کا اندازہ کرتے اور اس کے اثرات کو کافی بدوانی سمجھنے کیلیے بہت کچھ دقت اور محنت درکار ہوگی۔

باب دہم

یونان کے اہم ترین افسانے

قدیم یونانیوں کی طرز زندگانی کا عکس اُن کے افسانوں میں نظر آتا ہے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے ہم صحیح تاریخی واقعات اخذ کر سکتے ہیں، بلکہ وہ اس لئیے کارآمد ہیں کہ ان کے بے میل حصول سے چند خاص حصے، ملک کی ذہنی حالت اور تہذیب و تمدن کا پتا چلتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ رطب و یابس کا امتیاز نہایت دشوار ہے؛ مثلاً تخیلات اور اقوام کے مشخصوں کو تو ابتدا ہی میں نظر انداز کر دینا چاہیئے اور انکے علاوہ بہت سے امور کے تفصیلی حالات بھی خود ساختہ واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ ہماری رائے میں جن لوگوں کا افسانوں میں ذکر آتا ہے اُن میں سے صرف اُنھیں میں قدامت کا پہلو نکلتا ہے جن کے کارناموں یا مشکلات میں کوئی غیر معمولی قابل لحاظ بات ہو۔ یہیں سے وہ عنصر ہمارے سامنے آتا ہے جو تاریخ یونان کے اس سرے سے اُس سرے تک متواتر نمایاں ہے جس سے اس کی سحر آفریں خوبیاں اُسے دیگر ممالک سے ممتاز کر دیتی ہیں اور اس قوم کی عظمت و وقار کا سکہ دل پر بیٹھ جاتا ہے؛ یہ عنصر فردیت کا امتیاز ہے۔ ابتدا میں افراد محض افسانہ جات عامہ کی جدت طرازیوں میں سے ہیں اور زمانۂ مابعد تک ان میں تاریخی عنصر پیدا نہیں کیا جاتا۔ یونانیوں کی اس تشخص آفریں قابلیت کا مظاہرہ فنون لطیفہ میں تو سنگ تراشی کے میدان میں اور ادبیات میں ناٹک کے تماشا گاہ پر نظر آتا ہے اور ان میں سے ناٹک کے دو ہیوں نے قدیم سورماؤں کے تشخص کی تکمیل میں بہت کچھ مدد دی ہے تو

باب ۶

یونان کی افسانہ آمیز تاریخ میں تین حصے یونان کے یعنی آرگوس، بوتیہ اور تھسلی کی عظمت اوروں سے زیادہ ہے۔ آرگوس میں یو کے آنے تک کوئی بات قابل تذکرہ نہیں ہوتی؛ خود یو میں بھی کوئی مخصوص آرگوسی خصائص نہیں پائی جاتیں اور بہ نسبت خالص افسانوں کے اُس کی وقعت مذہبی تاریخ میں بہت زائد ہے۔ اُسے ایک دیبی بتایا جاتا ہے، اور گو ہم جانتے ہیں کہ اس مفروضے کی بہت کچھ مخالفت کی گئی ہے تاہم ممکن ہے کہ اس سے مصر اور آرگوس کے باہمی تعلق کا پتا چلتا ہو۔ اُس کا ایک بیٹا ائی گیپتوس اور دوسرا داناؤس ہے اور موخر الذکر کے (پچاس) بیٹوں یعنی داناؤسیوں سے مقامی افسانوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ آرگوس کی زمین مسام دار ہے اس لیے اس میں بار بار پانی دینا پڑتا ہے اور یہ ایک امر مسلمہ سمجھنا چاہیئے کہ داناؤسیوں کے قصے سے مقامی افسانوں کی ابتدا ہوتی ہے*۔ مصری لِنکیوس داناؤسی ہی پرم نسترا سے شادی کرتا ہے اور اُن کے پوتوں میں یعنی اکرسی زیوس اور پروئے توس کے ذریعے سے آرگوس کے شاہی خاندان کی ابتدا ہوتی ہے۔ اب ہم ان سورماؤں کا حال پڑھتے ہیں جن کا رتبہ سورج کے اوتار ہونے کی وجہ سے دیوتاؤں کے برابر سمجھا جاتا تھا لیکن جو انسانوں کی شکل میں خدائے برتر کی مدد سے نہایت ادق اور مشکل کام انجام دیتے ہیں اور طرح طرح کی مشکلات اور اذیتیں اُٹھانے کے بعد دیووں اور ڈاکوؤں کا کام تمام کرکے بنی نوع انسان کی خدمت کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں سب سے پہلے بیلے روفون کا نام آتا ہے، جس کا پروئے توس تعاقب کرتا ہے اور جو پر دار گھوڑے پیگاسوس کی مدد سے خیمائے را کو مار ڈالتا ہے؛ پرسیوس بھی اسی طبقے کا ایک فرد ہے جس کی ماں دانائے کو ایک صندوق میں بند کرکے سمندر میں پھینک دیا تھا اور جسے بالآخر گورگون

* داناؤسیوں کو اپنے اعمال کی یہ سزا دی گئی تھی کہ وہ ہمیشہ ایک چلنی میں پانی ڈالا کریں (مترجم اردو)

اور دیگر عفریتوں سے جنگ آزمائی کرنی پڑی؛ آخر میں خود ہرقل بھی اسی زمرے میں ہے جسے مجبوراً یورسٹھیوس کی خدمت بجالانی پڑی اور ساتھ ہی بنی نوع انسان کے مفاد کی خاطر محنت و مشقت کرنے سے جس نے کبھی گریز نہیں کیا۔ اسمیں ایک ایسے بہادر سورما کی خصائص موجود ہیں جسے اپنی محنت و مشقت کا معاوضہ علاوہ ناسپاسی اور ناشکری کے کبھی کچھ نہ ملا ہو، اور اس کے ساتھ ہی اس میں اپنی اصل یعنی فینیقی دیوتا کے عادات و اطوار بھی پائے جاتے ہیں۔ ان میں بیلے روفون کا ارض یونان میں کورنتھ سے اور ہرقل کا تھبز سے تعلق ہے اور موخرالذکر کا آرگولس سے اس وقت تعلق پیدا ہو جاتا ہے جب دوریائی اپنے قبضۂ آرگولس کو حق بجانب ثابت کرنے کی فکر میں تھے۔ اس کے برعکس پُروئے توس اکری زیوس اور اُس کے جانشینوں کے عہد حکومت اس لیے ضروری ہیں کہ افسانہ ہائے یونان میں انھیں تاریخ فن تعمیر میں ایک خاص رتبہ دیا گیا ہے پروئے توس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ لسیہ کے کیکلوپس کی مدد سے اس نے ترینز کی شہر پناہ تعمیر کی، اور اس کے دور کے بعد ہی جس کی اب ابتدا ہوتی ہے اُس میں بجائے پروئے توس کے جانشینوں کے اکری سیوس کے وارث (یعنی پرسیوس کے خاندان کے افراد) ترینز پر حکومت کرتے ہیں۔ اس قصے کی تاویل کی جاتی ہے کہ گو پرسیوس ہی تخت آرگوس کا مستحق تھا لیکن اُسے اپنے دادا کو قتل کرنے کے بعد اُس کی راج دھانی پر قبضہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، اس لیے وہ محض ترینز پر قناعت کرتا ہے اور اپنی آبائی سلطنت پروئے تیوس کے وارثوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس فرضی "مبادلے" کی یہ توجیہ فی الغوی معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خود اکری زیوس کا نام محض ضرورۃً داخل فسانہ کر دیا گیا ہے؛ بات یہ تھی کہ ایک طرف تو ترینز کی فصیل بنانے کا سہرا پروئے توس کے سر رکھا گیا تھا، لیکن زمانۂ مابعد میں پرسیوس (جس سے اور پروئے توس سے کوئی خاندانی واسطہ نہ تھا) وہاں حکومت کرتا تھا، اور اکری زیوس اور "مبادلے" کا قصہ صرف اس لیے گھڑا گیا کہ ان تمام کہانیوں کو ایک دوسرے میں منسلک کرنے میں آسانی ہو۔ پرسیوس کے ساتھ ہی ہم ایک قدم آگے بڑھتے ہیں؛ وہی

باب ۱

میکلے نائی کی شہر پناہ بھی تعمیر کرتا ہے اور جب ترنز اور میکلے نائی کی ظاہری شکل سے معلوم ہوتا ہے کہ موخر الذکر شہر کی فصیل ترنز کی فصیل سے جدید ہے تو اسی کے مطابق اسی طرح افسانے میں بھی اسی تقدیم و تاخیر کا سلسلہ قائم کر دیا جاتا ہے۔ شہر پناہ کے بن جانے کے بعد میکلے نائی آرگوس کا اہم ترین مقام بن جاتا ہے اور پرسیوس کا خاندان یہاں بھی راج کرتا ہے۔ چند معمولی حالات کے بعد امفتریون، الکمینے اور یوریس تھیوس کا نام آتا ہے اور ان کے بعد ہم قدیم سورماؤں میں سب سے ممتاز شخص یعنی ہرقل سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس مختصر خاکے میں اس کی مختلف جاں بازیوں کا بیان نہیں کیا جا سکتا جن سے طبقۂ یونان کی کوئی طرف و جانب نہیں چھوٹی، لیکن اس کا آرگوس سے تعلق ظاہر کرنا ضروری ہے۔ یہاں پرسیوس کی اولاد کا بہت جلد خاتمہ ہو جاتا ہے اور ان کی جگہ اس ملک کے مالک پیلوپی بن بیٹھتے ہیں۔ ان کا نسبی تعلق پرسیوسون سے قائم کیا گیا ہے اور ایک راجد ھانی پر دوسرے خاندان کے قابض ہونے کی توجیہ کی گئی ہے لیکن یہ سب باتیں اصل واقعات کی حقیقت کا کوئی قطعی ثبوت نہیں۔ یہ ضروری سمجھا گیا کہ کسی نہ کسی طرح اس واقعے کی توجیہ کی جائے کہ آگے میم نون (جو پرسیوس کی اولاد سے نہ تھا بلکہ جس کا خاندان غالباً ایشیائے کوچک سے آیا ہوگا) کیونکر میکلے نائی میں ذی اقتدار ہو گیا، اور اس خاص مقصد کے لیے بہت سے پیچ در پیچ قصے اختراع کیے گئے۔ ہم اس کا قطعی یقین نہیں کر سکتے کہ اترئیوسیون کی ابتدائی تاریخ کا کس قدر جزو قدیم افسانوں پر مبنی ہے اور کتنا زمانۂ مابعد کی تزئین ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بھیانک جرائم جو اتریوس اور تھی اس تیس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں بالکل خود ساختہ ہوں لیکن یہ واقعہ کہ اتریوس کا باپ پیلوپس ایشیائے کوچک سے آیا تھا بلاشبہہ قدیم روایت کے بموجب ہے۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یونان کے جنوبی جزیرہ نما کا کس نے اور کس زمانے میں "جزیرۂ پیلوپس" نام رکھا[1]۔ ظاہر ہے کہ یہ نام دوریانیوں کے

[1] حال میں ایک نہایت نادر نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ لفظ پیلوپونیز کا تعلق ایک قوم پیلوپیس

باب ۵

کار رکھا ہوا نہیں ہے اس لیے کہ یہ قوم پیلوپسیوں کی مخالف تھی اور اسی نے انھیں جزیرہ نما سے نکال باہر کیا۔ اس نام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام جزیرہ نما پیلوپسیوں کی ملک تھا، لیکن کسی افسانے سے اس بڑے واقعے کا پتا نہیں چلتا؛ اس لیے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر پیلوپس کی حکومت اطراف ملک میں نہیں پھیلی تھی تو اُس نے کسی نہ کسی طریقے سے ہر چہار طرف اپنا اثر قائم کر لیا ہوگا اور متقدمین نے شاید یہ قیاس کر کے کہ اس نے کوئی نہ کوئی مفید ایجاد کی اور اُسے ملک میں رائج کیا ملک کا نام اُس کے نام پر رکھ دیا ہوگا۔ آج ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ جس قوم کا وہ قائم مقام ہے اُس نے ایشیا سے ہلکی رتھیں لاکر یونان میں رائج کیں؛ اس لیے کہ جو قبریں میکے نائی میں برآمد ہوئی ہیں ان پر رتھوں اور رتھ بانوں کی شکلیں کندہ ہیں؛ نیز افسانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیلوپس نے ایک رتھ دوڑ میں پیزا کے شاہ ادئے نوماؤس کو شکست دی، اس لیے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ لشیبی الفیوس کے ضلع میں (جس میں پیزا ہے) کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہوگا جس سے پیلوپس کی قوت میں معتدبہ اضافہ ہو گیا ہو۔[1]

لیکن پیلوپسیوں کا میکے نائی سے نہایت گہرا تعلق ہے اور انھی کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ سے ہے جو دراصل پیلاسگیوں کا ہی دوسرا نام ہے۔ (شیومان: یونان قدیم، ا (۳)، صفحہ ۲۲ (Schoemonn: Gr. Alt. لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے قبائلی نام کی یاد بالکل محو ہو گئی ہو؟ لفظ پیلوپونیز سب سے پہلے ہومری حمد فیثوسی اپولو میں نظر آتا ہے (سطر ۲۵۰ وغیرہ)، اور اگر ہم اس واقعے کو یاد رکھیں کہ فیثوس جو تھیسیوس کا دادا اور تروا اسے زن کی طرح تروا ئے زینے کا بادشاہ تھا، پیلوپس کا بیٹا تھا اور ساتھ ہی پوسئیڈون اور پیلوپس کے باہمی تعلقات و نیز فیثوس، ائے گیوس اور تھسیوس اور اسو پوس ولد پوسئیڈون کے تعلقات پر غور کریں تو ہم بہت آسانی سے یہ قیاس کر سکیں گے کہ پیلوپس دراصل ایونیائی قوم کے محض و شخی قائم مقام کا نام ہے۔ اس ضمن میں کرتیوس اور میری ایک رائے ہے وہ یہ کہ ایونیائی ایشیائے کوچک سے آئے تھے۔

باب ۱ زمانے میں آرگوس میں (جس کے مخصوص محل وقوع کی وجہ سے اُس کے اور میکے نائی کے درمیان رقابت پیدا ہوگئی تھی) ایک اور شاہی خاندان کی راجدھانی تھی۔ تھیبز اور آرگوس کی باہمی جنگ کے دوران میں موخرالذکر کا بادشاہ ادراسطوس تھا، اور جب میکے نائی اور قرب وجوار کے اضلاع وجزائر پر اسگیمیمنون کا حکم چلتا تھا تو آرگوس پر دیومیدیس ولد تی دیوس کا راج تھا۔ نوپلیا آرگوس ہی کا ایک شہر ہے اور کسی زمانے میں یہ بہت بڑا مقام ہوگا، لیکن یہ نہیں معلوم کہ آخر اس کی ابتدا کب پڑی؛ افسانوں میں اسکا بہت ہی کم تذکرہ ہے لیکن پالامیدیس* یقیناً یہیں کا باشندہ ہے۔ شاید یہ ابتدائی زمانے میں دریو پیوں کا شہر ہوگا، اور اس نادر خصوصیات سے جو پالامیدیس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی عہد میں فینیقی ضرور آباد ہوں گے۔ آرگوس کا ایک شاندار حصہ مشرق کے وہ پہاڑ ہیں جو اکتے کے نام سے مشہور ہیں اور جس کے قریب ہی جزیرہ کالوریا واقع ہے۔ یہاں کا حکمراں پوسئیدون تھا اور قریب کے ضلع اپی دوروس میں اسقلے پیوس دیوتا کا راج تھا۔ آرگوسی اکتے کے مقابل ٹیس اٹیکا کا جزیرہ نما ہے، اور دونوں کا موقع ومحل کچھ اس قسم کا ہے کہ گویا قدرت کا منشا ہی یہ تھا کہ ان دونوں میں باہمی تعلقات ہوں۔ افسانوں میں اتھنز اور تروئے زینے کے باہمی تعلقات کا تذکرہ پڑھنے میں آتا ہے، پوسئیدون اور تھے سیوس کا باہمی تعلق ہے۔ خلیج سارون ایک دریائی جھیل ہے، اور کالوریا کے بحری اتحاد کا دائرہ اس سے بھی وسیع ہے۔ لیکن اس گہرے تعلقات میں جو خلیج سارون کے چوطرفہ بلدیات کے درمیان تھے اس واقعے سے کمی ہوگئی کہ اس کی پشت پر وہ خاکنائے حائل تھی جو ایک بہت بڑی شاہراہ کا کام دیتی تھی اور اس خلیج میں ہوکر صرف وہی جہاز گزرتے تھے جو خاکنائے

* پالامیدیس کی طرف روشنی کے مناروں، پانسے، اور بعض حروف کا انکشاف منسوب کیا جاتا ہے۔

باب ا

جانا چاہتے تھے؛ اس وجہ سے دونوں جزیرہ نماؤں کے درمیان تجارت میں کمی ہو گئی۔ بایں ہمہ جنگ ایران کے زمانے میں ترواسے زینے برابر ایتھنز ہی کا ساتھ دیتا رہا؛

پیلوپونیزی ممالک کے بعد یونان کی افسانہ آمیز روایات میں بیوتیہ کی بہت کچھ وقعت ہے۔ اس نشیبی سرزمین میں دو بالکل آزاد مستقر یعنی تھیبز اور اورخومینوس نظر آتے ہیں، اور اس کا اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے کہ آخر یہ دونوں مقامات جو ایک دوسرے سے اسقدر قریب واقع تھے کس طرح دوش بدوش ترقی کر سکے۔ ان دونوں میں تقریباً اسی قسم کا باہمی تعلق ہے جو میکینائی اور آرگوس میں پایا جاتا ہے اور اور انھیں کی طرح ایک دوسرے کا رقیب بھی ہے؛ دونوں کی وقعت اولین عہد میں بہت زیادہ ہے، اور دونوں کی قدیم طرز تعمیر کی وجہ سے ہمیں خاص دلچسپی ہے اس لیے کہ اس سے ان کے متمول کا پتا چلتا ہے۔ لیکن اورخومینوس اور میکینائی میں یہ فرق ہے کہ جہاں موخرالذکر کے حالات سے یونانی افسانے بھرے پڑے ہیں وہاں اورخومینوس کے متعلق ہمیں بہت ہی کم معلومات حاصل ہیں۔ اس شہر کے متمول حکمرانوں میں سب سے دولتمند اور ممتاز میناس اور اورخومینوس کا نام ہے جن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض فرضی مورثوں کے نام ہیں اور روایات سے ان کے حالات روشن نہیں ہو سکتے۔ جن افسانوں کی قدامت کا ہمیں علم ہے ان میں ایسی طرز عبادت کا تذکرہ ہے جس سے اورخومینوس کی تاریخی حیثیت سے بظاہر کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں کے لوگ زیوس لافیس تیوس (جس کا تذکرہ تھسلی کے بیان کے ضمن میں کیا جائیگا) اور ترفونیوس کی پوجا کرتے تھے اور اس کا ایک بت کدہ لبادیا میں موجود تھا؛ خود اورخومینوس خارتیس، تھالو اور اوکسو کا (جو نشو و نما و حسن کی پریاں تھیں) وطن ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس شہر کے اقتدار کا بالآخر تھیبز نے غالباً ہرقل کی سرکردگی میں خاتمہ کر دیا۔ یہ امر یقینی ہے کہ اورخومینوس کی شان

باب ۵

اس کی زراعت کی وجہ سے بڑھی، اور ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ جب کوپائی جھیل کے پانی کے بڑھنے سے آراضی کی پیداوار میں کمی واقع ہو گئی تو اسی وجہ سے اورخومینوس کے تمول میں زوال آ گیا ہو گا۔ اس جھیل کے پانی کے قدرتی نکاس موجود ہیں اور اس بعید زمانے میں بھی اس کی کوشش کی گئی کہ ان نکاسوں پر قابو حاصل ہو جائے اور یہ کھلے رہیں؛ اس کے علاوہ ایسے آثار ملے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنوعی گھول یا بڑے بنانے کی بھی کوشش کی گئی تھی لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں اس شہر کا نام کالوریا ئی اتحاد کے اراکین کی فہرست میں نظر آتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے باشندوں کو فن ملاحی میں بھی کافی دستگاہ ہو گی ہم اس سے قبل ان گہرے تعلقات کا تذکرہ کر چکے ہیں جو اورخومینوس اور جنوبی تھسلی کے مابین تھے، اور جب ہم اس پر غور کرتے ہیں کہ ان دونوں مقامات کے درمیان آبنائے یوریپوس ہو کر کچھ زیادہ بُعد نہیں ہے تو ہمیں ان تعلقات کا حال معلوم کر کے زیادہ تعجب نہیں ہوتا۔ اورخومینوس کے مغرب میں فوکسی کی سرحد سے ملا ہوا اپنوپیوس واقع ہے جو فلیگی قوم کا مسکن تھا؛ یہ اور منیائی ایک جدی تھے اور دلیفی والوں کے برعکس یہ بیدینی کی وجہ سے بدنام تھے۔ بیوتیہ کے جنوب و مغرب میں کوہ ہیلی کون ہے جس میں گھنے جنگل اور شیریں پانی کے چشمے افراط سے پائے جاتے ہیں؛ یہی یونانی میوزوں کا مسکن تھا جو فی الحقیقت ان ہی چشموں کی دیبیاں تھیں جن کی پوجا تھسپیس سے بیوتیہ تک ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ بیوتیہ کا جنوب و مشرقی حصہ تھبز کے زیر اقتدار آ جاتا ہے، اور اس کے لیے یہاں کے اصلی باشندے (یعنی کادموس کی اولاد) بیرونی حملہ آوروں (یعنی اسپارٹی کی اولاد) سے جو اژدہے کے دانتوں سے نکلے تھے جنگ آزما ہوتے ہیں۔ بیوتیہ کے مذہبی عنصر کے قائم مقام زیتھوس اور امفیون ہیں جو تھسپیری دیوسکوری کے مماثل ہیں اور باکھوس کی ماں سیمیلے کادموس کی بیٹی ہے۔ زمانۂ دراز تک بیوتیہ میں شراب کی پوجا ہوتی رہی اور یونانیوں کا قول تھا کہ

باکھوس (یعنی شراب کا دیوتا) شمال سے تھریس ہو کر یونان آیا۔ یہاں مشہور آفاق ایدی پوس کا قصہ دُہرانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، صرف یہ ظاہر کرنا کافی ہے کہ اس قصے میں ابوالہول کا جو بار بار ذکر آتا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس افسانے میں بھی مشرقی خیالات مخلوط تھے۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ سات شخصوں کی تھبز کے خلاف جنگ حقیقت پر مبنی ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ جنگ تھبز اور ادر استوس کے وطن سکیون کے درمیان ہوئی ہوگی۔ خلیج کورنتھ کے دونوں کناروں پر جو شہر آباد تھے ان میں باہمی تعلقات کا ہونا بالکل قدرتی امر ہے اور جو کچھ ہم نے خلیج سارونی کے بارے میں کہا ہے وہ یہاں بھی صادق آتا ہے۔ جزیرہ نمائے پیلوپونیز کی دریائی تسخیر سے پہلے سمندر کی بطور ایک شاہراہ اور زنجیر تسلسل کے بہت بڑی اہمیت تھی، اور دریائی دیوتا اسوپوس سے خلیج کورنتھ کے بلادیات نیز آلی گینا اور سالامس کے باہمی تعلقات کا پتا چلتا ہے اور قدیم نسب ناموں میں اس نے ایک نہایت نمایاں حیثیت پائی ہے جو آخے لوروس کی اس اہمیت کے مماثل ہے جو اسے طرز عبادت میں حاصل ہے۔

تیسرا ملک جس کے تذکرے سے افسانے بھرے پڑے ہیں تھسلی ہے۔ یہاں کے سورماؤں کا جد اعلیٰ ایولوس اور سب سے بڑا معبود پوسیڈون ہے۔ ہم نسب ناموں کو چھوڑ کر ان کے خاص خاص افراد کی شخصیت پر غور کریں گے۔ سب سے پہلے تو ادمیتوس شاہ فیرا کا نام آتا ہے جس کی خدمت خود اپولو نے چرواہے کا بھیس بدل کر کی اور جس کے لیے اس کی بیوی الکیس تس نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ اس کے بعد پے لیاس شاہ یولکوس کو لیجئے جس کی اور یاسون کی باہمی منافرت کی وجہ سے ہی جہاز آرگو کی مہم سر ہوئی۔ ہم دیوؤں پریوں کے قصے کہانیوں میں دیکھتے ہیں کہ جب کسی کو دوسرے کا استیصال منظور ہوتا ہے اور اس کے قتل میں وہ اپنے ہاتھ ملوث کرنا پسند نہیں کرتا تو اسے ایسے کام کرنے کا حکم دیا جاتا ہے جس سے اس کی زندگی معرض خطر میں پڑ جائے؛ اور بجنسہٖ یہی پے لیاس کرتا ہے۔

باب ۵

"سنہری اون" کے قصے کے بعد گویا پریوں کی کہانی ہمیں سنائی جاتی ہے اور ہمیں یاد کرایا جاتا ہے کہ پے لیاس کی لڑکیوں نے مدیا نامی ساحرہ کے کہنے سے اپنے باپ کو از سر نو جوان کرنے کے لیے زندہ اُبال دیا حقیقت امر یہ ہے کہ یہ اس پرانے قصے کی گویا ایک نئی شکل ہے جس کے بموجب غسل دینے کے بعد عہد شباب دوبارہ نمودار ہو جاتا ہے۔ تیسرا قصہ اتھاماس کا ہے جو شہر ہالوس کا مالک تھا اور جس کا مکان اورخومینوس واقع بیوتیہ میں بھی تھا۔ وہ اپنی بیوی نیفے لے کو طلاق دے کر اینو کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے اور یہ نئی بیوی اپنی سوتیلی اولاد فرکسوس اور ہیلا کے ساتھ بُرا سلوک کرتی ہے۔ عین اُس وقت جب قریب ہے کہ فرکسوس قربانی کے گھاٹ اُتارا جائے، نیفے لے اُسے بچا لیتی ہے اور بھائی بہن طلائی بھیڑے پر سوار ہو کر کولکس چل دیتے ہیں؛ لیکن ہیلا راستے میں ڈوب کر مر جاتی ہے اور اُسی کے نام پر یورپ اور ایشیا کے درمیانی آبنائے کا نام ہیلس پونٹ پڑ جاتا ہے۔ اتھاماس کو اپنے کردار کی سزا بہت جلد مل جاتی ہے۔ وہ فاتر العقل ہو کر اینو کا تعاقب کرتا ہے جو سمندر میں کود پڑتی ہے اور فوراً ہی لیوکوتھیا دیبی کا جنم لے لیتی ہے؛ اسی طرح اس کا بیٹا میلی کرتس بھی حیات ابدی حاصل کر کے کورنتھیوں کا معبود پالے موں بن جاتا ہے؛ اور گو ہالوس میں اتھاماس کی پوجا ہونے لگتی ہے لیکن اُس کی جو اولاد وہاں آباد ہوتی ہے ان کی گردن میں ہمیشہ کیلیے لعنت کا طوق پڑ جاتا ہے یعنی یہ قاعدہ مقرر کر دیا جاتا ہے کہ وہ پری تانیوم میں داخل ہوں تو انھیں فوراً ازیوس لافیس تھیوس کی قربان گاہ پر چڑھا دیا جائے۔ بیوتی روایات کے موجب فرکسوس کورونیہ کے قریب کوہ لافیس تھیوس پر قربانی چڑھایا گیا۔ ہالوس اور کورونیہ کے درمیان ایک اور تعلق اس واقعے سے پیدا ہوتا ہے کہ اتھینے اِتونیہ کی پوجا اتالوس کے قریب اِتون اور کورونیہ دونوں مقامات پر رہتی تھی۔ اسی طرح قنطوروں اور لاپی تھیون کے افسانے بھی تھسلی سے ہی متعلق ہیں؛

یہ دیو ہیں جو پہاڑی جنگلوں میں رہتے ہیں؛ اور انھیں میں سے ایک دیو یعنی خیرون قرب وجوار سے جنگلی مفردات کی ماہیت سیکھ کر ایک نہایت قابل طبیب بن جاتا ہے؛ قنطوروں کا مسکن نشیبی پے نیوس کے کنارے پر گیرتون اور ایلاتیہ کے قرب وجوار میں تھا۔ ان روایات کے علاوہ پے لیون، اوسا، اور اولمپوس جن کا تذکرہ بارہا افسانوں میں پڑھنے میں آتا ہے، سب کے سب تھسلی میں ہی واقع ہیں۔ پے نیوس کے کنارے پر رہنے والے کوہ اولمپوس کی چوٹی کو (جس پر ابر ہمیشہ سایہ کئے رہتا تھا) اپنے معبودوں کا مسکن سمجھتے تھے اسی طرح اکی لیس کا افسانہ بھی تھسلی کا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس کا باپ پے لیوس ایاکوس کا بیٹا اور تیلاموں کا بھائی مشہور تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکی لیس آئی گینا سے آیا ہوگا، لیکن فی الحقیقت اُس سے آئی گینا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اور اس ظاہری تعلق سے صرف یہ پتا چلتا ہے کہ نسب نگار نہایت بے پروائی سے نسب نامے مرتب کرتے تھے۔ پے لیوس اور پے لیاس دونوں ناموں سے کوہ پے لیون اور تھسلی کے قریب کا پتا چلتا ہے اور جب اکی لیس اور ایاکس میں رشتہ پیدا کیا گیا تو یہ بتانا ضروری معلوم ہوا کہ پے لیوس آئی گینا سے تھسلی آیا تھا۔ اگر ایک سورما کے ایک مقام سے (جس سے اُس کا کوئی تعلق نہ سمجھا جائے) ایک دوسرے مقام کو (جہاں کا اسے باشندہ بتایا جائے) آنے کی ضرورت پیش آتی تو اُس کے جانے کا بہترین عذر جلاوطنی ہو سکتا تھا[1] اس لیے اب ضروری تھا کہ پے لیوس کے سر اپنے بھائی فوکوس کے

---

[1] وی کلائن نے اپنے مضمون "تاریخ نقاشی یونان کے بعض مسائل" (روئداد آثاریات آسٹریا ہنگری جلد ۱۱، وائنا ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۰۶) W Klein: Studien Zur griechischen Malergeschichte, I. Archaeolepigraph. Mittheil. aus Oesterreich Ungarn Wien میں یہ دکھایا گیا ہے جلاوطنی کا یہ طریقہ نقاشی کی تاریخ میں بھی ایک اہم عنصر بن گیا۔ اس واقعے کی توجیہ کہ نقاش چار دانگ عالم میں کیسے پھیل گئے اور فنون لطیفہ کی توسیع کس طرح ہوئی، افسانوں سے ہوتی ہے۔ مثلاً دیوئے نوس اور

باب۵

قتل کا الزام تھوپ کر اُسے جلا وطن کرا دیا جائے۔ پے لیوس ایک عورت کیساتھ جو میرمیدون کی اولاد سے تھی، نکاح کر کے فیتوتس کے ایک حصے کا بادشاہ بن جاتا ہے اور تھے تس کے بطن سے اُس کا ایک بیٹا اکی لیس پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ تھسلی کے ان حصوں کا جو وسطی یونان اور سمندر کے قرب میں واقع ہیں، افسانوں میں نہایت نمایاں ذکر ہے، اور چونکہ لاپی تھے سرحد کے قریب رہتے تھے اس لیے اُنھیں نیم وحشی بنا دیا گیا ہے[۹۳]۔ دیگر یونانی اضلاع میں تھیبز، آرگوس اور تھسلی کی طرح افسانوں کی کثرت نہیں پائی جاتی۔ زمانہ مابعد میں شہر کورنتھ میں جو تجارت کی منڈی تھی، سسی فوس کو عیاری اور فریب مجسم کا جامہ پہنایا اور اُسے مکار اودے سیوس کا جد اعلےٰ بنایا۔ مے دیا کی زندگی کے آخری ایام بھی کورنتھ ہی میں بسر ہوئے اور بیلے رو فون بھی اسی شہر میں پیدا ہوا، جس کی وجہ سے کورنتھیوں نے اپنے سکوں پر پیگا سوس کی شبیہ کندہ کی۔ ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ اتھاماس کا خاتمہ کورنتھ ہی میں ہوتا ہے۔ کورنتھی اراضی کا رقبہ اس قدر مختصر ہونے کے باوجود اُس کے افسانوں کا ممالک غیر سے اتنا تعلق اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک تجارتی منڈی تھی اور ہر چہار طرف سے اُس میں سوداگر اور تجار آتے جاتے تھے۔

اٹیکا کے افسانوں میں بہت سے امور کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ جب ایتھنز مشہور آفاق ہوا تو وہاں کے شاعروں اور نثاروں نے مقامی افسانوں کی تزئین اور مبالغہ آمیزی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی اور اُن کے زمانے میں انسانی ہمدردی اور شائستگی جو ایتھنزیوں کا گویا حصہ ہو گئی تھی اسے عہد قدیم کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ سکی لس سکیون سے، یوخائروس، یوگراموس، دیوپوس، اور ایکفانتوس کیپسلوس سے اٹلی بھاگ گئے اور وہیں اپنے فن کی مشق جاری رکھی۔

۹۳ تھسلی کے افسانوں کے لیے پ، مونسو کا مضمون "تھسلی کے افسانے اور تاریخ" "جریدہ مطالعات یونان"، جلد ا، صفحہ ۲۲۹ میں دیکھنا چاہیے (P. Monceaux.

Lalegende et l' histoire en Thessalie

(Rovue des etudes grecrues)

افسانوں میں شامل کر دیا گیا[۵] شاعرانہ اعتبار سے ضرور ان افسانوں میں بہت سا بیکار آمد مواد موجود ہو، لیکن ان سے اٹیکا کی ابتدائی تاریخ یا اُسکے قدیم تمدن کا بہت کم پتا چلتا ہے۔

ابتدائی عہد میں اٹیکا کے دو سیاسی مرکز تھے، ایک ایتھنز اور دوسرا الیوسس۔ ان میں سے الیوسس سے تو دیمتر کے افسانے کو تعلق ہے لیکن ایتھنز میں تھیسیوس کی آمد تک صرف ایرک تیوس، کیکروپس (جس کے پیر سانپ کے سے تھے)، اور پاندیون کی بیٹیوں یعنی پروکنے اور فیلو میلا کے قصوں ہی کی کچھ وقعت ہے۔ یونانی افسانوں میں تھیسیوس کو ایک خاص وقعت حاصل ہے، لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ اس کا ایک بہت بڑا حصہ زمانہ مابعد کی ترتیب و تنظیم کا نتیجہ ہے تاکہ ایکطرف تو ایتھنز کی شان بڑھائی جائے اور دوسرے ہرقل کی محیر العقول جانبازیوں کی مماثلت پیدا ہو جائے۔ اس کی پیدائش کا قصہ اس قدر عجیب و غریب ہے کہ بہ نسبت اٹیکا کے شاہی خاندان کے ایک رکن کے اس میں دیوتا کی سی شان پائی جاتی ہے۔ اس کا باپ ائی گیوس ہے جو دراصل پوسئیدون کا گویا جواب ہے۔ اسکی سوانح عمری میں سب سے زیادہ قابل غور امیزنولن کی جنگ ہے جو لڑتے لڑتے برابر اٹیکا تک پہنچ گئیں جہاں اس نے انھیں آخرکار شکست دے دی؛ اگر اس قصے میں ذرہ برابر حقیقت مضمر ہے تو اس کے صرف یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ یوجا کے بعض مشرقی طریقے اٹیکا تک پہنچ گئے لیکن وہاں زیادہ دن قائم نہ رہ سکے۔ اسی طرح تھیسیوس اور کریٹ کے باہمی تعلقات دیدالوس کے افسانے سے سمجھ میں آسکتے ہیں جس نے اٹیکا سے آکر کریٹ میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ دور اولین میں ایتھنز نے کوئی فنی امتیاز پیدا نہیں کیا تو ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس کے بہی خواہ اس ضمن میں بھی اُس کی تاریخ رنگنے کے مشتاق تھے

---

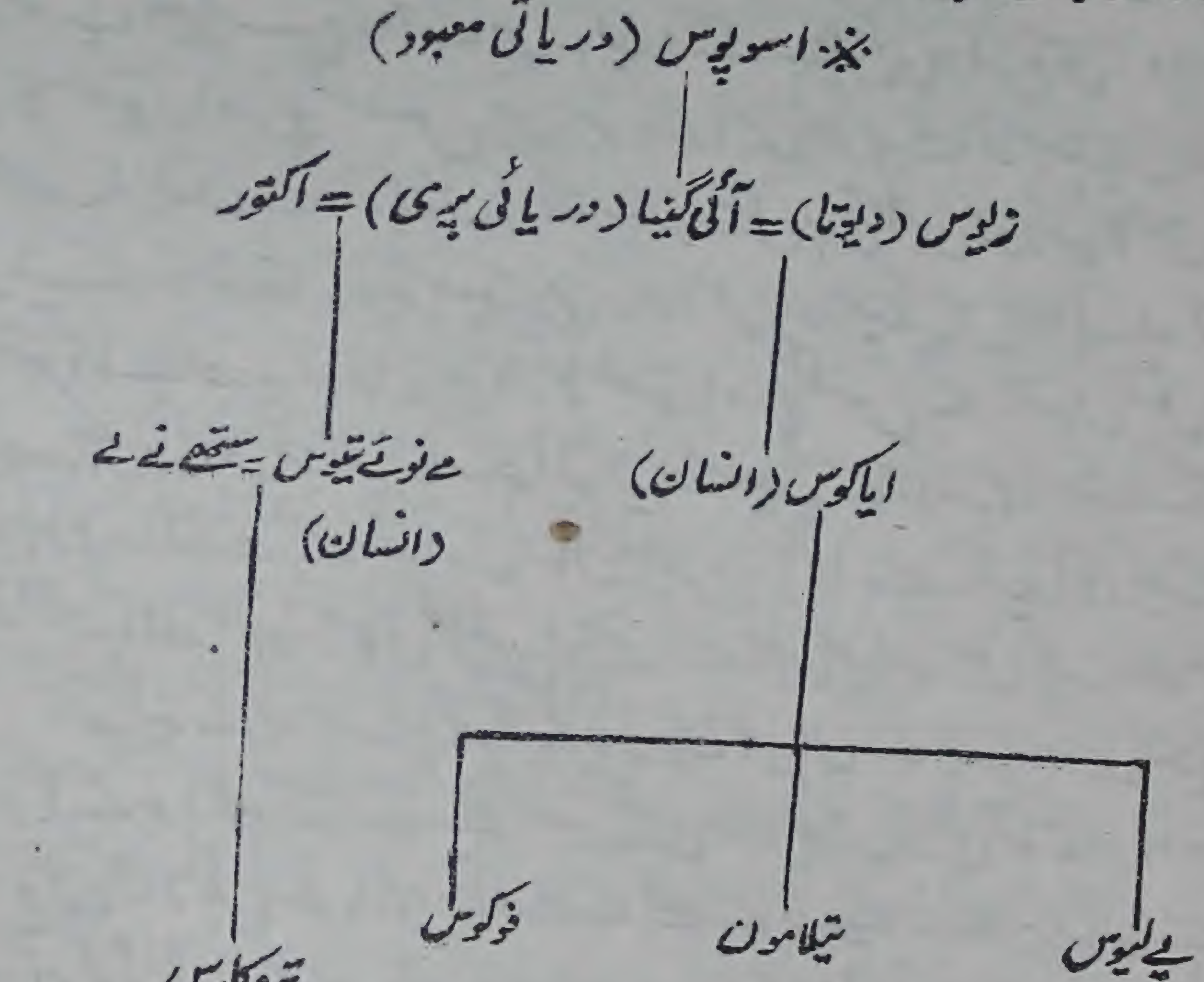
[۵] ایتھنزیوں کی انسانی ہمدردی کا پتا ایدی پوس کی موت سے جو اورس تیس کے کفارے کے لیے پیش آئی، اور تھیسیوس کے تھیبزیوں کو اپنی لاشیں جلانے پر مجبور کرنے سے لگتا ہے۔

اور اس مقصد کے حصول کی غرض سے اُنھوں نے افسانے کو توڑ مروڑ دینے میں مطلق پس و پیش نہیں کیا۔ دور رزمیہ کے اختتام پر تھیسیوس کی اولاد کی بجائے منے لیوس کی اولاد تخت پر جلوہ افروز نظر آتی ہے، لیکن یہ مطلق نہیں کہا جا سکتا کہ اس خاندان کا پیلوپونیزی ہونا کہاں تک حقیقت پر مبنی ہے۔ تاریخ یونان کے اہم ترین واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اٹیکا اور خاصکر شہر ایتھنز کا اتھینا دیبی سے گہرا تعلق تھا جو دیگر بلدیات اور دیگر معبودوں کے باہمی تعلق سے کہیں زیادہ عمیق تھا۔ لیکن ہمیں صرف اس واقعے کا علم ہے، اور محض اس سے کوئی ایسا نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا جس سے ایتھنز کی ابتدائی تاریخ یا اس معبودہ کی پوجا پر کوئی خاص روشنی پڑتی ہو۔ افسانے میں بیان کیا گیا ہے کہ ایتھنز کے فیصلے کے لیے اتھینا اور پوسیڈون میں لڑائی ہوئی جس میں اتھینا کو فتح ہوئی۔ اس افسانے میں ایک تاریخی واقعے کا ضرور ذکر ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ خلیج سارون کے ہر چہار طرف پوسیڈون کی پوجا ہوتی تھی اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اتھینا ایتھنز کی مخصوص دیبی تھی، لہذا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ پوسیڈون کے پجاریوں نے اتھینا کے پجاریوں کو ہرا دیا، لیکن یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ ان دونوں جنگ جو فریقوں کا آخر نام کیا تھا۔ ممکن ہے کہ مغلوب قوم ایونیانی ہی ہو لیکن پھر یہ سوال اُٹھتا ہے کہ وہ کونسی قوم تھی جو اتھینے کی پوجا کو اپنے ساتھ لائی اور اس پوجا سے جو ٹروائے، تھسلی اور ربیوتیہ میں اتھینا کی ہوتی تھی، کوئی خاص تاریخی استدلال کیا جا سکتا ہے؟ ساتھ ہی ایک مشکل یہ بھی ہے کہ تاریخ اٹیکا میں کہیں غالب و مغلوب اقوام میں مطلق کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا؛ آئی تھرا کا باپ پیتھیوس ساکن ٹروائے پیلوپس کا بیٹا ہے، تو پھر کیا ایونیانی اور پیلوپسی ایک خاص مفہوم کے اعتبار سے ہم معنے الفاظ ہوئے؟ حقیقت یہ ہے کہ واقعات ماضیہ پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے کہ اس کی وجہ سے اُس کا خاکہ تک نہایت دھندلا

نظر آتا ہے۵ :

رزمیہ نسب ناموں میں جزیرۂ آئی گینا کا جو تذکرہ ہے وہ بھی کچھ کم عظمت نہیں رکھتا - بحری پری آئی گینا سکیون کے دریائی معبود اسوپوس کی بیٹی تھی* اور پتروکلوس اُس کے بیٹے کا (جو انسان تھا) بیٹا تھا - آئی گینا کا تعلق زیوس دیوتا سے بھی تھا جس سے ایاکوس پیدا ہوا جو بنی نوع انسان میں سب سے متقی اور پرہیز گار تھا، اور اسی ایاکوس کے لیے چیونٹیوں کی

۵ ایون کے متعلق جو کچھ معلومات حاصل ہیں وہ سب زمانہ مابعد کے اختراعات ہیں اور ان میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایونیائیوں کے قومی مورثوں کے قصے گھڑے جائیں۔ اٹیکا کے افسانوں کا ذخیرہ در اصل یونانی افسانوں کے اس عظیم الشان دریا سے علیحدہ ہے جس نے تھسلی، بیوتیہ کے جنوب و مشرقی اور پیلوپونیز کے شمال و مشرقی اضلاع کو سیراب کیا ہے :



(نسب نامہ مرتبہ مترجم اردو)

باب ۱

قلب ماہیت کر کے میرمدون قوم پیدا کی گئی۔ ایاکوس کے دو بیٹے مسمی پے لیوس اور تیلاموں تھے، لیکن اخلاق و اوصاف میں وہ اپنے باپ سے بالکل متغائر تھے اور وہ اپنے (سوتیلے) بھائی کو قتل کر کے اپنا مسکن چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تیلاموں تو جزیرۂ سالامس چلا گیا اور اُس کے دو بیٹے ایاکس اور تیوکر پیدا ہوئے، تیوکر نے جزیرۂ قبرس میں شہر سالامس آباد کیا۔ دوسرے بھائی پے لیوس نے سسلی میں پناہ لی۔ افسانوں میں اکی لیس اور نیو پطلیموس کا نام بھی نہایت ممتاز ہے لیکن اُن کے حالات اس جگہ بیان نہیں کئے جا سکتے؛ صرف اس قدر تذکرہ کافی ہوگا کہ زمانۂ مابعد کے مولوسیوں کے بادشاہ، جن میں سے ایک مشہور آفاق پرحوس شاہ ایپائروس تھا، نیو پطلیموس کی اولاد ہونے کے مدعی تھے۔

لقونیہ اور مسینیہ سے لیدا کے افسانے کی ابتدا ہوتی ہے۔ بلا شبہ یہ بیان کیا جاتا تھا کہ اصل میں لیدا کا مسکن کالی دون تھا اور اسی مقام پر اُس سے تین داریوس نے (جسے لقونیہ سے نکال دیا تھا) نکاح کر لیا۔ لیکن ہم ان نسب سازوں کے ہتھکنڈوں سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ لیدا کے بیٹے تین داریوسی دیوسکوری یعنی کاسطور اور پولکس ہیں جو ابتدا میں الوہیت تماہستیاں تھیں، اور مختلف طریقوں سے انسانوں کی تقدیر میں دخیل ہوتی تھیں؛ نیز اُن کا تعلق خاص طور پر لقونیہ کے ساتھ تھا۔ اُدھر مسینیہ میں اداس اور لینکیوس کا ایک اور توام جوڑا نظر آتا ہے اور یہ دونوں آخرکار کاسطور اور پولکس کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں۔ یہ ہے در اصل وہ افسانہ آمیز جامہ جو لقونیہ اور مسینیہ کے تنازع اور جنگہائے مسینیہ کو ان تاریخی واقعات سے سیکڑوں سال پیشتر پہنایا گیا ہے۔ لیدا کی بیٹیاں کلی تمنسترا اور مشہور آفاق ہیلن ہیں جنمیں سے ہیلن بھی ابتدا میں ایک دیبی تھی۔

لقونیہ کے بعد ہمسایہ آرکیڈیا کو لیجیئے؛ یہاں کے بلدیات میں تگیا اور اسپارٹا کے جو باہمی تعلقات تھے انھیں تین داریوس کی بیٹی تمانڈرا اور اخے موس شاہ تگیا کے باہمی مناکحت کے قصے کے ذریعے سے ظاہر کیا گیا ہے؛ اور خود آرکیڈیا کے مختلف قصبات اور بلدیات کا باہمی تعلق نسب ناموں کے ذریعے سے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ ملک کے ابتدائی اتحاد و اتفاق کا

کافی و وافی ثبوت بہم پہنچ جائے؛ ان افسانوں میں سے اکثر وبیشتر ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور ہم انھیں مطلق کوئی تاریخی وقعت نہیں دے سکتے۔ ساتھ ہی ہم یہ کہنے پر بھی مجبور ہیں کہ ان میں سے اکثر اشخاص کی ترکیب میں ایک خاص شاعرانہ انداز پایا جاتا ہے۔ **ہرقل** کا بیٹا **تیلے فوس**، جسے **اکی لیس** نے اپنے نیزے سے زخمی بھی کر دیا اور اچھا بھی کر دیا، آرکیڈیا کا ہی باشندہ ہے؛ **پان** دیوتا اور آرکیڈیا کے پہاڑی مناظر میں ایک خاص تطابق پایا جاتا ہے، اسی طرح **استیکس** بھی ایک برفانی چشمہ ہے جو اردانیہ کے زنجیرے سے برآمد ہو کر ایک آبشار کی شکل میں نیچے وادی میں گرتا ہے۔ آرکیڈیا پر **زیوس** دیوتا کی حکومت تھی۔

آرکیڈیا کے جنوب و مغرب میں **پیلوس** واقع ہے۔ یہ مقام "سفید مو" **نسطور** کی وجہ سے مشہور ہو گیا جو **تھسلی** کے رہنے والے **نیلیوس** کا بیٹا تھا۔ اس کی اولاد جا کر **ایتھنز** میں حکمراں ہو گئی اور وہاں سے اُسنے ایشیائے کوچک کی ایونیائی نو آبادیوں کی رہبری کے فرائض انجام دیے۔

نسب سازوں کے نظریے کے مطابق **ایلیس** کے افسانے دراصل **تھسلی** کے قصوں کی ہی شاخیں ہیں اور ان دونوں سلسلوں کے درمیان **ایتھلیوس** کا واسطہ پیدا کیا جاتا ہے جو تھسلی سے ایلیس آتا ہے اور اسی ملک کو اپنا وطن بناتا ہے؛ یہ بالکل صاف ظاہر ہے کہ یہ نام **اولمپیا** کے کھیلوں کی شہرت کے وقت ایجاد ہوا ہوگا۔ مختص القوم جدی سورماؤں میں، جن کا تذکرہ ایلیس کے نسب ناموں میں کیا گیا ہے اور جن سے ہمیں تاریخی لحاظ سے مطلق کوئی دلچسپی نہیں ہے، ایک **ایتولوس** جو حسب معمول ایک شخص کو قتل کرنے کی پاداش میں جلاوطن کر دیا جاتا ہے اور **خلیج کورنتھ** کو عبور کر کے **کوریتی** قوم پر (جن کا نام وہ اپنے نام کی مناسبت سے ایتولی رکھ دیتا ہے) حکومت کرتا ہے۔ **ایلیس** پر ہی وہ **اوگیاس** حکمران تھا جس کے اصطبلوں کو **ہرقل** نے دریائے **الفیوس** کے ذریعے سے صاف کیا اور جس نے اس جانباز کی یادگار میں **اولمپی** جشن کی بنیاد رکھی۔ **ایلیس** اور **پیزاتس** کی ہمیشہ سے باہمی عداوت چلی آتی تھی اور ضلع پیزاتس کو یہ دعوے تھا کہ اولمپیا کے کھیلوں کی اسی نے بنیاد ڈالی تھی؛ اس تنازع کا پتا اس افسانے سے لگتا ہے کہ یہاں **پیلوپس** نے

باب ۱۰ اوئے نوماؤس کو رتھوں کی دوڑ میں شکست دے کر اُس کی بیٹی ہپو دامیا کو اپنی بیوی بنا لیا۔

ایتولیہ کے افسانوں میں ایسے مختص القوم سور ما بہت ملتے ہیں؛ اور چونکہ دوریانی ترک وطن کے زمانے میں ایتولیوں نے ایلیس پر قبضہ کر لیا اور یہ بسا ضروری معلوم ہوا کہ اس قبضے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ مل جائے اس وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان فوراً ایک نسبی تعلق پیدا کر دیا گیا۔ ان ایتولی افسانوں میں سب سے دلچسپ مے لیاگر کا افسانہ ہے؛ جب کالی دونی سؤر کو مارنے کے بعد اس نے اپنے ماموں کو ایک جھگڑے کے سلسلے میں قتل کر ڈالا تو اس کی ماں نے اُسے بددعا دی اور جس لکڑی کے ٹکڑے پر اُس کی زندگی کا دارومدار تھا اُسے آگ میں پھینک کر اُس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مشہور شکاری اور دوڑنے والی اتا لانتا کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ کالی دون کا بادشاہ اوئے نیوس جس کی بے پروائی کی وجہ سے اسی ملک کا سؤر اس قدر موذی اور مفسد ہو گیا تھا، ہرقل کی بیوی دیانیرا کا باپ تھا جس نے نادانستہ نے سوس کی زہر آلود پوشاک کے ذریعے سے اپنے شوہر کی جان لی۔ اوئے نیوس کی اولاد سے تی دیوس اور دیو مدیس بھی ہیں جو اپنی قوت کی وجہ سے مشہور تھے۔ اس ضلع کا مشہور دریا اخے لاؤس مغربی یونانیوں بلکہ تمام یونانیوں کے لیے جملہ دریاؤں کا دیوتا بنا دیا گیا۔

اب ہم اپنی توجہ بحیرۂ ایجین کے چند جزیروں اور اقلیم ایشیا کے چند حصوں کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ زیوس کریٹ کے پہاڑی جزیرے کا حکمراں تھا، اور یہاں ہم اُس کے اور یوروپا کے بیٹوں یعنی منوس، رھادامانتھوس اور سارپیدون سے دوچار ہوتے ہیں؛ ان میں سے رھادامانتھوس انصاف میں مشہور ہے، سارپیدون لیسیہ چلا جاتا ہے، منوس اپنے باپ کا ایک وفادار بیٹا ہے اور اُس کی دور دور از مقامات میں عزت کی جاتی ہے؛ وہ میگارا کے بادشاہ نسوس اور ایتھنز کے بادشاہ اے گیوس کو (جس کے خلاف وہ اپنے بیٹے اندروگیوس کی موت کی وجہ سے برافروختہ ہو گیا تھا) شکست دے کر آخر میں اٹلی اور سسلی چلا جاتا ہے جہاں اُس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ پاسیفے،

باب۲

مِنوتور، لابِرنتھ اور اریادنے کے قصے ناظرین کو معلوم ہی ہوں گے اور ان کا اعادہ فضول ہے۔ کریٹی افسانوں کا رھوڈس سے یہ تعلق ہے کہ اس پر منوس کے ایک جانشین التھائے مینس کا قبضہ ہو جاتا ہے جو زیوس اتھابی ریوس کے تبخانے کی بناڈالتا ہے۔ افسانوں کے مطابق رھوڈس میں دو قومیں آباد تھیں، ایک تو تلخی نیس جو کاریگر تھے، اور دوسرے ہیلیادائے، اور ان کے علاوہ مصری، فلنیقیہ اور تھسلی کے تارکان وطن بھی یہاں پائے جاتے تھے۔ چونکہ یہ جزیرہ ایشیائے کوچک کے جنوب و مغربی کنارے پر مشرق اور مغرب کی گویا عین سرحد پر واقع ہے اس واسطے اُس کے سواحل پر مختلف اقوام نے ضرور اپنا اثر ڈالا ہو گا۔ جزیرۂ ساموتھریس چند پوشیدہ معبودوں کا مسکن تھا جن کی وجہ سے یہاں یونان کے مذہبی اسرار کا آغاز ہوا؛ جزیرۂ لیمنوس اس لیے مشہور ہے کہ اسی میں ہیفائس توس، زمین پر گرا[۶]۔ ٹروائے کے افسانوں کا ہر شخص کو علم ہے؛ اور اکائیائی اور پریام کی طرح ہرقل اور لاؤمیدون میں بھی لڑائی ہوئی۔ لدیہ میں دیوتاؤں نے تنتالوس کے غرور اور نیوبے کی نخوت کی طرف توجہ کر کے ایک کا تو انصاف کیا اور دوسرے کو سخت سزا کا مستوجب قرار دیا، اور ہم آج بھی چٹان میں اس شبیہ کا ملاحظہ کر سکتے ہیں جسے یونانی غمگین و رنجیدہ نیوبے کی تصویر سمجھے ہوئے تھے۔ لسیہ میں سارپیدون اور گلاؤکوس رہتے تھے جو ایک معزز قوم کے قابل سپوت تھے۔

رزمیہ دور کی پوری قوت کا مرکز ہرقل کی جاں بازیاں ہیں، اور مقامی تخیلات کا اثر ان پر بہ نسبت مفصلۂ بالا افسانوں کے کم پڑا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی فنیقی گئے انھوں نے اپنے معبود ملکارث کی پوجا کو رواج دیا اور درحقیقت یہی ہرقل کے افسانوں کی بنا ہے۔ اس دیوتا کو (جس میں آفتاب پرستی کی جھلک صاف نظر آتی ہے) ایک ملک سے دوسرے ملک میں لا بٹھانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہرقل جگہ جگہ پھرتا اور دوسروں کے لیے جان پر کھیلتا نظر آتا ہے۔ اس طرح اُس کی حیثیت

---

۶ شائد لیمنوس کا لنگڑا شخص فِلوک تےتیس لنگڑے ہفائس توس کا ہی ایک مثنیٰ ہے۔

باب ۵

ایک ناقابل مدافعت دیو کی سی ہو جاتی ہے جو کم و بیش خوش خلق ہے، دوسروں کی مدد کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہے، اور جس کی قوت و جبروت کا بعض مرتبہ بالکل غلط استعمال کیا جاتا ہے، اور چونکہ اُس کی ضروریات عام بنی نوع انسان کی ضروریات سے مختلف ہیں اس لیئے اکثر ہمارے نزدیک اس کی حرکات قابل مزاح ہوتی ہیں اور اس کے بعض قصوں میں جگہ جگہ سروری عنصر پایا جاتا ہے؛

جب ہم یونانی ادبیات کے سلسلے میں مختلف یونانی اضلاع کے مقامی افسانوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ بجائے اپنی مقامی اور بے تعلق حیثیت قائم رکھنے کے ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہم نے متعدد مرتبہ اس طریقے کا ذکر کیا ہے جو مختلف نساب ان افسانوں کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں؛ یا تو سورماؤں پر طرح طرح کی سختیاں کی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے جنم بھوم میں ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے ہیں ورنہ وہ اپنے وطن میں غضبناک نظر آتے ہیں اور طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں؛ بہر حال آخر کار وہ اپنے گھروں سے نکال دیے جاتے ہیں اور ایسے مقامات پر پہنچ جاتے ہیں جہاں اُن کی جاں بازیاں ظہور پذیر ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی طریقے ایسے ہیں جہاں جگہ جگہ کے سورما ایک ہی مقام پر مجتمع ہو جاتے ہیں مثلاً یہ ممکن ہے کہ اُنھیں کوئی ایسا کام درپیش ہو جس کا کسی مذہبی رسم یا سنجیدہ کاروبار سے تعلق ہو جیسے کوئی جنازہ یا شادی کی رسم یا شکار، جنگ، اور دور و دراز مقامات کا سفر۔ کالی دون کے سور کا شکار اور تھیبز کی جنگوں کا بیان اس سے پہلے ہی آچکا ہے؛ اب دو بڑے واقعے اور باقی ہیں یعنی آرگوناٹوں کا سفر اور ٹروائے کی لڑائی؛

کتاب اوڈیسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ازمنۂ قدیمہ میں ہی جہاز آرگو کا سفر مشہور تھا۔ اس کشتی کے ملاح اسے اس بعید اور نامعلوم مقام کو لے جانا چاہتے تھے جہاں سنہری اون رکھا تھا، اور اُس کے مطالعے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ابتدا میں تو اس قصے میں محض فطری ہیولات کا تذکرہ ہوگا لیکن رفتہ رفتہ امتداد زمانہ سے اُس نے جغرافی حیثیت اختیار کر لی اور رفتہ رفتہ اُس میں تقریباً ہر ایک جاں بازی کا قصہ اس میں مدغم کر لیا گیا۔ سنہری اون ایئٹیوں کے ملک میں تھا جس کے متعلق مشرق اقصیٰ میں واقع ہونے کا گمان تھا؛ اس سمت میں صرف ایک ہی سمندر یعنی بحیرہ افشین ایسا تھا جس کی بابت

یونانیوں کو بتدریج معلومات حاصل ہوگئیں، اس لیے ائے تی قوم کا ملک اسی کے کنارے برقرار پایا، اور اس سمندر کے ساحلی بلدیات آرگو کے حالات سے بھر گئے۔ لیکن اب مغربی یونانیوں کی یہ خواہش ہوئی کہ وہ بھی آرگوناٹون کی جاں بازیوں میں شامل ہوجائیں، چنانچہ یہ کام کشتی کی واپسی کے زمانے تک ملتوی رکھا گیا۔ فرض کیجیے کہ کوئی شخص بحیرۂ ایجین سے کترا کر بحیرۂ اسود سے افریقیہ جانا چاہے تو اُسے ایک خیالی راستے پر ہو کر گزرنا پڑے گا، اس لیے آرگو کو کوئی بندرگاہ بھی مل سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ یونانیوں کے بزرگ ترین سورما اس سفر میں شریک ہوجاتے ہیں، لیکن اس میں یاسون ہی سب سے زیادہ صعوبتیں جھیلتا ہے اور باقی سورماؤں کی حیثیت رہبر کی نہیں بلکہ محض زینت اور زیور کی سی ہے۔ جزیرۂ لیمنوس کے باشندوں کو آرگوناٹون کی اولاد سمجھا جاتا تھا اور چونکہ اکثر ملاح سورما منیائی قوم کے افراد تھے اس لیے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ قوم جزیرۂ لیمنوس پر آباد تھی، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منیائی فن جہاز رانی میں مہارت رکھتے تھے، اور اس کی تصدیق کالوریا کے بحری اتحاد میں اورخومینوس کی شرکت سے بھی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس آرگوناٹی افسانوں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ شہر یولکوس کے تھیاٹیوں نے جہاز رانی کے فن میں کوئی معتدبہ مدد پہنچائی اس لیے کہ اس نظریے کا ثبوت ارگو کے سفر سے دیا جاتا ہے، اور اُس کی جغرافی وقعت دراصل اس افسانے کی توسیع کا نتیجہ ہے۔

ان تمام افسانوں سے زیادہ نمایاں اور اس دور کا سب سے درخشاں اور ممتاز واقعہ جنگ ٹروائے اور اس سے بیشتر اور بعد کے واقعات ہیں۔ اگر غائر نظر ڈالی جائے تو کالی ڈون کے سؤر کا قصہ محض ایک شکاری جاں بازی کے واقعات سے مملو تھا، آرگو کے افسانے کی ایک سفرنامے سے زیادہ وقعت نہ تھی، اور گو تھیبز پر فوج کشی کا قصہ ایک لڑائی کا تذکرہ تھا لیکن وہ لڑائی سرزمین یونان ہی میں ہوئی تھی؛ ان سب کے برعکس ٹروائے کا افسانہ ایک ایسی جنگ کی کہانی ہے جو ایک دور و دراز شہر کے خلاف ہوتی ہے، اور جس کے لیے بڑی بڑی تیاریاں کی جاتی ہیں اور جب فوجیں واپس آتی ہیں تو آرگو کے ملاحوں کی طرح انھیں بھی اپنی جاں بازیاں تماشا گاہ یونان پر لانے کا موقع مل جاتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اس میں ان تمام افسانوں سے زیادہ مواد بھرا ہوا ہے اور وہ

باب ۱

حالات (مثلاً جدال و قتال، سیر و سیاحت کے عجیب و غریب اور نادرہ واقعات) بیان کئے گئے ہیں جن کے سننے کی اہل یونان کو خواہش تھی۔ اس مقام پر ہمارا مقصود جنگ ٹروائے کے مفصل واقعات بیان کرنا نہیں ہے؛ کون ایسا ہے جو اکی لیس کے غصے، ہیکتور اور پارس کی جاں بازیوں، شہر ٹروائے کی تاراجی، سفر اسپین کے حالات اور مراجعت وطن کے قصوں سے واقف نہیں ہے؟ یہ ہمارے لیے نہایت سرور انگیز اور مسرت فزا ہوگا اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے ان اشعار میں سے کسی کی بنیاد واقعات پر ہے یا نہیں، اور اگر بالفرض ان واقعات کے بیان میں بے حد و نہایت مبالغہ آمیزی بھی ہوئی ہو پھر بھی ہمارے لیئے یہ معلومات کار آمد ہوگی۔ ابھی تو یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ آیا فی الواقع یونانیوں نے ٹروپائیوں کے خلاف کوئی مہم سر کی بھی یا نہیں۔ یہ بلا شبہہ یونانی نسبتۃً آسانی کے ساتھ ٹروائے پہنچ سکتے تھے اور یہ ممکن ہے کہ ان میں باہمی آویزش ہوئی ہو، لیکن اس آویزش کا سبب دریافت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ لڑائیوں کی ابتدا ہمیشہ ہمسایوں سے ہوا کرتی ہے اور ٹرویائی اور یونانی اقوام ایک دوسرے سے دور رہتی تھیں۔ اگر مصر اور ایشیائی اقوام کے باہمی جنگ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس جھگڑے کی ابتدا بھی ہمسایہ اقوام سے ہی ہوئی اور دیگر قومیں اس میں بھی بعد میں شامل ہوگئیں؛ ٹرویائی جنگ کی ابتدا کے لیے بھی اسی قسم کے اسباب کی تلاش کی ضرورت ہے، اور اگر یہ اسباب معلوم ہو جائیں تو پھر ہم یہ کہنے پر حق بجانب ہوں گے کہ افسانہ سازوں نے صرف یہ کیا کہ جنگ کی ابتدا بجائے ہمسایوں کے بعید الفاصلہ حلیفوں کے ہاتھ کرائی۔ اسکے برعکس اگر ہم واقعات ٹروائے کی تاریخی صداقت ہی سے منحرف ہو جائیں تو ہمیں اس مفروضے کے سایے میں پناہ لینی پڑے گی کہ اس قصے میں در اصل اُن تنازعات کی پیش بندی کی گئی ہے جو ایولیائی ترک وطن کے زمانے میں دونوں قوموں کے درمیان پیش آئے ہوں گے؛ لیکن اس میں مشکل یہ پیش آئے گی کہ ہمیں ایسے واقعات کا مطلق علم نہیں ہے جن کی بنا پر ہم یہ کہہ سکیں کہ عین اس دور میں ٹروائے کو کوئی خاص عظمت حاصل تھی، یا یہ کہ اس کی تسخیر بمشکل تمام ہوئی، بلکہ غالباً دوریانی ترک وطن سے پہلے ہی یہ شہر بھی میسکنائی کی طرح اہم ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس تمام افسانے کی بنیاد

باب ۱

محض دثنیات پر ہی ہو۔ پٹیرسن نے اپنی کتاب "دثنیات یونان" میں یہ قیاس کیا ہے کہ ہیلین کی زنا بالجبر اور اُس کی واپسی در اصل زرین اون کے حصول کی مترادف ہوگی، اس کے بعد صرف یہ دریافت کرنا باقی رہ جائے گا کہ آخر یہ افسانہ خاص طور پر ٹروائے کے ملک سے کیوں وابستہ کیا گیا۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ بعض دیبیوں، مثلاً افرودیت کی پوجا سے (جو ہیلین ہی کی شخصیت میں مضمر تھی، جو روایت کے بموجب ایشیائے کوچک کے کسی حصے سے وابستہ کی جاتی ہوں، افسانہ سازوں کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس مقام کو، جس پر کھنڈروں کا ایک لاثانی مجموعہ ہے، ایک بے مثال سلسلہ قصص سے مزین کیا جائے۔ شلی مان نے حال میں اس امر کا ثبوت دیا ہے کہ ٹروائے کے تاریخی وقار سے قدما بھی واقف تھے، اور اس سے اس مفروضے کو اور بھی قوت پہنچ جاتی ہے۔

جنگ ٹروائے کے متعلق جو افسانے ہیں اُن کا ایک دلچسپ ذخیرہ مراجعت وطن کے قصوں پر مشتمل ہے جن کے ذریعے سے اگے میم نون اور اودے سیوس کی جاں بازیاں ممتاز و غیر فانی ہیں۔ ان دونوں میں بہت کچھ اخلاقی تباین پایا جاتا ہے اور عورتوں میں اُن کے مترادف کلی تم نستر ا اور پینے لوپے کی شخصیتیں ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اودیسی ان کہانیوں کا مجموعہ ہے جو مغربی سمندروں کی بابت مشہور تھیں اور جو آدم خوروں کے قصوں کی طرح زبان زد خاص و عام تھیں۔

یونان کا وحشی دور جنگ ٹروائے کے سورماؤں کی اولاد مثلاً تیلے ماخوس اور اورس تیس پر ختم ہو جاتا ہے اور انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے نقاشوں کے لیے بہت کچھ مواد مہیا کیا ہے۔ اس دور کے بعد ایک عہد مظلمہ کی ابتدا ہوتی ہے جس میں سلسلہ قائم کرنے کیلیے نسب سازوں نے طرح طرح کے ناموں سے خلا کو پُر کرنے کی کوشش کی ہے۔[۱]

---

[۱] اس باب کیلیے دثنیات یونان کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ گروٹ: تاریخ یونان جلد اول (Grote. History of Greece vol.1) برسیان: جغرافیۂ یونان (Bursian Gr. Geography)، نیز یونانی اضلاع پر جو تصانیف ہیں، خاصکر کرتیوس کی کتاب پیلو پونیز (Curtius: Peloponese) ان کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ ٹروائے کے قبضے کیلیے ایک لڑائی لڑی گئی ہو۔ ایسی صورت میں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جو شخص ایشیا میں اُس

باب یازدہم

یونانیوں کا مذہب

ارضِ یونان میں آکر آباد ہونے سے دوریانی حملے تک یونانیوں نے بہت کچھ مادی ترقی کرلی، اور ان صدیوں کے اثنا میں وہ نہ صرف ایشیائی اور مصری فنون سے آگاہ ہوگئے بلکہ خود بھی فنون لطیفہ میں بہت کچھ آگے بڑھ گئے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فنی ترقی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ قوم تہذیب اور شائستگی کے ایک خاص پایہ تک نہ پہنچ جائے۔ یونانی ابتدا میں خواہ کسی راستے سے بھی ارضِ یونان میں آئے ہوں، ان میں اور ان کے ایشیائی بھائی بندوں کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ برابر قائم رہا اور وہ ایسی تحریکات سے برابر متاثر ہوتے رہے جن سے ان کا ذہنی دائرہ وسیع ہوگیا؛ ساتھ ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ ان فنیقیوں کا بھی ان پر اثر پڑا ہوگا جو آکر ان کے ساحلوں پر لنگر انداز ہوئے۔ ان اثرات کی وجہ سے یونانیوں کی زندگی میں ایک قسم کا تنوع پیدا ہوگیا اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ مکمل ہوگئی۔ لیکن یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ بیرونی اثرات سے کسی شعبۂ حیات میں اس قدر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی جتنی مذہب میں، اور یہاں اس ضمن میں ایک امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے، وہ یہ کہ روئے زمین پر یونانیوں سے زیادہ کسی قوم کے مذہب کو چند خاص اصول کے تحت ترتیب دینا مشکل نہیں نہ مذہبی عقائد میں اس قدر متضاد اجزا پائے جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یونانیوں میں ایسا کوئی طبقہ نہیں تھا جسے مذہبی معاملات میں ناطق احکام صادر کرنے کا اختیار ہو؛ مذہب صرف حسیات عامہ کا ایک مظاہرہ تھا جس میں نہ کوئی مبالغہ آمیزی تھی نہ کسی قسم کی تاریکی یا راز، اور ہر ایک حصۂ قوم کو اپنے ایسے دیوتاؤں کی پوجا کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی جو اس کے حسب حال ہوتے، اسی لیے ہر ایک نسل ابتدا میں اپنے ہی

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ لڑائی کا رہبر تھا وہ اسی سورما کی اولاد سے تھا جو ایشیا سے آکر پیلوپونیز میں آباد ہوا تھا یعنی ایک افروجی کا پوتا ایک افروجی شہر کے خلاف فوج کشی کرتا ہے۔

چند مخصوص دیوتاؤں کی پوجا کرتی تھی:

یونان کے مذہب میں بھی دیگر قدیم مذاہب کی طرح قوانین قدرت کو ایک خاص وقعت دی جاتی تھی۔ چند مخصوص ہیولے ہیں جن کے حسن، مفاد یا خوف کا بنی نوع انسان پر ایک خاص اثر پڑتا ہے، اور جب انھیں انسانی جامہ پہنا دیا جائے تو یہی معبود بن جاتے ہیں: اسی لیے عناصر اربعہ اور انکے نوع بنوع مظاہروں کے ساتھ ساتھ چند مخصوص معبودوں کا وجود فرض کر لیا گیا تھا:

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ یونانی اس مذہب کے بنیادی اصولوں کو ایشیا سے لائے، لیکن انھوں نے انھیں ایک مختص طرز سے ترقی دی اور بالآخر دوریانیوں کی فتح پیلوپونیز تک اس کی تشکیل مکمل ہو گئی تھی۔ یہاں ہم اس مذہب کا ایک خاکہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے، یعنی یونانیوں کے اس وقت کے سربرآوردہ معبودوں کو شمار کریں گے اور ان کے اور انکے دیوتاؤں کے باہمی تعلق کا ذکر کریں گے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اس زمانے کے حالات کی ہمارے پاس مطلق کوئی سند نہیں ہے: اشعار ہومر کی بابت یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان میں اس دور کے حالات بھرے ہوئے ہیں لیکن فی الحقیقت انمیں زمانۂ مابعد کے واقعات کی بنا پر خیالی رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ بہرحال خیالی عنصر کو زمانۂ مابعد کے عنصر سے جدا کرنا کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے، اور نہ اس کا اندازہ کرنا کچھ زیادہ دشوار ہے کہ جب مختلف دیوتاؤں کی خصوصیات کا تعین ہو چکا تھا اور جب صرف بیرونی تشکیل باقی رہ گئی تھی (جو دوریانی حملے کے بعد ہومر اور ہسیود کے ہاتھوں دی گئی) تو اس وقت مذہب کی حالت کیا ہوگی:

ہماری قطعی رائے ہے کہ یونانی مذہب تماشاگاہ دنیا پر بطور ایک اصلی اور طبعزاد مذہب کے نمودار ہوتا ہے جس میں وثنی یا فلسفیانہ تخیلات کی مطلق آمیزش نہیں، اور اس کی یہ خصوصیت آخر تک قائم رہتی ہے۔ ہم اس نتیجے پر اس لیے پہنچے ہیں کہ نیکی اور بدی کے درمیان جو تباین ایرانی وثنیات میں پایا جاتا ہے اور جو ہندوستانی دیو مالا میں بھی ممتاز ہے وہ یونانی مذہب میں تقریباً معدوم ہے۔ یہاں اول تو ایسے دیوتاؤں کا وجود ہی نہیں جن کا کام محض بنی بنائی چیز کو برباد کرنا ہے اور

باب ۱۱

اور اگر کہیں ان کا ذکر سننے میں آتا ہے تو صرف یہ کہ خطۂ آلہہ سے انھیں تحت الثریٰ میں جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ سچ ہے کہ تقریباً یہی تباین اس اختلاف میں بھی نمودار ہوتا ہے جو تخت نشین خانۂ آلہہ اور مغلوب و مفتوح باغیوں کے درمیان نظر آتا ہے لیکن محض مغلوبیت بدی کی دلیل نہیں قرار دی جا سکتی، بلکہ امر واقعی تو یہ ہے کہ ایکطرف تو ان مغلوب آلہہ کے کسی خاص فعل کا ہمیں علم نہیں، دوسری جانب جو معبود غالب ہو گئے ہیں وہ سودمند اور نقصان رساں دونوں طرح کے واقعات کا منبع و مصدر ہو سکتے ہیں۔ ہر معبود اپنی خصوصیت کے مطابق عمل کرتا ہے، ایک ہی دیوتا ازالۂ مرض بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے، لیکن محض مارنے کی وجہ سے اُس کی حرمت یا اُسکے درجے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی اور اُسے برابر رحمٰن سمجھا جاتا ہے۔ دیوتاؤں کی بعض صفات بھی انسانوں کی سی ہیں، اور ممکن ہے کہ جب اُن سے نقصان رساں افعال سرزد ہوئے ہوں اُس وقت وہ کسی وجہ سے غیظ و غضب میں مبتلا ہوں۔

یونانی مذہب کی یہ خصوصیات ایک بڑی حد تک جغرافی اور موسمی حالات کی وجہ سے پیدا ہوئیں؛ یہاں کی آب و ہوا میں وہ انہدامی کیفیت نہیں پائی جاتی جو ملک ایران کی فضا کے ساتھ مختص ہے، اور جو ایک حد تک ہندوستان میں بھی نظر آتی ہے؛ اور اس ملک کے مختلف اجزا کے حالات میں جو فرق نظر آتا ہے اُس سے مذہبی رنگ میں بھی ایک خاص تنوع پیدا ہو گیا ہے؛ نیز چونکہ یہاں کوئی ایسا مرکزی ادارہ نہ تھا جسے کوئی خاص طریق عبادت رائج کرنے کا بلا شرکت غیرے حق حاصل ہوا اس وجہ سے یونانیوں کے لیے نسبتاً آسان تھا کہ وہ غیر ملکی دیوتاؤں کو اپنے مذہب میں اس طرح مخلوط کر لیں کہ اُن کی اصلیت بالکل بدل جائے؛ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گو انھیں غیر ملکی معبودوں سے کوئی خاص تعصب نہ تھا لیکن یونان میں آنے سے پیشتر ان معبودوں سے اُن کی غلو کی عادات چھڑا کر بالکل یونانی سلانچے میں ڈھال دیا جاتا تھا؛ اس کی مثال اس واقعے سے ملتی ہے کہ مشرق میں انسانی قربانی مذہب کا ایک خاص عنصر سمجھی جاتی تھی، لیکن سرزمین یونان پر رفتہ رفتہ یہ معدوم ہو گئی ۵

یونان کا سب سے بڑا معبود زیوس ہے جس کا تخیل صاف و شفاف آسمان کے مطالعے سے پیدا ہوا ہوگا۔ آسمان جملہ کائنات پر محیط نظر آتا ہے، اور سماں ہیولات کے

ذریعے سے جو اس سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں گویا ہر چیز پر راج کرتا ہے۔ بظاہر اجرام و انکشافات فلکی کی حالت ایک ہی نہیں رہتی بلکہ ان میں مسلسل اور گوناگوں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، اسی لیے یونانی زیوس کو رحمٰن و رحیم ہی نہیں بلکہ جبار و قہار معبود بھی سمجھتے تھے جو (بارش، گرمی، اور روشنی کے ساتھ ہی) کڑک، چمک اور گرج کے طوفان بھی پیدا کرتا ہے، ان کا خیال تھا کہ جب اُس کے دشمن دیووں اور عفریتوں نے اُس کے راج کے خلاف بغاوت کی تو اُس نے اُن پر بجلی گرائی جس کی وجہ سے ان میں بہت سے گر کر زمین میں سما گئے' اور یہ جب ہی سے زمین کو ہلا کر زلزلوں کا باعث ہوتے ہیں، لیکن زیوس کے قبضے میں آسمانی آگ ہی نہیں بلکہ آسمانی پانی بھی تھا، اسی وجہ سے اُسے "رب السحاب" کا لقب دیا جاتا تھا، اور بطور مینہ برسانے والے معبود کے اس کی پوجا کا مرکز دودونا تھا۔ زیوس ہی تمام ندیوں کا منبع و مصدر بھی سمجھا جاتا تھا اور ان میں سے سب سے اہم دریائے اخے لوئس تھا، ساتھ ہی پانی کی قوت کا مصدر او قیانوس دیوتا شمار کیا جاتا تھا جس کی بڑی بیٹی کا نام ستیکس تھا۔ پہاڑوں کے قلے ابتدا میں رب الارباب کے نام پر اور زمانہ مابعد میں جملہ معبودوں کے نام پر معنون کیے جاتے تھے ان میں سے یونانیوں کے نزدیک سب سے اونچی چوٹی قلۂ اولمپوس تھا جو ملک کی شمالی سرحد پر واقع تھا؛ اُس کی بلندی ۹۷۵۰ فٹ تھی، اور اسی پُر اسرار پہاڑی پر (جو ہر وقت بادلوں سے ڈھکی رہتی تھی) دیوتاؤں کا نشیمن بیان کیا جاتا تھا۔ اسی طرح اِتھوسے اور آرگیڈ یا وکریٹ کی پہاڑیوں کو زیوس کا مخصوص مسکن قرار دیتے تھے۔ غالباً جب ایک عرصے کے بعد اولمپیا کا میدان رب الارباب کے نام پر معنون کیا گیا ہوگا تو اس انتساب کے لیے مختلف اضلاع کے یونانیوں میں یقیناً کوئی نہ کوئی گفت و شنید ہو گئی ہو گی۔

زیوس کی ہمنشین اس کی بیوی ملکۂ سماوات ہیرا ہے جسے دیونے یا دیئے نا بھی کہتے تھے اور جس کا مسکن دودونا ہی تھا۔ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پرورش مویشی کی دیبی تھی اور اُس کی پوجا کا مخصوص مقام آرگوس کے قریب کوہ لوبیہ تھا، اور اُسے بُوپِس (یا "چشم بقر" دگئو آنکھ) بھی کہتے تھے۔

باب ۱۱

آرگوس کے علاوہ اُس کے اور دو صوبے بھی، ایک تو جزیرۂ لوبیہ کے کوہ ادخا پر اور دوسرا اس لکیبنیا پر کروتون کے قریب اونچی اونچی پہاڑیوں پر واقع تھے، اور وہ خاص طور پر جزیرۂ ساموس کی محافظہ تھی جس کے نام ہی سے "بلندی" کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

یونانی دیو مالا میں زیوس تو آسمان اور اُس کے جملہ ہیولات کا قائم مقام تھا اور شمالی معنوں میں یونانیوں کا واحد معبود کہا جا سکتا ہے؛ اس کے علاوہ اجرام فلکی اور بہت سے دیوتاؤں اور دیبیوں کی شکل میں پوجے جاتے تھے۔ انمیں سب سے نمایاں اور ممتاز اتھینے ہے جس کے متعلق کامل وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ابتدا میں آسمانوں کے پانی یعنی بارش کی اور ان جملہ حالات کی جو اُس کے نزول کے وقت ظہور پذیر ہوتے ہیں، دیبی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب ہفائس توس یا پرومے تھیوس نے زیوس کے سر میں ایک تیر مارا تو وہ اس سے پیدا ہوئی، اور یہ تیر دراصل وہ بجلی ہی ہے جو بادلوں کو پھاڑتی ہے اور جن سے پانی گر کر زمین کو سیراب کرتا ہے؛ جب اتھینا پیدا ہو چکتی ہے تو وہ ان ہیولات قدرت پر بھی قادر ہو جاتی ہے جو اُس کی پیدائش اور آفرینش کے موجب ہوئے تھے، وہ طوفان باد و باران کی دیبی تھی، وہی بجلی گراتی تھی اور اسی لئے اُس کا نام "پالاس" یعنی "مدبرہ" بھی تھا۔ اُس کا زیور اور آلۂ مدافعت ائی گس تھا جو ایک ایسی ڈھال تھی جس پر گورگون بھتنیوں کی شبیہہ بنی ہوئی ہے؛ یہ بھتنیاں دراصل گرجتے ہوئے بادل ہیں اور اُن کے سر پر بالوں کی جگہ) جو سانپ نظر آتے ہیں وہ فی الحقیقت بجلی کی چمک کی تشبیہ تھی جو چاروں طرف کوندتی ہے۔ اس دیبی کا دوسرا نام گلاؤکوپیس یا "بوم چشم" بھی تھا، یہ شاید اس وجہ سے کہ وہ صاف آسمان کی بھی ملکہ شمار کی جاتی تھی جو طوفان کے بعد آئینے کی طرح صاف وشفاف ہو گیا ہو، اور اسوجہ سے بھی اُسے بوم چشم کا لقب دیا جاتا ہے کہ اُلو کی آنکھ تاریکی میں منور ہوتی ہے۔

اخلاقیات کے میدان میں اس دیبی کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اُداسی، ظلم و ستم کو دور کر دیتی ہے، اور عقل و فہم اور دانش و ادراک و نیز فنون لطیفہ میں کمال کی دیبی ہے جو انسان کو اُس کے دشمنوں کی دستبرد سے بچاتی ہے اسی لیے وہ مدافعت کی معبودہ بھی ہے

اس کے برعکس آریس تیز رو جلے کا دیوتا ہے۔ تھسلی، اور بیوتیہ میں بھی اس دیوی کی اس قدر وفاشعاری سے پوجا نہیں کی جاتی تھی جتنی اس شہر میں جس کا نام اُس کے نام پر رکھا گیا اور جہاں اس امر کی کوشش کی گئی کہ شہر کے داخلی خصوصیات کو اس دیوی کی صفات کا آئینہ بنا دیا جائے؛

اہم ترین مناظر سماویہ میں روشنی بھی ہے، جیسے ایرانیوں کے حلقہ معبودی میں میتھرا اور یونانی دیومالا میں فیبیوس اپولو کہتے تھے۔ وہ تیر کمان سے مسلح تھا، یہ تیر در اصل سورج کی کرنیں تھیں جن کی مدد سے وہ عمق کے عفریتوں پر غالب آتا ہے اور تاریکی کی جگہ نور پھیلا دیتا ہے۔ جس طرح روشن بادلوں کو آسمانی مویشی اور بھیڑوں سے تشبیہ دی جاتی تھی اسی طرح اپولو اُن کا گڈریہ بنایا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ گلوں اور ریوڑوں کا دیوتا بھی سمجھا جاتا تھا۔ سمندر پر اپولو کا اثر نہایت منفعت بخش پڑتا تھا اس لیے کہ وہ طوفان کو کم کرتا تھا، اور ایک خاص قسم کی مچھلی "دلفین" جو تھے ہوئے سمندر میں اکثر جہازوں کے چاروں طرف اٹکھیلیاں کرتی ہوئی نظر آتی ہے اُس کی طرف منسوب کی جاتی تھی جس کی وجہ سے اُس کا خطاب ڈیلفینیوس بھی تھا۔ روشنی کا دیوتا ہونے کی وجہ سے وہ فطرتاً ناپاکی سے متنفر رہتا تھا اور چونکہ ظلم و ستم سے ناپاکی بڑھتی ہے اس لیے وہ ظالموں کا دشمن تھا، لیکن مجرموں اور عفریتوں سے انتقام لینے کا کام نیم معبودوں مثلاً ہرقل، بیلیروفون، پرسیوس اور تھیسیوس کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ علاوہ بریں اپولو ازالۂ مرض بھی کرتا تھا اور جب لوگ اپنی مشکلات میں اُس کی طرف رجوع کرتے تھے تو وہی انھیں نیک صلاح بھی دیتا تھا اور اسی کی حفاظت میں عالی شان استھانی صومعے تھے جن میں سے سب سے ممتاز بت خانہ ڈیلفی بہت جلد دو دوتا کے بت خانے پر سبقت لے گیا۔ زمانہ مابعد میں اس کی پوجا ڈیلوس اور خصوصاً ڈیلفی میں ہوتی تھی، لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ غالباً اُس کی عظمت میں دوریانی حملے کے بعد ہی ترقی ہوئی ہوگی؛

روشنی آسمان سے زمین تک سورج کی وساطت سے پہنچتی ہے، اور جس طرح ہندوستانی دیومالا میں اس کے لیے ایک مخصوص دیوتا یعنی سوریا تھا اسی طرح یونانی بھی اُسے ہیلیوس کے نام سے پوجتے تھے جو فی الحقیقت اپولو ہی کا دوسرا نام ہے؛

جس کے ساتھ یہاں خاص خاص مناصب منسوب کیے گئے ہیں۔

دن کی روشنی کا بیان رات کی روشنی سے ظاہر کیا گیا تھا جسکی دیبی ارتیمس تھی۔ یہ اپولو کی بہن تھی اور اپنے بھائی کی طرح اُس کے ہاتھ میں بھی تیر کمان ہونے کی وجہ سے اُس کی شبیہ ایک شکاری کی سی بنائی جاتی تھی۔ اس کی یہ خاصیت تو یقیناً نمایاں ہے، لیکن ساتھ ہی وہ ثمرآور اور قوائے فطریہ کی دیبی بھی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں (بجائے ایک کے) دو مختلف الخواص دیبیاں ہوں گی جنھیں زمانۂ مابعد میں یونانیوں نے یک جا کر کے ارتیمس کا جامہ پہنا دیا جہاں تک اس موخرالذکر خصوصیت کا تعلق ہے وہ ایشیائے کوچک کی مشہور دیبی کی طرح تھی جس کا معبد منجملہ اور مقامات کے ایفی سوس میں بھی تھا، اور اس حیثیت سے وہ ایسے قدرتی مناظر کی نگرانی کرتی ہوگی جو انسانی مساکن سے دور ہوں جیسے جنگل اور چراگاہیں جہاں درندے اور شکاری جانور پڑے پھرتے ہوں، اور ہر ایسی چیز کی نگہداشت اُس کا فرض تھا جو ڈیمیٹیر، دیونی سوس اور اپولو کے حیطۂ اختیار سے باہر ہوں۔ وہ ماہتاب کی دیبی بھی تھی، لیکن سورج کی طرح یہاں بھی افتراق مناصب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور چاند خاص طور پر ایک اور دیبی یعنی سلینے کی شکل میں پوجا جاتا تھا۔

جس طرح ہندوستان میں صبح صادق کی روشنی کی ابتدائی کرنوں کو دو مہربانی آمیز توام بھائیوں یعنی اشوین سے تشبیہ دی جاتی تھی، اسی طرح یونانی دیوسکوری کی پوجا کرتے تھے جو علاوہ صبح صادق کی روشنی کی ان شعاعوں کی حالت کے بھی قائم مقام تھے جو تاریکی کو پھاڑتی اور اچھے موسم کی پیش بندی کرتی ہیں۔ اسی طرح ہلکے بادلوں کی چمک دمک سے خاری تیس (یعنی حسن مجسم) کے تخیل کی بھی ابتدا ہوتی ہے۔ یونانی عقیدے کے مطابق ہوا کو بہت سی شکلوں اور صورتوں میں درجہ الوہیت حاصل تھا اور ان کے نام ایولوس، ہارپی، بوریاس وغیرہ رکھ دیئے گئے تھے۔ اسی طرح ہرمیس بھی جو جملہ دیوتاؤں میں سب سے شریرالنفس ہے، در اصل معبود بادہی ہے، اور اُس کی شرارت اس امر واقعی سے سمجھ میں آتی ہے کہ جملہ عناصر فطرت میں انسان کے لیے سب سے نقصان رساں ہوا ہی ہے۔ یہاں بھی حسب معمول نفس مضمون میں قدرتی حالات مضمر ہیں: ہرمیس اپولو کی مویشی چرا لیتا ہے۔

باب ۱۱

جو در اصل وہ بادل ہیں جنھیں ہوا نے منتشر کر دیا ہو۔ لیکن اپولو چور کو معاف کر دیتا ہے اور بجائے سزا کے اُسے چند تحائف یعنی عصا، پر دار جوتے اور ابر کی ٹوپی، سے مالا مال کرتا ہے۔ چونکہ تند ہوا سے سیٹی اور گانے کی آواز نکلتی ہے اس لیئے ہرمیس بانسری اور بربط کا موجد سمجھا جاتا تھا اور چونکہ ہوا نہایت تیز رو ہے اس لیے وہ مسافروں کا محافظ، روحوں کا رہبر، دیوتاؤں کا ایلچی، اور ذہنی تعلقات کا محرک تھا ؛

معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں پرومے تھیوس آگ کا دیوتا سمجھا جاتا تھا اور جس طرح ہندوؤں کے معبود اگنی نے اُتر کر انسانوں میں بود و باش اختیار کر لی اسیطرح پرومے تھیوس نے آگ کو طبقۂ ارضی پر لا کر انسان کو قربانی کرنا سکھایا، اور چونکہ آگ کے استعمال ہی سے تہذیب و تمدن اور شائستہ زندگی کا آغاز ہوتا ہے اسلیئے قدیم یونانی سمجھتے تھے کہ اسی دیوتا نے بنی نوع انسان کی رہبری شاہراہ ترقی پہ کی۔ لیکن ابتدا ہی سے وہ حلقۂ معبودین سے نکل جاتا ہے اور اس کے رتبے میں کمی پیدا ہو جاتی ہے اس لیئے کہ اس میں اور زیوس میں شروع سے معاندت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ فطری امر ہے کہ اس تنازع میں زیوس ہی کو فتح و نصرت ہو۔ پرومے تھیوس کے زوال کے بعد ہفائس توس آگ کا بہت بڑا دیوتا بنجاتا ہے ابتدا میں وہ بجلی کا قائم مقام ہے اور چونکہ وہ آسمان سے پھینک دیا جاتا ہے اس لیے وہ زمین پر آموجود ہوتا ہے۔ اٹیکا میں اُسے گھریلو آتش دان کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔ اس خطۂ یونان سے باہر آتش خانے کی ایک مخصوص دیبی ہسیتیا نامی تھی جو باکرہ تھی اور جس کی دیوتا اور انسان دونوں بہت عزت و توقیر کرتے تھے۔ اٹلی میں اُسے وِسْتا کہتے تھے اس لیئے ہم یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ جس زمانے میں یونانی اور اطالوی ایک ہی ملک میں رہتے تھے اس وقت دونوں قومیں اُس کی پوجا کرتی ہوں گی ؛

ہند و ایران کی طرح جہاں کے دیوتاؤں کو سوما یا ہوما شراب نہایت مرغوب تھی، یونانی دیوتاؤں کا کھانا پینا نکتار اور امبروزیا پر مشتمل تھا۔ اغلب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کا خیال یا تو شہد پر مبنی ہوگا جس کے خمیر سے ایک قسم کی شراب تیار کی جا سکتی تھی، ورنہ ممکن ہے کہ اس کی اصل "ایش" درخت کا رس ہو۔ حال میں

باب ۵

یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ یونانیوں کے نزدیک اس شراب کی تیاری کی نگہداشت اور اُس کے ساتھ جملہ نباتات کی نگرانی ایک مخصوص دیوتا کے سپرد تھی جسکا نام باکھوس یا دیونی سوس تھا اور جو زمانہ مابعد میں تاک انگور کا معبود بن گیا۔ باکھوس کی ماں سیمیلے ہے جس کے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ یونانیوں نے انگور کی کاشت کا علم فنیقیوں سے حاصل کیا ہوگا، لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ قدما کے نزدیک دیونی سوس تھریس ہوکر یونان میں آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ شراب کا علم اور انگور کی کاشت سے واقفیت یہ دونوں بالکل مختلف النوع امور ہیں۔ فنیقیوں سے یہ بعید نہیں کہ وہ یونانیوں کے ہاتھ شراب فروخت کرتے ہوں اور اس طرح یونانی اُس کے استعمال سے واقف ہوگئے ہوں، لیکن غالباً فنیقیوں نے انگور کی کاشت کا طریقہ یونانیوں کو سکھا کر اپنے منافع میں کمی نہ کی ہوگی، اور یہ بالکل ممکن ہے کہ انگور کی کاشت پہلے پہل تھریس کے جنوبی ساحل پر جہاں مارونیہ واقع تھا کی گئی ہو اور وہاں سے یونان میں رائج ہوگئی ہو۔

زیوس کا بھائی پوسئیڈون روئے زمین کے پانی کا دیوتا اور تمام چشموں کا مالک سمجھا جاتا تھا جو اُس کے ترسول یا پیگاسوس کے سُم کے مارنے سے پیدا ہوجاتے ہیں۔ چونکہ گھوڑے سے تیز رو چشمے مراد لیے جاتے ہیں اسلیے پوسئیڈون کو گھوڑے سے بہت شغف تھا۔ یونانیوں نے ایشیائے کوچک سے یہ سبق حاصل کیا کہ پوسئیڈون چشموں کا معبود ہے لیکن بحیرۂ ایجیین کے کنارے پر وہ اُسے معبود بحری سمجھنے لگے، اور یہاں انھیں اسکا اندازہ ہوا کہ گھوڑے سے تیز رو اور بظاہر سرپٹ دوڑتی ہوئی سمندر کی لہریں معلوم ہوتی ہیں، اور یہ لہریں آس پاس کے پہاڑوں کو گویا ہلا دیتی ہیں اس لئے پوسئیڈون کو زلزلہ آفرین بھی بتاتے تھے۔ یونان میں جو قومیں سمندر کے کنارے پر آباد تھیں وہ مختلف اطراف ملک میں پوسئیڈون کی پرستش کرنے کی غرض سے متحد ہوگئیں مثلاً اکائیہ کے شہر ہلی کے میں اس دیوتا کی پوجا کی جاتی تھی، بعض یونانی اسے خاکنائے کورنتھ پر پوجتے تھے اور جو یونانی خلیج سارون اور جزیرہ نمائے آرگولس میں رہتے تھے انھوں نے اُس کا معبد جزیرۂ کالوریا میں بنالیا تھا، نیز راس سونیئم پر بھی پوسئیڈون کا ایک بت کدہ بنا ہوا تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یونان کی تقریباً ہر ایک راس پر

باب ۱۱

ایک ایک بت خانہ بنا ہوا تھا۔ گو یہ تیقن کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے ہر ایک اسی معبود کے اعزاز میں بنایا گیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یونانیوں کو سمندر سے ایک خاص تعلق تھا، لیکن ساتھ ہی وہ طوفان سے ڈرتے تھے، اور اسی لیے ہر ایک راس پر کسی نہ کسی دیوتا کا ہونا لازم تھا تاکہ وہ انھیں اس طوفان سے بچالے۔ جب سمندر سکون پر ہوتا ہوگا تو یہ سفید یا رنگین صومعے کیا بہار دیتے ہوں گے اور انھیں دیکھ کر ملاحوں کے دلوں میں اس خیال سے کہ اُن کے معبود اُن کی حفاظت کی تدابیر سوچ رہے ہیں۔ کس قدر اطمینان ہوتا ہوگا۔

زمین کی دیبی کا نام گایا یا دمیتر تھا، اور موخر الذکر نام سے ہی اس کی اکثر و بیشتر پوجا کی جاتی تھی۔ یہ ثمر آور زمین کی معبودہ تھی جس نے انسان کو گوشت کاری سکھا کر اُسے تہذیب و تمدن کی شاہراہ پر لگا دیا۔ شہری زندگی کے ادارات بھی اُسے منسوب تھے اور اس حیثیت میں اُسے تھس موفوروس کہتے تھے۔ اس کی پوجا یونانی مذہبی اسرار میں شامل تھی، اور دوریانی حملے کے بعد جب لوگوں کو پہلے سے زیادہ مذہب کی ضرورت کا احساس ہونے لگا تو یہ بھی نہایت ضروری ہوگئی۔

یونانی قوم آریہ خاندان اقوام میں سے ایک تھی اور جس قدر وہ مغرب کی طرف سرکتی گئی اور بحیرۂ ایجین کے ساحل پر آباد ہوتی گئی اُسی قدر اُس کی اصلی خصوصیات میں اور بھی زیادہ تشخص پیدا ہوتا گیا۔ اُس کا مذہب محض قوانین قدرت پر مبنی تھا اور اس میں کسی قسم کا غلو نہیں پایا جاتا تھا؛ اس میں جو کچھ بھی اخلاقی عنصر تھا اُس کی حیثیت محض ثانوی تھی؛ اس میں پجاریوں کا کوئی خاص طبقہ نہ تھا اور عوام کی جانب سے خود اُنکے قبائلی سرداری ہی دیوتاؤں کے نام پر قربانی چڑھاتے تھے۔ عبادت کے وقت نغمہ سرا بھجن بھی گاتے تھے اور ان گانے والوں کا مخصوص سورما اورفیوس تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ تھریس میں پیدا ہوا تھا یعنی وہ اسی قوم کا فرد تھا جس نے باکھوس کے مسلک کو یونان میں رواج دیا اور جن سے میوزوں کی پوجا شائع و رائج ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان تھریسیوں کا تمدن نہایت ترقی یافتہ تھا، اور کہا جاتا ہے کہ ان کے مساکن دریائے ہبروس کے کنارے اور کوہ اولمپوس کے دامن پر ضلع پیئریا میں واقع تھے۔ زمانہ مابعد میں تھریسیوں کا بھی وہی حشر ہوا جو

باب۱۱ ایپایئروسیوں کا، اور جیسے زیوس کی پوجا کی ابتدا ایپایئروس میں ہوئی لیکن بعض اہل یونانی انہیں بربری تصور کرنے لگے، اسی طرح قدیم تھریسیوں کا تمدن تو نہایت اعلیٰ پیمانے کا تھا لیکن اُن کی اولاد بالکل غیر متمدن نکلی۔[۲]

اس آریائی طرزِ عبادت کو سامی تمدن سے بھی بہت کچھ مدد ملی جس کے بعض عناصر تو فینیقیوں نے یونان میں رائج کئے اور بعض براہ راست ایشیائے کوچک سے اخذ کئے گئے۔ **افرودیت** جس کی پوجا کے یونانی مرکز کیتھرا اور کورنتھ تھے دراصل اعلیٰ ترین معبودۂ قدرت کی **فینیقی** تشبیہ ہے اور اسی کو تمام سامی یونانی معبودوں میں سب سے زیادہ فوقیت حاصل تھی۔ چونکہ **ادونس** کی پوجا کو بھی **افرودیت** کی پرستش میں مخلوط کر دیا تھا اس لیے ممکن ہے کہ **ہیاکنتھس** کی پرستش بھی جو لقونیہ میں عام تھی، دراصل فینیقی الاصل ہی ہو۔ ادونس کی طرح ہیاکنتھس بھی ایک نوجوان کا نام تھا جسے موت نے عنفوانِ شباب ہی میں تمام کر دیا تھا اور فی الحقیقت یہ ایسی کاشت کی تشبیہ تھی جو دھوپ کی تمازت کی وجہ سے پختگی سے قبل ہی مردہ ہو گئی ہو۔

افرودیت کی طرح **آریس** کی پوجا کا ماخذ بھی فینیقیہ ہی معلوم ہوتی ہے جہاں آریس کو کادموس کی بیوی **ہارمونیہ** کا باپ اور آسے اور **افرودیت** کو کادموس کی نسل کا جدِ اعلیٰ بتایا جاتا ہے، لیکن اگر اُس کی چند صفات کا لحاظ

---

۲ عام خیال کے مطابق ان تھریسیوں کا جو ایجین کے شمال میں آباد تھے ان تھریسیوں سے جو اٹیکا اور بیوتیہ میں پائے جاتے تھے، علاوہ مشترک نام کے اور کوئی تعلق نہ تھا (برسیان: تاریخ یونان جلد ۱ صفحہ ۲۰۴ Bursian G.Gr.) لیکن ان دونوں قوموں کا سلسلہ پیئریا کے تھریسیوں سے ملتا ہے جہاں سے میوزوں کی پوجا کی ابتدا ہوئی۔ ان اسباب کی بنا پر ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اولین زمانے میں تھریسی قبیلے بحر اسود کے ساحل سے کورنتھ تک پھیلے ہوئے ہوں گے، انہیں نے چند مخصوص رسوم اور مسالک کو یونان میں رائج کیا، اور یہ یونان کے بحر زخار میں مخلوط ہو کر بالکل یونانی بن گئے؛ لیکن ان کا جو حصہ شمال میں آباد ہوا اُس کے تمدن میں ترقی معکوس ہونے لگی اور آخر کار وہ بالکل غیر مہذب ہو گیا۔

کیا جائے تو اس میں تھریسی معبودوں کی سی عادات ملیں گی۔ فنیقیوں کے رب الارباب دیگر یونانی معبودوں پر بھی اثر ڈالے بغیر نہ رہے اس لیئے کہ ہرقل اور ملکارٹ میں بہت کچھ مماثلت پائی جاتی ہے۔ اور زیوس لافیس ٹیوس حقیقت میں مولوخ کی ہی دوسری شکل ہے۔ اس کے برعکس امے زنون کے قصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یونانی مذہب پر اندرون ایشیا (غالباً کاپادوسیہ) کا بھی اثر پڑا ہوگا۔ بحر اسود کے ساحل پر کوماناؔ میں ما دیبی کا ایک مندر تھا جس کی پجارنیں جنگی ناچوں میں بہت مشاق تھیں، اور انھیں کے حالات سے ایسی عورتوں کے قصوں کی ابتدا ہوئی جو مردوں کی طرح جنگجو تھیں[۱]۔ ایک روایت یہ بھی تھی کہ امے زنون نے افی سوس کے حرم ارتےمس کی بنا ڈالی تھی۔ اس طرح ہم یہ قیاس کرسکتے ہیں کہ ارتمس کی پوجا کے شیوع سے امے زنون کے حملے کا خیال پیدا ہوا ہوگا یا یہ بھی ممکن ہے کہ امے زنون کے حملے اٹیکا اور ان کے تھیسیوس کے ہاتھوں شکست کے قصے کی مذہب کی تاریخ میں کوئی وقعت نہ ہو بلکہ دیگر حملوں کی طرح اس حملے کے حالات کا بھی محض اس لیئے اختراع کیا گیا ہو کہ اس سے ایتھنز کی عزت و توقیر میں اضافہ ہو اور ایتھنز کا مشہور سورما یعنی (تھیسیوس) ہرقل سے کسی طرح پیچھے نہ رہ جائے۔

یونانیوں کی ذہنی قابلیت میں کس کو انکار ہوسکتا ہے، وہ ہمیشہ ہر ایک کرشمۂ قدرت پر غائر نظر ڈالا کرتے تھے، اور ان کا مذہب درحقیقت ان کے ذہنی تخیلات کا آئینہ تھا۔ انھوں نے یہ محسوس کرلیا کہ انسان سے بالاتر بھی بہت سی قوتیں موجود ہیں اور ان قوتوں کا مظاہرہ گردوپیش کے فطری ردوبدل اور قدرتی واقعات کی تبدیلی سے ہوتا ہے لیکن بنی نوع انسان کی مختلف شاخوں کے حالات میں اس وجہ سے تنوع اور تضاد پایا جاتا ہے کہ یونانیوں کے ذہن میں بھی یہ تخیل نہیں پیدا ہوا کہ ایسا خدائے واحد بھی

[۱] اس کے برعکس امے زنون کی عادات و اطوار کی شمالی اقوام (مثلاً سکیت، سوروماتے اور مساگی تی) کی عورتوں سے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ ان کے حالات کے لیے روشر کی قاموس صفحہ ۲۷۵ (Roscher: Lexicon) میں امے زنون پر جو مضمون ہے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

باب ۱۱ موجود تھا جو جملہ ہیولائے فطرت پر کلیتہً حاوی ہو یا وہ یکہ و تنہا جملہ مخلوقات و کائنات پر حاوی ہو۔ یونانیوں کی دُنیا مناظر قدرت کی گوناگونی سے مرصع تھی اور ساتھ ہی انھیں اُن کی فطرت میں تمثیل و تشبیہ الٰہی قائم کرنے کا ایک خاص ملکہ حاصل تھا، اس لیے اُن کا ارباب پرست بن جانا کچھ بعید نہ تھا۔ کوئی بھی سیدھا سادہ شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ قوائے فطری کو مرتب و مہذب کرنے کے لیے کسی خاص انتظام کی ضرورت ہے، اور ممکن ہے کہ بعض تو اس نتیجے پر بھی پہنچ جائیں کہ یہ انتظام ایک خدائے واحد و برتر کا ہے، اور جس طرح انسانوں کا بادشاہ چھوٹے چھوٹے سرداروں کو مختار مجاز کی حیثیت سے حکمرانی کرنے دیتا ہے اسی طرح خدائے واحد و برتر بھی ہنگامی طور پر اپنے اختیارات چھوٹے چھوٹے معبودوں کے سپرد کر دیتا ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ خواہ دُنیا کے موحّد کچھ ہی کہیں، مصنف کتاب ہذا کا یہ خیال ہے کہ یونانیوں کی ارباب پرستی ان کے لیے حسب حال تھی۔ اس مذہب میں انھوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ ایک طرف تو انسان کی قسمت کا دار و مدار خدائے واحد پر ہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ نیک و بد دونوں قسم کے افراد کو اچھے اور بُرے واقعات پیش آتے ہیں جس کی اصل وجہ اُن کے نزدیک یہی ہو سکتی تھی کہ بہت سے معبودوں کے بہت سے افعال ایک دوسرے کے متضاد تھے اور اس طرح ہیولائے فطری نے بڑھتے بڑھتے ایسی شخصیتوں کی صورت اختیار کر لی جو اُنکے نزدیک اخلاق کی نگرانی کرتی تھیں۔

یہاں ہم ناظرین کی توجہ ایک اور امر کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ جب ہم یونانی دیوتاؤں کا تصور اپنی نگاہِ بینا کے سامنے لاتے ہیں تو ہمارے خیالات پر ان مذاہب کا اثر پڑتا ہے جو زمانۂ قدیم میں ہی قائم ہوئے تھے لیکن جنھیں ہم بہت زیادہ وسعت دے دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اتھینے کی شخصیت مخصوص ہے اور افرودیت اس سے بالکل متغائر ہے، لیکن جب کبھی ان دونوں دیبیوں میں سے کوئی تماشا گاہ پر نمودار ہوتی ہے تو دونوں کی شخصیت تقریباً ایک سی ہی نظر آتی ہے۔ یہ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جب یونان مہذب و متمدن ہو گیا اس وقت ممکن ہے کہ ان دونوں کے متعلق یہی عام رائے ہو، لیکن یہ حکم قدیم ترین یونانیوں پر صادق نہیں آتا۔ ابتدا میں تو ہر ضلع کا ایک معبود تھا اور جملہ اختیارات جو خدائے حکمراں کو حاصل ہونے چاہئیں سب

اُسے ہی حاصل تھے اور اُن کے نام اُن کی چند صفات کے امتیاز اور اُن کے پجاریوں کے سبب سے اُن کے خاص خاص نام پڑ جاتے تھے۔ اس اصول کو مدنظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اتھینے، ارتیمس اور افرودیت در اصل ایک ہی معبودہ کے نام تھے، اور مختلف زاویہ ہائے نگاہ اور اُن کے پجاریوں کی خصوصیات وضروریات کا اعتبار کرتے انھیں مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے۔ ساتھ ہی بعض وقت ایسا بھی ہوتا تھا کہ مختلف مقامات پر ایک ہی نام سے جو دیوتا مراد ہوتا تھا اُس کی صفات جگہ جگہ مختلف ہوتے تھے مثلاً افیسوس کی ارتیمس اور دیلوس کی ارتیمس کی شخصیت میں بہت کچھ فرق ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انفرادی معبودوں کی مقامی اہمیت کی وجہ سے ارباب پرستی کے اُن عناصر کا جو لغو اور بعید از فہم تھے ایک حد تک انسداد ہو جاتا تھا؛

غرضکہ خالص دینیاتی دور کے اختتام پر ہم دیکھتے ہیں کہ یونانیوں نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے۔ اُنھوں نے قدیم معبودوں کو ایک خاص شخصیت دیدی اور ساتھ ہی اپنے دیوتاؤں میں اضافہ بھی کر لیا ہے، نیز فنون لطیفہ میں استعداد پیدا کرکے ان کے میدان میں بہت کچھ آگے بڑھ گئے ہیں لیکن اُنکی قسمت میں یہ نہیں تھا کہ اس راستے پر اطمینان سے گام زن ہو سکیں اس لیئے کہ ایک ایسا اندرونی انقلاب ہونے والا تھا جس سے اُن کا کیا دھرا سب غارت ہونے کا احتمال تھا اور ساتھ ہی دیگر شعبوں میں ایک خاص تہیج پیدا کر دیا؛[۴۲]

[۴۲] اس باب کے واقعات کے لیے بھی کوئی خاص ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن طالب علم دینیات کے لیئے مفصلۂ ذیل کتب کا مطالعہ خالی از فائدہ نہ ہوگا: ڈنکر کی تاریخ قدیم (Duncker Geschichte des Alterthums) کا باب متعلق؛ شمڈٹ: "اخلاقیات یونان" (Schmidt: Ethik der Griechen)۔ آجکل قدیم مذہب یونان کی تاریخ مرتب کرنیکی بہت کچھ کوشش جاری ہے، اور پیٹرسن نے اپنی دینیات میں مخصوص طور پر یونانی زاویۂ نگاہ کو پیش نظر رکھا ہے، لیکن ولاسٹوف جیسے مورخوں نے (پرومیتھیوس، پنڈورا اور افسانۂ قرون Wlastoff Promethee, Pandore et la Legende des siecles

باب دوازدہم

دوریانی حملہ آور

ایشیائے کوچک کی نو آبادیاں

تقریباً ۱۱۰۰ ق م میں روزگار یونان میں ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا ہوتی ہے یعنی یونانیوں کی ایک قوم جس نے اس وقت تک کوئی کار نمایاں انجام نہیں دیا تھا، اپنے مسکنوں سے نکل کر جزیرہ نمائے پیلوپونیز پر حملہ آور ہوتی ہے اور اس حصۂ ملک پر قبضہ کر لیتی ہے۔ بدیسیوں کی اس مداخلت کی وجہ سے یونان میں ایک انقلابی کیفیت رونما ہو جاتی ہے، اور یہی ایک بڑی حد تک اُن کے جغرافی انتشار، اُنکے روئے زمین کے ایک حصے پر پھیل جانے اور اُن کے تمدن میں ترقی کا باعث ہوتی ہے۔ یہ قوم دوریانی تھی جو اس وقت تماشاگاہ عالم پر نمودار ہوئی، اور جب تک یونانیوں کی آزادی قائم رہی اُس وقت تک برابر وہ اپنی جنگی مہارت کا ثبوت دیتی رہی، اور بالآخر اپنی ہمسایہ (ایونیائی) قوم کی طرح اُس نے بھی تاریخ یونان پر اپنی خصوصیات

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ (بیٹر بیرگ ۱۸۸۳ء) نے یہ فرض کر لیا ہے کہ یونانی مذہب سے پہلے ایک پیلاسگی ایونیائی مذہب کا وجود تھا، اور اُس میں ایسے ہندو نما خیالات کا اضافہ کر دیا گیا جکا قائم مقام ہیسیود ہے۔ اس وقت تک یہ تمام کوششیں اس قدر ثمر آور نہیں ہیں کہ انھیں کسی بسیط تاریخ یونان میں جگہ دیجائی؛ یہاں صرف دو باتوں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو ممکن ہے کہ تاریخ مذہب کی تحقیقات میں اہم ثابت ہوں یعنی (۱) مُردوں کی پوجا جسکے لئے پ، گارڈنر کی دلچسپ رائے جو اسکے "ابواب جدید باب ۹ میں بھی گئی ہے، اور (۲) اوا ئے موتمیس (دیم دیوتاؤں) کی پوجا (فیوسٹل دو کولانژ Fuestel de Coulanges ولش ہوفر Milch hofer)

کی مہر کردی؛

گو جب تک دوریانیوں[1] نے پیلوپونیز کو فتح نہیں کر لیا اس وقت تک اُس کی مطلق کوئی وقعت نہ تھی، پھر بھی ہماری عین خواہش ہے کہ اس نہایت عظیم الشان قوم کے ابتدائی حالات سے ہمیں کوئی قطعی معلومات حاصل ہو جائے۔ ہیروڈوٹس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتیوٹس میں دیوکالیون کی سیادت میں اور کوہ اولمپوس کے قریب ہستیائیوس میں ہیلین کے بیٹے دوروس کی ماتحتی میں رہتے تھے، لیکن موخر الذکر ضلع سے انھیں کاڈموسیوں نے نکال دیا اور وہ آخرکار مقدونیوں کے نام سے کوہ پنڈوس پر جاکر آباد ہو گئے؛ وہاں سے وہ دریائے پنڈوس کے کنارے دریوپیوں کے ملک میں ہوتے ہوئے پیلوپونیز پر قابض ہو گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیروڈوٹس کا یہ بیان حقیقی واقعات پر کس حد تک مبنی ہے؟ دیوکالیون اور دوروس کی ماتحتی میں رہنے کی اتنی ہی تاریخی اہمیت ہے جتنی خود ان دونوں سورماؤں کی ہے۔ چونکہ کوہ پنڈوس کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے پنڈوس کے کنارے دریوپیوں کی جو آبادی دوریس میں تھی اس کا اس سے خلط مبحث ہو گیا ہے؛ باایں ہمہ ظن غالب یہ ہے کہ وہ تھسلی سے ہی آئے ہوں گے متقدمین نے بیوتیوں کے ترک وطن کے جو حالات چھوڑے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں اقوام کی رفتار شمال سے جنوب کی طرف کو تھی۔ ہم سنتے ہیں کہ بیوتی ابتدا میں تھسلی میں رہتے تھے لیکن انھیں تھسالویوں نے جو تھس پروتیا سے آئے تھے، اُن کے مسکن سے (جو وادی پے نائیوس کے ضلع آرنے میں واقع تھا) نکال دیا اور خود اس

[1] ک، او، میولر: "دوریانیاں"، اشاعت دوم جلد ۲، برلن ۱۸۴۴ء (K.O. Mueller Die Dorier) دوریانیوں کی ابتدائی تاریخ کے لیے ہیروڈوٹس (۱/۵۶) کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو انھیں "خانہ بدوش قوم" کا لقب دیتا ہے؛ اور اسی فقرے میں وہ نیز ۸/۴۳ میں وہ دوریانی قوم کو "مقدونوی" بتاتا ہے؛ بلاشبہ اس سے اُسکا مطلب اُن مقدونیوں سے ہوگا جو باقی ماندہ دوریانیوں سے کوہ اولمپوس پر جدا ہو گئے تھے۔

باب ۲

خوبصورت وادی کے مالک بن بیٹھے جو جزیرۂ پیندوس کے مشرق میں واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب واقعات جنگ ٹروائے کے ساٹھ سال کے بعد پیش آئے[1] تھسالوی حملے اور بیوتیوں کے جنوب کی طرف ہٹ جانے کا دوریانیوں کے تھسلی میں داخل ہونے سے خاص تعلق ہے، اور اس میں جو خیال مضمر ہے وہ یہ ہے کہ تھسالویوں نے دوریانیوں سے اُن کے مساکن خالی کرائے[3] بہرحال اُن واقعات کی کوئی سند نہیں، اس لیے ہمیں یہ فرض کرنے پر قناعت کرنی چاہیے کہ کسی خاص زمانے میں، جس کا قطعی تعین تو ممکن نہیں، لیکن جو ۱۱۰۰ ق م کے قریب ہی ہوگا، ارض یونان میں بڑی بڑی قومی تحریکات وقوع پذیر ہوئی تھیں، جس کی وجہ سے پہلے تو وادی سپے نائیوس کی آبادی، اس کے بعد وسطی یونان کی اقوام، اور پھر پیلوپونیز کے

---

[1] بیوتیوں کے بیوتیہ میں بود و باش اختیار کرنے کے واقعات کے لیے طوسی دیدش ۱، ۱۲ کا مطالعہ کیا جائے۔

[2] عام طور پر ہیرقل کے زمانے کے دوریانیوں کا وطن ہستیائیوتس سمجھا جاتا ہے (ڈنکر ۵، ۱۴۴) اس کے برعکس استرابو (۲۲۴) کہتا ہے کہ اس بعید زمانے میں اُن کی بود و باش کوہ ایتہ پر، یعنی دوریس میں تھی ... بلاشبہ اُن کے اور لاپتھیوں کے درمیان جو جھگڑا ہوا اس کے لیے شمالی تھسلی ہی زیادہ موزوں تھی، لیکن اس کے برعکس اگر دوریانیوں کا فرمانروا ائےگیمیوس کی مدد سے ہیلوس ہستیائیوتس کا بادشاہ بن گیا، اور افسانوں کے بیان کے بموجب اگر اُس نے اس سے پہلے ہی پیلوپونیز کے مسخر کرنے کی کوشش کر لی تھی، تو پھر اُسے کوہ پیندوس اور دریوپیس میں "قیام" کے لیے بہت ہی کم وقت بچا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنی میراث کے حصول کے لیے تھسلی سے براہ راست آرگوس گیا ہو، لیکن اس کا تعلق تاریخ کی بہ نسبت افسانے سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ سب باتیں اس امر کا مزید ثبوت ہیں کہ خوبصورت یونانی افسانوں کی مدد سے تاریخ مرتب کرنا اور واقعات کا تسلسل قائم کرنا ہم انسانوں کا کام نہیں۔ اِسترابو ہومر کا اتباع کرتے ہوئے کہتا ہے (۹، ۴۰۱) کہ جب اورس تیس کی اولاد ایشیا جاتی ہوئی آؤلس پہنچ چکی تھی تو اُس وقت بیوتی قوم (جس کا اُس وقت یہ نام نہ تھا) بیوتیہ سے تھسلی آئی اور پھر واپس بیوتیہ ہوئی، جس پر بیوتی پیلاسگی ایتھنز اور تھریسی پارناسوس چلے گئے۔

باشندوں کی از سر نو ترتیب عمل میں آئی:

ان واقعات کے بعد تھسالوی قوم وادی پے نائیوس میں آباد ہو گئی جہاں سے وہ اپنی ماتحت اقوام (مثلاً کوہ اولمپیوس کے جنوبی دامن میں پرھیبی، کوہ پے لیون پر ماگنے تی، از نجیرۂ پندوس پر دولوپی، اور کوہ اوتھریس پر اے ئنیانی اور فیتوتی اکائیانی) پر حکومت کرنے لگی۔ وسطی یونان میں دوریانی دریائے پندوس کے کنارے پر دریوپیوں کے ملک پر قابض تھے، اور بیوتی کوپائی جھیل کے چاروں طرف رہتے تھے جہاں اورخومینوس کی بجائے تھیبز کو فوقیت حاصل ہو گئی تھی۔ لیکن ان سے بھی زیادہ تبدیلیاں جزیرہ نمائے پیلوپونیز میں ہوئی تھیں، جس کی تسخیر کا سہرا صرف دوریانیوں کے سر ہی نہیں بلکہ اُن کے ساتھ ہرقل کی اولاد بھی شامل ہو گی اس لیئے کہ روایت کے بموجب وہی اس وقت دوریانیوں کی سرتاج تھی۔ یہاں ہم پھر افسانے میں غوطہ لگاتے ہیں، لیکن یہ افسانہ ایسا ہے کہ اس کا یونان کے سیاسی اور تاریخی تخیلات پر بہت کچھ اثر پڑا اور یہ اثر یونانی آزادی کے اختتام تک برابر قائم رہا۔

دوریانیوں کے حکمران اے گیمیوس نے لاپتھیوں پر فتح کشتی کی جس پر ہرقل نے دوریانیوں کی مدد کر کے اُن کے مدمقابل کو شکست تو دیدی لیکن اس حصۂ ملک پر قبضہ نہیں کیا جس کی حوالگی کا اُس سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اس سورما کے انتقال کے بعد اے گیمیوس نے از راہ تشکر و امتنان اُس کے بیٹے ہیلوس کو اپنا ولی عہد بنایا، اور اس طرح ہیلوس اور اُس کے پسماندوں کو وہی حقوق حاصل ہو گئے جس کے وہ خود اولاد ہرقل کی حیثیت سے مستحق تھے۔ ان حقوق میں شہر و ضلع آرگوس کی حکمرانی بھی شامل تھی اس لیئے کہ بجائے موجودہ بادشاہ یوریس تھیوس کے یہاں کی راجدھانی پر ہرقل کو ہی استحقاق تھا۔ اسی طرح چونکہ ہرقل نے تیندار یوس کو مدد دی تھی اس لیئے کہ اُس کی اولاد کا اسپارٹا پر بھی حق سمجھا گیا۔ ایلس میں بھی ہرقل نے اوگیاس کو شکست دے کر نسطور کو پیلوس کے تخت پر بٹھا دیا تھا، اس لیئے اُس کی اولاد کو یہاں کے تخت کا دعوے کرنے کا گویا حق پیدا ہو گیا۔ غرض یہ ہے کہ اگر دوریانیوں میں پیلوپونیز کو مسخر کرنے کی اہلیت تھی تو مفصلۂ بالا حقوق کو پیش کرنے

باب ۱۲ اور ان کے ذریعے سے پیلوپونیزی اقوام کو زیر کرنے کا انھیں پورا موقع مل گیا۔[1]

اس سے پیشتر ایک مرتبہ جب ہیلوس نے پیلوپونیز فتح کرنے کی کوشش کی تھی تو اُسے دیلفی کی کاہنہ کی طرف سے یہ جواب ملا تھا کہ ہرقلیوں کو تیسرے پھل کا انتظار کرنا چاہیئے، جس کا اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ شاید کاہنہ کی مراد تیسرے سال سے ہے، یہ وقت گزر جانے پر خاکتائے کے راستے جزیرہ نما پر حملہ کر دیا تھا۔ لیکن صرف ایک ہی معرکے میں یہ مہم ختم ہو گئی اور ہیلوس ایخے موس ساکن تگیہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس ناکام کوشش کے بعد ہرقلی چار و ناچار واپس آئے اور اٹیکا کے شہر ماراتھون میں بود و باش اختیار کر لی۔ ہیلوس کے بیٹے کلیوڈائیوس نے از سر نو پیلوپونیز فتح کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اور اسی طرح جب اُس کے بیٹے ارسطوماخوس نے حملہ کیا تو اُس کا بھی بجنسہ یہی حشر ہوا۔ ارسطوماخوس کے تین بیٹے تھے نوس، کریسیفونتیس اور ارسطوڈیموس کہتے جن میں سے موخرالذکر نے دیلفی والوں سے یہ شکایت کی کہ جس مہم کی خود معبودوں نے اجازت دیدی تھی اُس میں اتنی پے در پے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے؛ اس کا اُسے یہ جواب ملا کہ

---

[1] ہرقلیوں کی مہمات کی افسانہ آمیز تاریخ کے لیئے اپولودوروس ۲، ۷ و ۸ کا مطالعہ کیا جائے۔ اُن سے تین داریوس نے جو وعدے کیئے تھے وہ دیودوروس ۴، ۳۳ میں مذکور ہیں۔ پیلوپونیز پر دوریانی دعاوی کا افلاطون کی کتاب "النوامیس" ۳، ۶، ص ۶۸۲–۶۸۶ میں ذکر ہے؛ اس کے علاوہ ایسُقراطیس کی کتاب "آرکی داموس" ۱۱۹ و ۱۲۰ میں اور بھی ایسے واقعات ملیں گے جن میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ہر ایک بیان کی حیثیت مساوی ہے، اور مسلمہ روایت افلاطون اور ایسُقراطیس سے زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، اور اصل یہ ہے کہ سب کے سب افسانے ہیں جن کے موافق یا مخالف ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ ایتولیا کی جاں بازیوں کے لیئے استرابو ۷، ۳۵۷ اور پیوسائناس ۵، ۳، ۴ دیکھے جائیں۔ طوسی دیدیش (۱، ۱۲) کا بیان ہے کہ دوریانی پیلوپونیز میں جنگ ٹروا کے ۸۰ سال بعد داخل ہوئے۔ اپولودوروس کہتا ہے کہ اوکسی لوس یک چشم تھا، لیکن پیوسائناس (۵، ۳، ۵) کہتا ہے کہ بجائے اُس کے اُس کی سواری کا خچر بھی کانا تھا۔

وہ لوگ تیسرے "پھل" کا مطلب ہی نہیں سمجھے، اصل میں اس کے معنی تیسری پیڑھی کے ہیں جواب آگئی ہے اس لیے انھیں چاہیئے کہ اب وہ بجائے خاکنائے کے راستے کے نوپاکتوس ہو کر پیلوپونیز جائیں اور جس شخص کی تین آنکھیں ہوں اُسے اپنے ساتھ لے لیں۔ طوسی ویدیش کا بیان ہے کہ جنگ ٹروائے سے اسی سال بعد انھوں نے اس ہدایت پر عمل کیا؛ راستے میں اُنھیں ایتولی اُوکسی لوس مل گیا جو یک چشم تھا اور جو گھوڑے پر سوار تھا، اس طرح گویا ڈیلفی والوں کی ہدایت کی تکمیل ہوئی اس زمانے میں اسپارٹا اور آرگوس پر تسامینوس حکمراں تھا جو اورس تیس اور ہرمیونے (دختر مینے لائوس) کا بیٹا تھا۔ اُوکسی لوس نے ہرقلیوں سے طے کر لیا تھا کہ اگر انھیں اس مہم میں کامیابی ہوگی تو وہ الیس کا تاج اس کے حوالے کریں گے، اور چونکہ اُسے خوف تھا کہ اگر انھوں نے اس ملک کی خوبصورتی کا اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا تو ممکن ہے کہ وہ اپنے وعدے کا ایفا کرنے میں تامل کریں اس لیے وہ انھیں الیس کے بجائے آرکیڈیا ہو کر لے گیا لڑائی میں تسامینوس کو شکست ہوئی اور اکائیائی اپنے ملک کے شمال کی جانب جہاں ایونیائی آباد تھے ہٹ گئے۔ اُوکسی لوس نے الیس کو ایک جنگ میں جسمیں ایتولی پی رائخ موس نے ویاک مینوس کا دست بدست لڑائی میں خاتمہ کر دیا، فتح کر لیا۔ فاتحوں نے آرگوس، لقونیہ اور مسینیہ کو قرعے کے ذریعے سے ٹیمے نوس، کریستوفانتیس اور پسران ارسطودموس یعنی یوریس تھینیس اور پروکلیس کے مابین تقسیم کر لیا، لیکن کریستوفانتیس چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سے مسینیہ کا زرخیز علاقہ اُسی کے حصے میں آئے، اور اپنی خواہش ایک چال چل کر پوری کی۔ قدیم روایات کے بموجب فتح پیلوپونیز کے واقعات کا یہ نیا شہر نوپاکتوس کے نام سے چلتا ہے جو خلیج کورنتھ کے سب سے تنگ حصے پر واقع ہے؛ اسی مقام پر دوریائیوں نے اپنے جہاز تعمیر کئے اور یہیں اسپارٹی کارنیا کا میلا صرف اس وجہ سے لگایا جاتا تھا کہ اسی میدان میں ایک زاہد و متقی شخص کارنوس مارا گیا تھا؛

اگر ان افسانوں میں تھوڑی بہت تاریخی حقیقت مضمر ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ

باب ۱۲

ممکن ہے کہ حملہ آور قوم انھیں راستوں سے پیلوپونیز آئی ہو جن کا اس میں تعین کیا گیا ہے، اور اُس نے خلیج کورنتھ کو نوپاکتوس ہو کر ہی عبور کیا ہو اور وہاں سے مشرق اور جنوب کی طرف آرکیڈیا ہو کر مشرق اور جنوب کی طرف گئی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں دونوں جنوبی دوریانی ریاستیں ذرا شمال کی طرف واقع ہوں گی اولین عہد میں پائے تخت ستے نی کلاروس تھا اور اسپارٹا اس قدر طاقتور نہ تھا کہ فوراً امیکلائی کو ذرا جنوب کی طرف واقع تھا، فتح کر لیتا۔[۵۵] ممکن ہے کہ دوریانیوں نے آرگوس پر مغرب کی جانب سے بھی حملہ کیا ہو، لیکن بلاشبہ دوسری طرف سے بھی ضرور چڑھائی کی ہوگی اس لیے کہ اُن کا مرکز قلعہ تمے نیوم تھا جو ساحل پر واقع تھا۔[۵٦] اس لیے ہمیں یا تو یہ فرض کر لینا پڑیگا کہ دوریانی وہاں جہازوں میں پہنچے ورنہ کم از کم اُن کے پاس سامان خورد و نوش ضرور ساحل ہو کر آیا ہوگا، اور اسی قسم کے حالات و واقعات تسخیر کورنتھ کے وقت بھی پیش آئے ہوں گے۔ اس اہم اور مشہور تجارتی منڈی پر جس میں اُس وقت ایوتیانی آباد تھے، ہرقلی الی تیس[۵۷] نے سولی گیوس قلعے سے جو خلیج کنکریائے پر[۵۸] واقع تھا، حملہ کیا اگر ان واقعات کو

---

[۵۵] پولی آئے نوس (۱، ۱۰) کے نزدیک ہرقلیوں نے لقونیہ آرگوس سے فتح کیا۔

[۵٦] تمے نیوم کے لیے پیوسانیاس ۲، ۳۸، ۱، اور پولی آئے نیوس ۲، ۱۲ کا مطالعہ کیا جائے۔

[۵۷] دراصل الی تیس ایسے فینیقیوں کا قائم مقام ہے جو کسی خاص ملک سے وابستہ نہ تھے اور جو ابتدائی زمانے میں ہی کورنتھ آکر آباد ہو گئے لیکن زمانہ مابعد میں، یہ نام دوریانیوں کے ایسے رہبر کو دیا گیا جس سے کوئی واقف بھی نہ تھا۔ روشر کی قاموس (Roscher: Lexicon) میں وٹش (Witisch) کا مضمون صفحہ ۲۳۹ دیکھا جائے۔ Vell-Pat (۱، ۱۳) کے نزدیک دوریانیوں نے کورنتھ کو ممیوس کی تباہی سے ۹۵۲ برس کے بعد یعنی ۱۰۹۸ ق م میں فتح کیا تھا۔

[۵۸] فتح کورنتھ کے لیے حلوسی وبدش ۴، ۴۲، ۳۴۔ اس مسئلے کو حل کرنے کیلئے کہ آرگوس کیونکر مسخر ہوا ہوگا، ہمیں اس امر کا لحاظ کرنا چاہیے کہ میکے نائی سے قریب جبکہ ترمی تون سے

پیش نظر رکھا جائے تو ہم یہ فرض کر لینے پر مجبور ہوں گے کہ ایونیائیوں کو سمندر سے اس قدر مغائرت نہ تھی جتنی کہ تاریخ یونان کے ترتیب دہندوں نے فرض کر لیا ہے، اور ہم فتح پیلوپونیز کی بابت اس رائے کو تسلیم کر لیں گے اس جزیرہ نما کی تسخیر صرف ایک لڑائی سے ہوئی، یہی خیال آج کل عام طور پر پسند کیا جاتا ہے اور اس کے خلاف نسابوں نے جن واقعات کا اپنی تحریروں میں ذکر کیا ہے اون کی کوئی اصلیت نہیں۔ حقیقت واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو سپاہیوں کی مختلف ٹولیوں نے مسخر کیا ہو گا جن میں سے بعض تو ایتولیہ سے الیس اور وہاں ہو کر آرکیڈیا کے راستے جنوب کی طرف، بعض دورس سے پیلوپونیز کے مشرق کو اور چند جہازوں پر سوار ہو کر اور بیوتیہ اور اٹیکا کا دور کر کے اپنی منزل مقصود تک پہنچے ہوں گے ۹؎

تسامینوس کی سیادت میں آرگوسی اکائیائیوں نے ان ایونیائیوں (یعنی برائے نام ائی گیائیوں) کو جو خلیج کورنتھ پر قابض تھے، اپنے مساکن سے نکال دیا، اور خود بارہ شہروں میں آباد ہو گئے۔ یہ خارج الوطن ایونیائی اٹیکا بھاگ گئے جہاں اونھیں (قدیم روایات کے بموجب) اپنی مثل کے اور فراری یعنی پیلوسی کے نیلیوس کی اولاد سے تھے اور مشہور رشی نسطور کے عزیزوں میں ہوتے تھے؛ ان کا سردار میلانتھوس تھا جو ایتھنز پر بھی حکومت کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ الے تیس نے جب کورنتھ کو فتح کیا ہے ۱۰؎ تو اس وقت دوروس

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ اسکی وجہ سے شمال کی طرف کے حملے کی مشکلات میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہوگا؛

۹؎ گروٹ (۱، ۵۵۵) بھی اس رائے سے متفق ہے کہ پیلوپونیز کی تسخیر میں ایک بیڑے نے مدد دی جو خلیج مالس سے چلا اور اسی راستے ہو کر، جو دریوپیس نے اختیار کیا تھا پیلوپونیز آیا؛

۱۰؎ تسخیر کورنتھ کیلئے پوسانیاس ۲، ۴، ۳ Con ۲۶ - الے تیس کے متعلق دیگر روایات کیلئے Dur کا مطالعہ کیا جائے۔ الے تیس نے قدیم ایفرا کو عظیم الشان کورنتھ کا لقب دیا تھا

باب ۱۲ اور ہیپانتی داس فرماں روا تھے۔ جزیرہ پیلوپونیز کے شمال و مشرقی گوشے کی فتح کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ[۱۱] تمے نوس شاہ آرگوس کے متعدد بیٹے اور ایک بیٹی تھی جسکا نام ہیر تھو تھا جس نے ہرقل کی نسل کے ایک فرد دئی فون تیس سے شادی کرلی تھی۔ لڑکی کا باپ اپنے داماد کا بہت کچھ پاس و لحاظ کرتا تھا اس لیئے اُس کے بیٹوں نے حسد میں بھر کر اپنے باپ کو جان سے مار ڈالا اور اس کی جگہ انھیں میں سے ایک یعنی کمی سوس آرگوس کا بادشاہ بن گیا۔ ادھر دئی فون تیس نے ایپی داوروس پر قبضہ کرکے اس کے باشندوں کو اٹیکا بھاگ جانے پر مجبور کیا اور ایونیا نیوں نے ائی گینا فتح کرکے ساحل پیلوپونیز کے جنوب و مشرق میں ایک نیا آیپی داوروس آباد کیا۔ تمے نوس کے چوتھے بیٹے اگا ئیوس کو تروے زینے کے ایونیانیوں نے اپنے شہر میں خوش آمدید کہا، اور دوسرا بیٹا فالکس سکیون گیا جہاں اُس نے ہرقلی لاکستا داس کے ساتھ مل کر حکومت کی باگ سنبھالی۔ فالکیس کے بیٹے رھگنی داس نے فلیوس پر چڑھائی کی اور اسے تسخیر کرلیا۔ جب دریوپیوں کو کوہ پارناسوس کے دامن سے بھاگنا پڑا تو وہ ہرمیو نے اور ازینے چلے گئے جو آرگوسی اکتے میں تھا۔ واضح ہو کہ دوریانی پے نیوس یا الفیوس پر یعنی جزیرہ نما کے مغربی حصے پر کبھی اثر نہیں ڈال سکے، پے نیوس کی وادی میں ان کے حلیف یعنی ایتولیوں نے ایلس آباد کیا اور دریائے الفیوس کے کنارے کنارے شہر پی زا تک اپنا اقتدار قائم کرلیا جس کی اہمیت دوریانی حملے کے زمانے سے گھٹنے لگی۔ آرکیڈیا پر بھی دوریانی حملے کا مطلق کچھ اثر نہیں پڑا اور یہ ضلع نہ صرف مسلسل آزاد اور خود مختار رہا بلکہ اپنی اجتماعی کیفیت میں بھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

[۱۱] شمال و مشرقی پیلوپونیز کے قبضے کے لیئے مفصلۂ ذیل کا مطالعہ سودمند ہوگا۔ پئوسانیاس ۲، ۱۹، نکیاس ساکن دمشق، جزو ۳۸، ۴۱؛ پئوسانیاس ۲، ۲۶، ۲۔ تروے زینے Scymn ۵۳۳۔ فلیوس، پئوسانیاس ۲، ۱۳، ۱، ۲۔ دریوپی، ہیرو ڈوٹس ۱، ۵۶، ۷، ۳۰، ۸، ۴۳؛ پئوسانیاس ۷، ۴۳، ۹؛ ۵، ۱، ۲۔

باب ۱۳

نقل وطن کی تحریک میں دوریانی حملے کی وجہ سے جو تہیج پیدا ہوا اس کا زور یورپ ہی میں ختم نہیں ہوا بلکہ اُس سے ایشیائی ساحل اور بحیرۂ ایجیین کے بہت سے جزیرے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جزائر میں سے صرف اُن پر ہی قبضہ کیا گیا جو ارض یونان سے بعید ترین تھے، یا یہ کہنا چاہیئے کہ صرف انھیں کے قبضے کا حال ہم تک پہنچا ہے؛ قریب ترین جزائر، جیسے جزائر مدوؔر کو (علاوہ چند مستثنیات کے جن پر دوریانیوں نے قبضہ کر لیا) پہلے تو کاریانیوں کے جزوی قبضے میں چھوڑ دیا گیا اور پھر ایونیانیوں نے ان میں آہستہ آہستہ اپنی نوآبادیاں قائم کر لیں۔ جہاں تک روایتی تاریخ کا تعلق ہے، ایشیائے کوچک کے سواحل اور جزائر کی نوآبادمتعمرات کی تاریخ مفصلۂ ذیل ہے:[۱۱۳]

[۱۱۳] سواحل ایشیائے کوچک کی آبادکاری کا سنوی تعین ناممکنات سے ہے۔ روایتی بیان کے بموجب متعمرین تین مختلف راستوں سے آئے، اور ان کا سنوی تعلق مفصلۂ ذیل بیان کیا گیا ہے: تینوں میں سے سب سے پہلی قوم جو ایشیا آکر آباد ہوئی ایولیائی تھے اور ان کے تقریباً ساتھ ساتھ ایونیانی اور دوریانی بھی آکر بس گئے۔ نام کے پلوٹارک کی بعد سوانح عمری ہومر کے مطابق لسبوس کی نوآبادی ٹروا کے برباد ہونے سے ۱۳۰ سال کے بعد، اور ایک اور شخص کے بیان کے بموجب ایونیانی نوآبادی اُس کے ۱۴۰ سال بعد قائم ہوئی۔ حقیقت امر یہ ہے کہ ان واقعات کی تکمیل میں ایک عرصۂ دراز لگ گیا ہوگا۔ چونکہ پچھلے چند سالوں میں تمام متمدن ممالک میں، خصوصاً انگلستان، فرانس، جرمنی، آسٹریا اور امریکہ میں ایشیائے کوچک کی تاریخ دریافت کرنے کے جوش اور ایک دوسرے سے مقابلے کے احساس میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے اس لیئے ہماری معلومات بہت کچھ وسیع ہو گئی ہیں، اور اس میں ایسے محققوں کا ذکر کیئے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے اس میں نہایت تحقیق و تدقیق کی ہے یعنی ہملٹن، فیلوز، نیوٹن، وڈ، ریمزے، پیرو، واڈنگٹن، رایے، شلی مان، ہومان، کرتیوس، ہرشفیلڈ، پخشتائن، بینڈورف، کلارک وغیرہ (Hamilton, Fellows, Newton Wood, Ramsay, Perrot, Waddington, Rayet Schliemann, Humann, Curtius, Hirschfeld, Puchstein, Benndorff, Clarke, etc,

باب ۱۲

ان میں سے سب سے شمال میں جو نوآبادیاں تھیں وہ ایونیانی کہلاتی تھیں، اور اُن کی بنیاد پیلوپونیز کے ان اکائیائیوں نے ڈالی تھی جو یا تو دوریانیوں کے حملے کی وجہ سے بھاگ گئے تھے ورنہ اس واقعے سے پیشتر ہی اپنا وطن چھوڑ کر مشرق کی طرف چلے گئے تھے۔[۱۳] ہیلانیکوس کا بیان ہے کہ خود اورس تیس نے لسبوس کی نوآبادی کی بنیاد رکھی تھی۔ استرابو کے قول کے مطابق، جس نے غالباً ایفوروس کی رائے کا اتباع کیا ہے، اورس تیس ہی اس مہم کا سرغنہ تھا، لیکن اس کا انتقال آرگیڈیا میں ہوا جس پر اوس کے بیٹے پنتھی لیوس اپنے ساتھیوں کو بیوتیہ اور تھسلی ہو کر تھریس لے گیا۔ اور اس کی وفات کے بعد

[۱۳] لسبوس کے آباد کار اورس تیس کے لئے ہیلانیکوس جزو ۱۱۴ دیکھا جائے۔ ایونیانی نوآبادیوں کا تذکرہ استرابو ۱۳، ۸۲ ۵ میں ہے لیکن صاف نہیں ہے، نیز ۱۳، ۱۲۲ میں بھی حوالہ دیا ہوا ہے اور یہاں ونیز ۹، ۴۰۲ پر کیمے کا بیان دیکھا جائے جو پوسانیاس ۳، ۲، ۱، ۲، ۱۸، ۱۶، اور دیو دوروس ۵، ۸۱ میں بھی دیا ہوا ہے۔ لسبوس کیلئے دیکھو پلیہن: لسبیاکا (Plehn:Lesbiaca برلن ۱۸۲۶ء۔ "کوتزے: سفرنامۂ جزیرۂ لسبوس (A.Couze: Reise nach Inseln Lesbos ہانوور ۱۸۶۵ء۔ سمرنا کیلئے ہیروڈوٹس" ۱۵۰، استرابو ۱۴، ۶۳۳/۶۳۴، لین: سمرنا، گیوٹنگن ۱۸۵۱ء۔ ہیلوناس: معاملات سمرنا (Mylonas:De Smyrn. rebus)۔ گیوٹنگن ۱۸۶۶ء کرتیوس: تحقیقات ۱۸۷۲ء (Curtius Beitrage)؛ ویبر: سپی لوس، پیرس ۱۸۸۰ء (Weber: Le Sipylos) جنوبی مگنیشیا کو جو دریائے میاندر پر واقع ہے استرابو ایونیانی بتاتا ہے (۱۴، ۶۴۷) اور بعض مورخ اسے "نوآبادی دیلفی" کا لقب دیتے ہیں (Ath ۴، ۱۷۳) اگر ایشیائے کوچک اور لسبوس کی ایونیانی بولی اور شمالی تھسلی اور بیوتیہ کی بولیاں ایک ہی زمرہ میں رکھی جا سکتی ہیں (بروگ مان "قواعد زبان یونانی" ۱، میولر کی بیاض علوم قدیم جلد ۱ صفحہ ۱۳، (Brugmann: Griech. Gramm-in I. Mueller's Handbuch d.Klass. Allerthums) تو پھر اکائیہ کے تارکان وطن کا قصہ مشتبہ ہو جائیگا۔

وہ اُس کے بیٹے کے ساتھ پر وپوٹیتس کے شہر دا ئسکی لیون آکر رہنے لگے یئنتھی لیوس کے پوتے گراس نے لسبیوس کا زرخیز جزیرہ (جس میں متعدد عمیق خلیجیں تھیں) آباد کیا اور بہت جلد اس میں پانچ مشہور شہر یعنی متی لنہ، متھیمنا، ان تیسا، ایرے سوس اور ریرھا آباد ہو گئے، اسطرف ایکائیایئیوں کا ایک اور گروہ کلیو آس اور مالاؤس کی سرکردگی میں لوکرس ہوتا ہوا ایشیا آیا اور یہاں کیمے آباد کر کے لوکرس کے کوہ فری کون کے نام پر (جہاں کے باشندے آبادکاروں میں شامل ہو گئے تھے) اس کا نام فری کونِس رکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کیمے ہی کے باشندوں نے جاکر سمرنا آباد کیا ہوگا جو ایولیائی نو آبادیوں میں سب سے جنوبی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ایولیائیوں اور ایونیائیوں کے درمیان مابہ النزاع رہا۔ شہر کوہ سپی لوس کے جنوب میں اس خلیج کے اندرونی گوشے میں آباد کیا گیا جس میں آکر دریائے ہرموس گرتا ہے اور اس طرح یہ لدیہ کے پائے تخت سارڈس کا گویا بندرگاہ بن گیا۔ اندرون ملک میں اسی کوہ سپی لوس کے شمالی ڈھلاؤ کی طرف شہر مگنیشیا واقع تھا جو شائد تھسالوی مگنیٹیوں کی نو آبادی ہوگی، لیکن یہ اتنا مشہور نہ تھا جتنا اُس کا ہمنام جو دریائے میاندر کے کنارے پر واقع تھا اور جسے خاص طور پر ایولیائی کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لسبیوس کے سامنے والے ساحل پر اس کے قریب ہی، و نیز دریائے ہرموس کی طرف بجانب جنوب متعدد ایولیائی بلدیات تھے[۱۱] اس سلسلے میں آخری بات

---

[۱۱] ہیروڈوٹس (۱، ۱۴۹) ایشیا کے بارہ اقلیمی شہر شمار کرتا ہے۔ ان میں سے حال ہی میں اشیائے گلی کے برآمد ہونے سے میرینا کے متعلق بہت کچھ معلومات کا اضافہ ہوا ہے (۱، پوتی اسے وس، رے ئناش: وو قبرستان میرینا، (A.Pottier et S. Reinach: Lanecropolede Myrina پیرس ۱۸۸۶ء)، لیکن اس کے ایولیائی ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اس شہر کی اہمیت کا باعث یہ تھا کہ یہ ایک بلند پہاڑی پر جو سمندر اور زرخیز وادی کے درمیان تھی، واقع تھا، اور حال ہی میں امریکیائیوں نے

باب ۱۲ یہ کہنی ہے کہ ضلع ٹرواسئے اور جزائر تینے دوس و ہیکا تو نے سوس بھی ایولیائی تھے؛ گویا کہ ایولیائی اراضی ہیلیس پونت سے دریائے ہرموس تک پھیلی ہوئی تھی، اور ان جملہ بلدیات کا نام ایولی غالباً ان مختلف عناصر کا امتیاز کرنے کے لیے پڑ گیا ہوگا جن پر ان کی آبادی مشتمل تھی۔

ایولیائی بلدیات کے بعد ایونیائی نوآبادیوں کا نمبر آتا ہے[15] روایت

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اس کے دلچسپ حالات کی تحقیقات کی ہے۔ آسوس کیلئے کلارک کی کتاب "تحقیقات آسوس" بوسٹن ۱۸۸۲ء Clarke: Investigations at Assos کا مطالعہ مفید ہوگا، اور ریمنزے نے ایتولیہ میں جو تحقیقات کی ہے اس کے لئے "جریدۂ مطالعات یونان" جلد ۲ Journ. Hell. Stud. II دیکھنا چاہیئے۔

[15] ایونیائی نوآبادیوں کے لیئے ملاحظہ ہو ہیروڈوٹس ۱، $\frac{۱۴۲}{۱۴۸}$؛ ۷، $\frac{۹۴}{۹۵}$؛ اِسترابو ۱۴، ۶۳۲؛ پئوسانیاس ۷، ۲، ۱ وغیرہ۔ ہیروڈوٹس (۱، ۱۷۶) کے نزدیک ایونیائیوں اور دوریائیوں نے بحیرۂ ایجیین کے جزائر کاریائیوں سے لیے، لیکن طوسی ویدِش (۱، ۴) یہ کہتا ہے کہ کاریائیوں کو مینوس ہی نے جزائر سے نکال دیا تھا۔ ہم یہاں ان روایات میں کچھ اضافہ کرنا چاہتے ہیں جو متن میں نقل کی گئی ہیں۔ اس میں بہت کم شبہہ ہے کہ ایشیائے کوچک کے سواحل کی جدید آبادکاری میں روایتی بیان سے کہیں زیادہ عرصہ لگ گیا ہوگا اور ایتھنز نے ایونیائی استعمار میں اتنا حصہ نہیں لیا ہوگا جتنا روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارے پیش نظر خصوصاً سنہ ۵ ق م یا اس کے گردوپیش کے واقعات ہیں جب ایتھنز میں کودروس نے لیوس اور بازیلے کے معبدوں کی بنیاد پڑی تھی، اور اس امر کا تیقن اس نوشتے سے ہوتا ہے جو حال ہی میں برآمد ہوا ہے۔ یہ جریدہ "ایفے میرس" ۱۸۸۴ء (Ephemeris) میں طبع ہوا ہے اور اس پر جریدۂ "تاریخ آثار یات" میں (Arch. Ges.) میں کرٹیئوس نے بحث کی ہے۔ خود افسانوں سے اس کا پتا لگتا ہے کہ ایونیائیوں کی آمد سے پیشتر ہی یونانیوں نے کولوفون پر قبضہ کرلیا تھا (پئوسانیاس ۷، ۳، ۳)۔ سامُوس اور خیوس کی ابتدائی تاریخ سے (پئوسانیاس ۷، ۴) ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس جزیرے کی آبادکاری میں، جس کی بابت ہمیں بہت کم معلومات حاصل ہیں، زمانۂ دراز

باب ۱۲

کے مطابق ایونیائی مستعمرین ایتھنز سے آئے تھے جہاں تھے سیوس کے بعد مینس تھیوس تخت نشین ہوا؛ یہ وہی مینس تھیوس ہے جو جنگ ٹروا کے موقع پر ایتھنز کی فوج کا سپہ سالار تھا، اور اس کے بعد تھے سیوس کی نسل سے بہت سے افراد یعنی دیموفون، اوکسن تاس، افی داس اور تھے موئے تاس سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ جب دوریانیوں نے نیلیوسیوں کو پیلوس سے نکال دیا تو وہ وہاں سے سیدھے ایتھنز آئے جہاں انھیں خوش آمدید کہا گیا۔ ایتھنز اور بیوتیہ میں کشیدگی تو رہتی ہی تھی، ایک آویزش کے دوران میں بیوتی حکمران زانتھوس نے تھیموئی تاس کو دست بدست مقابلے کے لیے للکارا، لیکن موخرالذکر کے بجائے انہی نیلیوسیوں میں سے ایک یعنی میلانتھوس سامنے آیا، اپنے حریف کا مقابلہ کیا اور فتح پائی، جس کے انعام میں اُسے ایتھنز کا بادشاہ بنایا گیا، اور اس کی وفات پر اُس کا بیٹا کوڈروس تخت نشین ہوا۔

اسی زمانے میں پیلوپونیز میں، جسے دوریائی اپنے دائرہ اقتدار میں رفتہ رفتہ شامل کر رہے تھے، متواتر ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایتھنز میں ہر چہار طرف سے فراری آرہے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آخرکار دوریانیوں نے اس شہر پر بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ لگا ہوگا۔ جہاں تک ایتھنز کا بحیثیت اولین بلدیات تعلق ہے، ایک طرف تو نیلیوسیوں کی تعداد زرا مشتبہ معلوم ہوتی ہے، اور دوسری جانب یہ رائے ہے کہ پروکلیس جس نے ساموس کو آباد کیا، ایون ولد زوتھوس کی نسل سے تھا، دراصل صرف اس مشکل مسئلے کو حل کرنے کے لیے دی گئی ہے (پوسائناس ۷، ۴، ۲)۔ اس ضمن میں ہمیں صرف یہ اور کہنا ہے کہ خود افسانے کے مطابق ان ایونیانیوں کی تعداد جو ایشیا کو ترک وطن کر کے چلے گئے، زیادہ نہیں معلوم ہوتی اور گزتیوس کا یہ فرض کرنا کہ وہاں انھیں اپنے ہم نسل باشندے مل گئے بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ ہیروڈوٹس ایونیہ کی نفیس آب وہوا کی تعریف کرتا ہے (۱، ۱۴۲) اور یہ بھی کہتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں بھی ایونیہ کے دریا اپنے ساتھ مٹی لا کر اپنے دہانوں کو بھر رہے تھے، لیکن اشترابو کے زمانے تک اس کا ساحل بہت دور تک تھا (ہیروڈوٹس ۲، ۱۰؛ اشترابو ۱۴، ۶۳۲)۔

باب ۱۱

حملہ کردیا۔ انھیں کاہنی ندا سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اگر انھوں نے کوڈروس کی جان بخشی کی تو وہ ضرور مظفر و منصور ہوں گے، لیکن کسی نہ کسی طرح کوڈروس لڑائی میں کام آگیا اور صرف میگارا کے قبضے پر قناعت کرکے دوریانیوں کو واپس جانا پڑا۔ ایتھنز میں کوڈروس کے بعد پھر کوئی بادشاہ تخت پر نہیں بیٹھا، اور اس کی توجیہ بیان کرنے کے لئے زمانۂ مابعد میں یہ لطیفہ بیان کیا گیا کہ وہ اتنا اچھا شخص تھا کہ ایتھنزیوں کو اُس کا ثانی میسّر نہیں آیا۔ بہر نہج بلدیہ ایتھنز کی حکومت اُس کے بعد بھی اُس کے خاندان میں ہی رہی۔ صرف فرق اتنا ہوگیا کہ حکام کو بجائے بادشاہ کے آرخن کہنے لگے۔ اب اس کے دو بیٹے یعنی میدون اور نےلیوس میں میراث پدری کے لئے جھگڑا ہونے لگا جس پر کاہنہ نے میدون کے موافق اپنا فیصلہ صادر کیا اور نےلیوس وطن چھوڑ کر ایشیا چلا گیا جہاں اور بہت سی قومیں (یعنی ایتھنزی، پیلوپونیزی، الیشیائی، منیائی، یوبیہ کے اباتی، فوکسی، تھبزی، دریوپی، مولوسی، آرلیدی، پیلاسگی اور ایپی دوروس کے دوریائی) اس سے آکر مل گئیں اور انھوں نے اپنا قومی یا اجتماعی نام ایونیائی رکھا۔ ان لوگوں نے جن بلدیات کی بنیاد ڈالی انمیں سے ایک شاندار شہر ملطہ[116] تھا جو ایک ایسی خلیج کے دہانے پر واقع تھا جو اب خشک ہوکر اراضی میں شامل ہوگئی ہے، اور اس ضلع میں اُس وقت کاریائی آباد تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "ملطہ" دراصل ایک کریٹی نوجوان کا نام تھا جو اپنے گھر سے ایشیا بھاگ گیا تھا۔ ایونیانیوں نے نےلیوس کی ماتحتی میں اس مقام پر حملہ کیا اور یہاں کے مردوں کا خاتمہ کرکے عورتوں کو اپنے گھروں میں ڈال لیا۔ واضح ہو کہ دِدی میوئی اپولو کا مشہور بت کدہ جو ملطہ سے بجانب جنوب واقع تھا، ایونیائی نوآبادی سے زیادہ قدیم تھا[116] ملطہ کے بعد سب سے اہم شہر

[116] ملطہ: ایک ایتھنزی نوآبادی، ہیروڈوٹس ۱، ۱۴۶؛ ۵، ۹۷؛ ۶، ۲۱؛ ۹، ۹۷؛ اِسٹرابو ۱۴، ۶۳۲ تا ۶۳۶؛ پوسانیاس ۷، ۲، ۶۔ شروڈر کے مقالے، اِشٹرال زنڈ ۱۸۲۶ء مقالہ ولڈاؤ، ڈارمشٹاٹ ۱۸۲۹ء، مقالہ شمٹ، گیوٹنگن ۱۸۵۵ء۔ نیز مقابلہ کرو

باب ۱۲ ایفی سوس تھا جس کی آبادی کو ڈروپی انڈر وکلوس نے کی تھی - یہ شہر اس زرخیز

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ - نیوٹن کی کتاب "تاریخ انکشافات وغیرہ" جس کے اقتباسات نیچے دئے ہوئے ہیں - رایے و طامس کی تصنیف جو ابھی غیر مکمل ہے نہایت عمدہ ہے اور اس میں رایے نے اپنی کھدائیوں کے نتائج پیش کئے ہیں جو اوہن نے روتھس چائلڈ کے خرچ سے کیں ؛ (اشیا جو برآمد ہوئیں عجائب خانۂ لوور میں موجود ہیں) Rayet et Thomas: Milct et le Golfe Latmique "ملطہ و خلیج لاتموس" پیرس ۱۸۷۷ء وغیرہ -

ایفی سوس: گرلوفیلوس کے مطابق اس شہر کی بنا جس طرز پر ہوئی اس کا اقتباس "دستور ایتھنز" ۸، ۶۱ ۳ میں دیا ہوا ہے - نیز مقابلہ کیا جائے استرابو ۱۴، $\frac{۲۳۳}{۶۳۴}$ $\frac{۴۳۹}{۶۴۲}$ پوسانیاس ۷، ۴، ۲ زمانۂ حال کے مصنفوں میں سے مفصلۂ ذیل ممتاز ہیں: گول "ایفے زیاکا Guhl: Ephesiaca برلن ۱۸۴۲ء) فاکنر: ایفی سوس و بتکدۂ دیانہ Faulkner:Ephesus and the Temple of Diana لندن ۱۸۶۲ء ؛ ا، کرتیوس ایشیائے کوچک کی تاریخ و توصیف کے معلومات میں اضافے E. Curtius.Beitrage Gesch. und Topogr Klainasiens ۱۸۷۲ء "ایفی سوس" برلن ۱۸۷۲ء - انگریزوں نے بھی نہایت اہم انکشافات کئے ہیں جیسے ج، ٹ، وڈ: انکشافات ایفی سوس" J. T. Wood: Discoverics at Ephesus لندن ۱۸۷۷ء ؛ ہیڈ: سکہ جات ایفی سوس Head Coinage of Ephesus لندن ۱۸۸۰ء -

میکوس: استرابو، ۱۴، ۳، ۶۲۳، ۶ ۳۶ ؛ پوسانیاس ۷، ۲۷، ۱۰ ؛ پولی آئے نوس ۸، ۲۵ -

پری اے نے: استرابو ۸، ۴ ۳۸ ؛ ۱۴، ۳ ۳ ۳، ۳۳۶، ۳۳۹ ؛ پوسانیاس ۷، ۲، ۹ - انگریزوں کے انکشافات ؛ رپورٹ پلن و نیوٹن بابتہ باقیات بتخانۂ اتھینے پولیاس بمقام پری اے نے (مجسمے لندن میں موجود ہیں) لین شاؤ: "معاملات پری اے نے" Lenschau: De rebus Prienonsium

ضلع میں واقع تھا جو وادی کائیستر کے دہانے پر ہے اور جس میں ہو کر اندرون ایشیا سے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ کولوفون: پوسانیاس ۷، ۳، ۱۔ اِشترابو (۱۴، ۳۳، ۶۳۳) کا بیان ہے کہ اس شہر کو پیلوس کے باشندے مسمی اندرائے مون نے آباد کیا تھا، لیکن اشترابو ۱۴، ۱، ۳، ۶۳۳، ۶، ۶۴۳ اس شہر کے ایک باشندے مِمْنرموس کا قول نقل کرتا ہے کہ اس شہر کا اولین آبادکار خود پیلوس تھا۔ ک، ا، پرٹز، "کولوفونیا کا" C. A.Pertz: Colophoniaca گیوٹنگن ۱۸۴۸ء۔ زمانۂ مابعد میں اسی شہر میں نہایت خوبصورت سکے ڈھالے گئے۔ حال ہی میں شخ ہارٹ نے "روئداد انجمن آثار قدیمۂ ایتھنز" ۱۸۸۶ء ص $\frac{۳۹۸}{۴۳۴}$ میں کولوفون، نوتیوم اور کلاوس کے مواقع کا تعین کیا ہے Schuch hardt: Mittheil. der arch Inst Athen

لیبے دوس: پوسانیاس ۷، ۲، ۲، اِشترابو (۱۴، ۳۳، ۶۳۳) اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ اسے اَندرو پومپوس نے آباد کیا۔

تیوس: پوسانیاس ۷، ۳، ۳ اور اِشترابو ۱۴، ۳۳، ۶۳۳، ۳، ۶، ۶۴۴ میں بہت ہی کم فرق ہے۔ اس شہر کے باشندوں کی تقسیم فوجی طریق سے "وحید ولوں" میں ہوتی تھی۔ انگریزوں نے باکھوس کا بت کدہ دریافت کیا ہے (ملاحظہ ہو پری اے نے کا بیان مفصلۂ بالا)۔

ایرِتھیرائے: پوسانیاس ۷، ۳، ۷۔ اِشترابو (۱۴، ۳۳، ۶۳۳) کے نزدیک اسے کنوپوس نے اور اسفیولن ساکن بائی زنطہ کے نزدیک وہ کنوپوپس نے آباد کیا اس شخص کے انجام کے لیئے پولی آئے نوس ۸، ۴۳ کا مطالعہ کیا جائے۔ پوسانیاس (۷، ۵، ۵) کہتا ہے کہ صور والے ہرقل کی پوجا ایرِتھیرائے میں رائج تھی۔ ہیروڈوٹس ۱، ۱۴۲ اس شہر اور اُس کے ہمسایہ خیوس کی باہمی تجارت کا حال لکھتا ہے اور یہی ڈِٹن برگر کے مجموعے نمبر ۳۷ میں بھی ہے۔ لامپریخت: معاملات ایرِتھرائے برلن ۱۸۷۱ء Lamprecht. De Rebus Erythr. ۔ اس کا نقشہ لیبا کے "سفرنامۂ آثاریات" (اشاعت رائناش) میں دیا ہوا ہے۔ Lebas: Voy archael ed. Reinach

کلازومنائے: اِشترابو ۱۴، ۶، ۶۴۵۔ پوسانیاس ۷، ۳، ۸۔ زمانۂ مابعد میں اس شہر میں نہایت حسین سکے تیار ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو "سکہ جات متقدمین" Coins of the ancients

باب ۱۲

سمندر تک کی شاہراہ گزرتی تھی۔ یہاں والے اوتیمس کے مشہور و معروف

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ لابان: معاملات کلازومے نائے Labahn: De derebus Clazomen گرائفس والڈ ۱۸۷۵ء؛ سپیرو: تجارت کلازومے نائے Spiro: De Clazomen. mercatura برلن ۱۸۵۵ء لیا: سفرنامۂ آثاریات نقشہ نمبر ۲۷۔

خیوس: ۔اوئے نوپیون، اور اُس کے بیٹوں کے بعد امفیکلوس نے جو جزیرۂ یوبیہ کے شہر ہستیا سے آتا تھا، اس جزیرے پر حکومت کی (پئوسانیاس ۷، ۷، ۴، ۹)۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس سے در اصل ایونیائی آبادکاری ہی مراد ہے۔ استرابو (۱۴، ۶۳۳) کے مطابق خیوس کی بنیاد ایگریتوس نے ایک مرکب آبادی سے ڈالی ہوگی؛ لیکن فقرہ ۱۶، ۶۳۴ کا مقابلہ کرلیا جائے۔ یہاں کی مقامی روایات کو ایون نامی شاعر نے مرتب و منظم کیا۔ مقابلہ کیا جائے پوپو: اضافہ جات بہ معلومات متعلق جزیرۂ خیوس Poppo: Beitr. Zur Kunde der Insel Chios الفورٹ ۱۸۲۲ء، ج، کو فوڈ وِٹے: معاملات خیوس" Whitte: De Rebus Chiorum گوپن ہاگن ۱۸۳۸ء؛ ا، واستوس: "خیاکا" A. Vlastos: Chiaca؛ الی موناکس: "خیوس"، Alimonakis Chios ، ایرلانگن ۱۸۸۲ء۔

ساموس: ۔استرابو، ۱۴، ۶۳۳۔ اس کا بانی تمبریون تھا؛ ($\frac{636}{639}$)، پئوسانیاس ۷، ۲، ۴، ۱۳، وغیرہ۔ پانوفکا: معاملات ساموس :Panofka Res samiorum برلن ۱۸۲۲ء۔ فرانسیسیوں، انگریزوں اور جرمنوں کے انکشافات گیرین: حالات جزائر پاتموس و ساموس Guerin: Description de l'ile de Patmos et de l'ile de Samns پیرس ۱۸۵۶ء؛ جریدہ مراسلات یونان Bulletin de Corresp. hellen ۱۸۸۰ء؛ گارڈنر "ساموس اور اُس کے سکّے" Gardner: Samos & the Samian Coins لندن ۱۸۸۲ء، لندن ۱۸۸۲ء؛ ا، فبریکیوس "معلومات متعلق جزیرۂ ساموس" A, Fabricius: Alterthum auf die Insel Samos, m. d. arch. Inst. in Athens

بت خانے کے قریب لیلے گی، لدیائی اور امیزن قومیں رہتی تھیں، اور جب ایونیانی یہاں آئے تو اونھوں نے صرف بالائی حصے پر قناعت کر کے بت کدے کے ہر چہار طرف کی اراضی دیسی باشندوں کے ہی قبضے میں رہنے دی۔ اندروکلوس نے جزیرۂ ساموس پر چند روز کے لئے قبضہ کر کے کاریائیوں کے خلاف پری اینیون کی مدد کی اور دریائے میاندر کے جنوب میں میوس اور شمال میں پری اینے سے وہاں کے اصلی باشندوں کو نکال دیا۔ میوس کا بانی کودروسی کیارتیوس اور پری اینے کا بانی نیلوسی اے پیتوس اور تھیبزی فلوتاس بتائے جاتے ہیں۔ انکے نزدیک ہی کولوفون تھا جہاں کلاروسی اپولو کا بت خانہ تھا، یہاں ابتدا میں تو کاریائی اور کریٹی آباد تھے لیکن بعد میں معاہدے کر کے ایونیانی بھی آکر ان سے مل گئے اور انھوں نے کودروس کے بیٹوں یعنی داماسختھون اور پرومے تھیوس کو اپنا حکمران بنالیا۔ اس مقام سے ساحل ذرا شمال کی طرف جھک کر جزیرۂ خیوس پر آکر ختم ہوجاتا ہے اور یہاں ایونیانی بلدیات لیبے دوس، تیوس، ایرتھرائے اور کلازومنیائے آباد تھے؛ ان میں سے لیبے دوس نے تو کبھی کوئی امتیاز پیدا نہیں کیا؛ یہ ابتدا میں کاریائی تھا اور پھر اندرائے مون نے جو کودروس کی نسل سے تھا، اوسے از سر نو آباد کیا تیوس میں کاریائی اور خومینوس والے منیائی رہتے تھے اور انکے بعد اپوئے کوس کی ماتحتی میں جو میلانتھون کی نسل سے تھا، ایونیانی اور کودروسیوں کی سربراہی میں ایتھنزی اور

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ ۱۸۸۸ء۔ کرتیوس نے بہت سے مضامین سامی نوشتوں کے موضوع پر لکھے ہیں خاصکر ویزل اور لیو یک کے جرائد میں (۱۸۷۳ء) و ۱۸۷۷ء)

فوکیہ:- پئوسانیاس ۷، ۳، ۱۰، اِسترابو ۱۴، ۶۳۳، ۶۴، ۶، ۲۵۲

لِستکوئن: فوکا ئیا کا" Tisquen: Phocaiaca، بون، ۱۸۴۲ء، پاپا دو پولوس " معالات فوکیہ" Papadocoulopis Phoc. Sm اس شہر کے سکے بھی نہایت اہم تھے۔

بیوٹی بھی آکر آباد ہوگئے۔ ایریتھرائے پر کریٹیوں، لسیائیوں، کاریائیوں
اور پمفلیائیوں، ونیز دیگر ایونیائی بلدیات کے رضاکاروں کا
کوڈروسی کنوپوس کی سیادت میں قبضہ ہوا۔ جب ایونیائی کلازومینائے
پہنچے تو وہاں انھیں کوئی قوم نہیں ملی۔ اس کے بانیوں میں سے اکثر و بیشتر
کلیونائے اور فلیوس کے باشندے تھے اور یہاں آنے سے پہلے
قلعۂ ایدا اور ارض کولوفون میں سکونت پذیر تھے۔ آجکل جزیرۂ خیوس
کو زلزلوں نے تباہ و برباد کردیا ہے لیکن اس زمانے میں اس کی شراب اور
مصطگی مشہور آفاق تھیں اور اس کے باشندوں کو اس بات کا فخر تھا کہ ابتدا
میں ان کے شہر کا بانی خیوس ولد پوسیڈون تھا۔ اس کی آبادی کے بعد
کریٹ سے اوئے نوپیون آکر یہاں سکونت پذیر ہوگیا اور پھر کاریائی اور
یوبیہ سے ابانتی بس گئے۔ جزیرۂ ساموس کے مقامی افسانوں کو رزمیہ
شاعر آسیوس نے نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فینکس کی بیٹی
استی پالیا سے پوسیڈون کا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انکائیوس
رکھا گیا؛ یہ بڑا ہو کر لیلیگی قوم کا بادشاہ ہوا اور اس نے دریائے میاندر
کی بیٹی ساامیا سے شادی کی۔ ان دونوں کے ایک بیٹی پارتھے نوپے ہوئی
جس کے بطن سے اپولو کا ایک بیٹا لیکومیدیس پیدا ہوا۔ جب ایونیائی قوم
نقل وطن کر رہی تھی، تو یہاں اپی داوروس کے چند باشندے ایک شخص
تیمروکلیس کی سرگردہی میں پہنچے جو ایولن ولد زانتھوس کی اولاد سے تھا۔
بیان کیا جاتا ہے کہ ہیرا جزیرۂ ساموس میں دریائے امبراسوس کے کنارے
پر پیدا ہوئی تھی؛ اس دیوی کی جزیرۂ ساموس میں پوجا کی جاتی تھی، اور قرین قیاس
یہی ہے کہ آرگوس کی بجائے اس کی پرستش کی ابتدا اسی جزیرے میں ہوئی ہوگی۔
ایونیائیوں کی سب سے شمالی آبادی خلیج سمرنا کے دہانے پر شہر فوکیہ تھا جسکی
بنیاد کا سہرا فوکیون کے سر ہے، جنھوں نے ایتھنزی دامون اور فلوگینیس
کی ماتحتی میں یہاں کی نو آبادی قائم کی۔ اصل میں انھوں نے سمرنائیوں سے
پہلے ہی سے کچھ سن لیا تھا لیکن انھیں ایونیائیوں نے اپنی مذہبی ملت میں

باب ۱۲ اس وقت تک شامل نہیں کیا جب تک کہ انھوں نے تیوس اور ایریتھرائے کے دروسیوں کو اپنا حکمران تسلیم نہ کرلیا۔ ایونیائی بلدیات خلیج سمرنا سے شروع ہوکر برابر اس خلیج تک چلے جاتے تھے جو ہالی کارنوس کے شمال میں واقع تھی؛ ساحل کے اس حصے میں تین مختلف راسیں اور دو جزیرے یعنی خیوس اور ساموس ہیں، اور یہیں دریائے کائسٹر اور میانڈر بہتے ہیں۔ متقدمین نے اس ساحل سے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا تھا، لیکن صدیوں کی بربریت کی وجہ سے بہت سے نفیس بندرگاہوں کے دہانے بند ہو گئے ہیں، اور غالباً آئندہ کبھی الیفی سوس اور ملطہ بندرگاہوں میں شمار نہ کئے جائیں گے۔ ایولیائیوں کی طرح برائے نام ایونیائیوں میں بھی بہت سی اقوام ملی ہوئی تھیں، لیکن یہ سب ہیلیکونی اپولو کی پوجا کرتے تھے جس کا مندر راس میکالے پر واقع تھا؛ اس خاص مسلک کا ماخذ پیلوپونیزی اکائیہ تھا جہاں کے ایونیائی اس دیوتا کی پرستش کرتے تھے، اور ممکن ہے کہ اسی وجہ سے یہ ایشیائی یونانی خود کو ایونیائی کہنے لگے ہوں۔ زمانہ مابعد میں جب ایتھنز کو عروج ہوا تو اس نے یہ لفظ محض اپنی عظمت وسطوت میں مزید ترقی دینے کے لیے استعمال کیا۔

اب دوریائی نوآبادیوں کی طرف متوجہ ہوجیے۔ ان ہرقلیوں میں سے جو تمے نوس کی اولاد سے تھے، ایک التھائے منیس بھی تھا جو اٹیکا کے مہم میں بھی شریک تھا؛ یہ دوریانیوں کو اپنے ساتھ آرگوس سے کریٹ لے گیا۔ اس کے علاوہ دوسرے دوریائی رھوڈس چلے گئے جہاں ان سے پہلے فنیقی اور کاریائی آکر آباد ہوئے تھے، اور لنڈوس، یائی سوس اور کامیرُوس کے شہروں کی بنیاد ڈالی[۱۱] ان شہروں میں سے کینڈوس میں (جو اس طویل جزیرہ نما کے سرے پر واقع تھا جو رھوڈس کے قریب واقع ہے)

---

[۱۱] دوریائی نوآبادیوں کی بنا کے لیے اسٹرابو ۱۴، ۶۵۳؛ ہیروڈوٹس ۱، ۱۴۴-۱۴۵ رھوڈس، دیوڈوروس ۵، ۵۹؛ اسٹرابو (۱۴، ۶۵۲) وغیرہ کے مطابق اولمپیاروں کے دور سے پہلے ہی سے رھوڈزیوں نے بڑے بڑے سفروں پر جانا

باب ۱۲

آرگوسی اور اسپارٹی آکر سکونت پذیر ہوئے؛ اس شہر کا بانی تریوپاس کو سمجھا جاتا تھا اور اسی کے نام پر اس راس کو جس پر دوریانی اپولو کے نام پر قربانی کرتے تھے، تریوپیوم کہتے تھے۔ کینیدوس کے تقریباً روبرو شہر ہالی کارنا سوس تھا

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ شروع کردیا تھا ارسطیدش ۱، ۸۳۹ (ڈ) ۔ دیودوروس (۱، ۱) کے نزدیک التھائے منیس کریٹ کے شاہ کاتریوس کا لڑکا اور شاہ مینوس کا پوتا تھا، بدیں وجوہ ہمیں اسے محض فرضی شخص سمجھنا چاہیئے اسلئے کہ ہمیں بارہا اس کا تجربہ ہوتا ہے کہ قدیم نسّاب کسطرح اپنے مفید مطلب قصوں میں تصرف کرنے سے گریز نہیں کرتے زمانۂ حال کے مصنفوں میں سے مفصلۂ ذیل کا مقابلہ مفید ہوگا:۔ روسٹ: رھوڈس التونا ۱۸۲۳ء Rost; Rhodes ؛ ہفٹر: "رھوڈس میں پوجا کے طریقے" ۴ جلد، زربسٹ ۱۸۲۷ء؛ Heffter: Gotterdienete anf Rhodos
Menge: Vorgesch مینگے: "حالات رھوڈس قبل تاریخ" کولون ۱۸۲۷ء
Guerin. Voyage dans l' ile de Rhodes گیرین "سفرنامہ جزیرۂ رھوڈس"
Berg: Die Insel Rhodus پیرس ۱۸۶۰ء؛ برگ "جزیرۂ رھوڈس"
Schneiderwirth: Gesch.der ۱۸۶۴ء شنائیڈروِرتھ "تاریخ جزیرۂ رھوڈس"
Rottermund: De rep. ۱۸۶۸ء؛ روٹرمنڈ "جمہوریۂ رھوڈس" Insel Rh.
Torr: Rhodes in anc. ہالے ۱۸۸۲ء؛ ٹور: "رھوڈس بزمانۂ قدیمہ" Rhod.
times کیمبرج ۱۸۸۵ء۔ حال کے زمانے میں ترا فشان نے رھوڈس میں نہایت اہم کھدائیاں کی ہیں لیکن کیفیت پورے طور پر ہنوز شائع نہیں ہوئی۔ اسکا نام قبرستان کامیراس" La necrop de Camiras (۱۸۸۱ء) ہے اور اکثر برآمد شدہ اشیاء عجائب خانہ برطانیہ میں ہیں۔

پیوسانیاس (۲، ۳، ۷) کے نزدیک تھیرا اس ساکن تھیر کی سرکردگی میں لکدمونیوں اور منیائیوں کی ایک جماعت جزیرہ کالستے میں (جسے اب جزیرۂ تھیرا کہنے لگے) دوریائی حلے سے وہ ایک پیڑھی پہلے آئی رھوڈس کی بنا کے لئے لیوڈرز Lueders کا مضمون ۱۸۵۲ء دیکھا جائے۔

باب ۱۲

جس کی بنیاد دوریانیوں اور الیونیانی تروائے زینیوں نے انتھیس کی سرکردگی میں ڈالی تھی۔ یہاں الیونیانیوں نے خاکنائے والے پوستیدون کی پوجا کو اور دوریانیوں نے الولو کی پرستش کو رواج دیا۔ ایک قدیم نوشتہ جس کی ایک نقل جو دوسری صدی ق م میں تیار کیگئی تھی اسوقت تک موجود ہے۔ پوستیدون کے بیٹے تیلاموون سے ابتدا کر کے اس دیوتا کے ستائیس موروثی پجاریوں کے ناموں کا جنھوں نے پانچ سو چار سال یکے بعد دیگرے خدمات انجام دیں، شمار کرتا ہے جس خلیج کے دہانے پر ہالی کارناسوس واقع ہے اس کے بالکل مقابل

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ کینِدوس: ترِیوپاس کا ذکر ہیروڈوٹس ۱، ۱۷۴؛ استرابو ۱۴، ۶۵۶؛ دیودوروس ۵، ۵۳، ۶۱ میں ملیگا۔ مقابلہ کرو "قدیمیات الیونیہ" جلد ۳ Ionian antiquities لندن ۱۸۴۱ء اور نیوٹن کی کتاب جس کا ہالی کارنا سوس کے ضمن میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ کینِدوس کے باشندوں نے لِپارا اور الیریا کا شہر کورکائرا انگرا آباد کیا۔

ہالی کارناسوس: ہیروڈوٹس ۱، ۱۴۴؛ ۷، ۹۹؛ استرابو ۱۴، ۶۵۶؛ پَوسانیاس ۲، ۳۰، ۹۔ اس شہر کا موجودہ نام بُدرُوم ہے اور اس کے موقع اور قدیم حالات کے لیے ملاحظہ کیا جائے ک، ا، نیوٹن "تاریخ انکشافات بمقام ہالی کارناسوس، کینِدوس و برانکی دائے"

C.A.Newton: A History of discoveries at Halicar- nassus,Cnidus and the Branchi dae لندن ۱۸۶۲ء۔ نوشتوں کے لیے "مجموعۂ نوشتہ جات یونان" C.I.Gr. ۲۶۵۵ (ڈٹن برگر ۳۷۲) دیکھا جائے۔ مِندوس بھی، جو ہالی کارناسوس کے مغرب میں واقع ہے، دوریانی ہی تھا۔

کوس: ہیروڈوٹس ۷، ۹۹؛ اِسترابو ۱۴، ۶۵۷؛ دیودوروس ۵، ۵۱، ۸۱؛ پَوسانیاس ۳، ۲۶، ۳۔ تسانڈر: تحقیقات بنا بر فنون لطیفہ جزیرۂ کوس Zander: Beitr. Z. Kunde d. Insel Kos ہامبرگ ۱۸۳۱ء؛ کیوسٹر: جزیرۂ کوس Kuster De Co Insl ہالے ۱۸۲۳ء؛ دیوبوا: جزیرۂ کوس Dubois Da Co Insula پیرس ۱۸۸۴ء؛ پے ٹن وہکس: نوشتہ جات کوس Paton and Hioks: The Insoriptions of Cos ۱۸۹۱ء

جزیرۂ کوس ہے، اور اس کے اور قریب کے جزائر لسی روس اور کالیمنوس کو دوریانیوں ہی نے آباد کیا تھا؛ اس جزیرے کا رکھشک دیوتا ایپی دوروس کی طرح اسکلے پیوس تھا۔ واضح ہو کہ ایشیائے کوچک کی دوریانی نوآبادیوں کا رقبہ ایونیائی بلدیات کے رقبے کے برابر نہ تھا؛ اُن کے اور پیلوپونیز کے درمیان دو واسطے تھے، ایک تو شمال میں استی پالیا، انافے، تھیرا اور میلوس ہو کر اور جنوب میں کارپاتھوس، کاسوس اور کریٹ کے راستے سے؛ ان میں سے سب سے اہم جزیرہ کریٹ تھا جو اوڈیسی کے بیان کے مطابق اُس وقت بھی دوریانیوں کا ہی مسکن تھا۔ لیکن ہرقلیوں کی مہم کے بعد التھائے منیس اور پولس نے خصوصاً لیکتوس میں (جسے لاسکے دیمون کی بیٹی سمجھتے تھے) نوآبادیاں قائم کیں۔[۱۸] غرض یہ ہے کہ ایشیا سے یورپ تک کے جملہ جزیرے دوریانی تو تھے لیکن اس عہد کے رکن نہ تھے جنمیں ہالی کارناسوس، کوس، کلیندوس اور رھوڈس شامل تھے۔[۱۹]

ابھی ہمیں یونانی مستعمرات کے ایک اور حلقے کا حال بیان کرنا ہے جو ایولیائی، ایونیائی اور دوریانی دائروں سے بالکل جدا ہے۔ بحیرۂ روم کے بعید ترین کونے میں، یعنی ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل اور ملک شام کے درمیان اس سمندر کے بڑے بڑے جزیروں میں تیسرا جزیرۂ قبرس واقع ہے۔ اس جزیرے کے وسط میں ایک نشیبی میدان ہے، جس کے شمال میں اونچے اونچے

---

۱۸ کریٹ: اودیسی، ۱۹، ۱۷۷۔ تکتاموس ولد دوروس کریٹ آیا، دیودوروس ۴، ۶۰، اور مکمل بیانات کے لئے دیودوروس ۵، ۸۴ وغیرہ۔ التھائے منیس آرگوس سے اور پولس لقونیہ سے آیا، استرابو ۱۰، ۴، ۱۸ وغیرہ۔ نیز مقابلہ کیا جائے باب ۹ قریب الاختتام۔

۱۹ ایشیائی نوآبادیاں اپنے اپنے مادر بلدیہ کے مقابل میں تھیں؛ اسطرح دوریانی حلقہ جنوب میں، ایونیائی وسط میں اور ایولیائی شمال میں واقع تھا، اور ان میں سے ہر ایک میں ایشیائی ساحل کا ایک حصہ، بعض جزیرے اور یورپی یونان کا ایک جزو شامل تھا۔

باب ۱۲

ٹیلوں کا ایک زنجیرہ اور جنوب میں اس سے ذرا زیادہ عریض کوہستانی علاقہ ہے۔ جزیرۂ قبرس کی آب و ہوا بہت گرم اور اراضی نہایت زرخیز ہے، اور یہاں قدیم زمانے میں تانبا نکلتا تھا جس کی وجہ سے اس دھات کو رفتہ رفتہ "قبرسی دھات" کہنے لگے۔ اس جزیرے کے اندرونی حصے میں داخل ہونے کا راستہ بہ نسبت شمال کے جنوب کی طرف سے زیادہ آسان ہے۔ فنیقیہ کے قرب کی وجہ سے قبرس میں سب سے پہلے فنیقی ہی آئے اور انھوں نے اس پر اپنے تمدن کا اثر ڈالا، چنانچہ افرودیت کی پوجا جو پافوس اور اماتھوس میں زیادہ مروج تھی شام ہی سے آئی ہوگی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قدیم زمانے میں اس جزیرے میں آریہ اور ساحی اقوام دوش بدوش رہتی تھیں۔ توریت شریف کی کتاب "پیدائش" میں اقوام کی جو فہرست دی ہوئی ہے اس میں "ختم" کا تعلق (جس سے یا تو شہر خیتیوم مراد ہو سکتا ہے ورنہ قوم خیتیان) یا وان کے واسطے سے یافث (بن نوح) سے دکھایا گیا ہے۔ یونانی روایات[۳۰] کا مقصد یہ تھا کہ ان یونانیوں کے سر جو معرکہ ٹروائے سے واپس آرہے تھے، قبرس کے مستعمرات کا سہرا رکھیں، چنانچہ سالامس کی بنیاد تیوکر کو منسوب کی جاتی تھی؛ حال کے انکشافات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر میں (جو جزیرہ کے مشرق میں واقع تھا) خالص یونانی فنون لطیفہ رائج تھے۔ جزیرے کا نشیبی حصہ، جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے، مغرب میں سوُلی سے سالامس تک پھیلا ہوا ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں غالباً یونانی جوق جوق آباد ہوئے ہوں گے؛ اس کے برعکس جنوبی ساحل پر فنیقی آبادی کو فوقیت حاصل تھی۔ اگر یہ بات درست بھی ہو کہ جب یورپی یونانی ایشیا کو دوسری مرتبہ آرہے تھے تو ان میں سے بہت سے راستے میں قبرس اتر پڑے، با ایں ہمہ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اُن کی آمد سے پہلے بھی وہاں یونانی آباد ہوں گے۔ زمانۂ مابعد میں قبرسی یونانیوں میں ایک خاص نوع کی تحریر رائج تھی جو اتنی مکمل نہ تھی

نوٹ ۳۰: قبرس کی قدیم یونانی آبادی کے لیے تھیوپومپوس، جزو ۱۱۱ء ہیروڈوٹس ۵، ۱۱۳، ۷، ۹۰ (سالامس، ایتھنز، آرکیڈیا، کیتھنوس)؛ اِسترابو ۱۴، ۱، ۶۸۱، ئپوسانیاس ۸، ۵، ۲ (آرکیڈیا)۔ آرکیڈی آبادکاری قابل لحاظ ہے۔

جتنی یونانی حروف تہجی، اسی لیئے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اس کی ابتدا یقیناً یونانی تحریر سے پہلے ہی ہوئی ہوگی۔ قبرس کے مختلف شہروں میں علیحدہ علیحدہ رئیس حکمران تھے، اور چونکہ یہاں کے باشندوں میں جبلت پھرت نہ تھی اس لیئے وہ کسی نہ کسی غیر قوم مثلاً ایشیائیوں اور مصریوں کے دست نگر رہتے تھے۔ آٹھویں صدی ق م کے اختتام پر سات قبرسی حکمران اشور کے بادشاہ سارگون کے ماتحت ہوگئے جس نے خلیتوم میں اپنا مجسمہ نصب کرا کر اس پر اپنے کارہائے ممتاز کا ذکر کندہ کرایا۔ اس واقعے سے تقریباً ربع صدی کے بعد کی ایک فہرست اس وقت تک موجود ہے جس پر دس حکمرانوں کے نام ہیں جو شہنشاہ اشور ہادون کے فرماں بردار تھے؛ ان میں سے چار یونانی نام نظر آتے ہیں جو پافوس، کوریوم، اِدالیوم اور خلیتری کے رئیس تھے۔ اس جزیرے نے قدیم یونانی رزمیہ نظموں میں بھی معتدبہ جگہ پائی ہے۔ زمانۂ حال میں یہ جزیرہ پالماوی چیسنولا کے انکشافات کے سبب سے مشہور ہوگیا ہے جس میں کوریوم کے "خزانے"، شلی مان کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ان انکشافوں سے یہ پتا لگتا ہے کہ قبرسی فنون کی حیثیت محض مقامی تھی اور اُنکی بنیاد مصری، اشوری اور یونانی نمونوں پر ڈالی گئی تھی۔[۱۱]

---

۱۱ اینگل کی کتاب "قبرس" (۲ جلد) ۱۸۴۱ء) Engel cyprus میں وہ جملہ واقعات مندرج ہیں جن کا متقدمین کو علم تھا۔ اس جزیرے میں جنرل پالماوی چیسنولا (Palma di Cesnola کولونا چکالدی (Colonna Ciccaldi) اور لینگ (Lang) اور ہنے فالش رختر (Ohneïalsch) نے کھدائیاں کی ہیں؛ اب برطانوی حکومت او ہنے فالش رختر (Richter) کی وساطت سے کھدائیاں کراتی ہے۔ ان سب انکشافات کے نتائج جنرل چیسنولا (قبرس اور چیسنولی مجموعے کا تفصیلی نقشہ)، اُن کے بھائی اے وی چیسنولا A.di Cesnola (مجموعۂ چیسنولا "سالامینیا" ۱۸۸۲ء)، دیول Doell (مجموعۂ چیسنولا، پیٹرزبرگ، ۱۸۷۳ء)، نیوٹن و کولون Newton & Colvin ("قدیمیات قبرس" ۱۸۷۳ء) اور او ہنے فالش رختر Ohnefalsch Richtr کی تصانیف میں ملیں گے۔ جنرل چیسنولا کی حق پسندی پر بہت کچھ شک کیا جاتا ہے، بلکہ یہاں تک شبہہ کیا جاتا ہے کہ مشہور

غرض یہ کہ دوریانی حملے کی وجہ سے یونانی بساط پر بہت سی تبدیلیاں ہوگئیں۔ جزیرہ نمائے پیلوپونیز کا تو گویا پلٹ ہوگیا اور یہ خطہ زمانہ دراز تک دوریانیوں کی سرکردگی میں یونان کا سب سے ذی اقتدار حصہ بنا رہا۔ ساتھ ہی ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر بھی بہت سے مرفہ الحال بلدیات کی بنیاد پڑی جنھیں یورپ کے تارکان وطن نے آکر آباد کیا تھا؛

ظاہر ہے کہ اس زمانے کی تاریخ کا تعین قطعی طور پر نہیں کیا جاسکتا۔ متقدمین کے بیانات کی بنا ایسے صغرائے کبرائے پر تھی جو خود مشتبہ ہیں؛ اُن کا دعوےٰ تھا کہ وہ اُن تمام پیڑھیوں سے واقف ہیں جو دوریانی تحریکات اور اس زمانے کے درمیان میں ہوئیں جب بالآخر تاریخ کا مواد جمع کیا جانے لگا؛ لیکن ہم جانتے ہیں کہ اُن کا یہ دعوےٰ قطعاً غلط ہے۔ ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ جن واقعات کا اوپر اعادہ کیا گیا ہے وہ تقریباً سنہ ۱۰۰۰ ق م میں پیش آئے ہوں گے؛

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ "خزانہ کوریوم" بالکل فرضی اور جعلی ہے۔ قبرسی تحریر کے حل کا سہرا گ، سمتھ، برانڈس، ڈیکے، زیگزمنڈ، اور م شمٹ (Smith, Brandis, Deeke, Siegismund & M Schmiett) کے سر ہے۔ قبرسی قدیمیات کے ذخیروں کا بیشتر حصہ نیویارک، لندن اور پیرس میں ہے۔ یہاں کے فنون لطیفہ اور تمدن کا مفصل توضیحی بیان پیرو اور شی پی اے کی "تاریخ فنون لطیفہ" Perrot et Chipiez Histoire del'art، پیرس سنہ ۱۸۸۵ء میں ملیگا۔ مقابلہ کرو پ، گارڈنر: "ابواب جدید"، باب ۶ ("قبرس قدیم")، جس کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود تمام انکشافات کے ہمیں اس جزیرے سے متعلق نہایت ہی کم معلومات حاصل ہیں۔ قبرسی یونانی اور آرکیڈی بولی کے درمیان جو تعلق ہے وہ بہت کچھ قابل لحاظ ہے، اور یہ عجیب بات ہے کہ اس تعلق سے ایک افسانۂ محض کی تائید ہوتی ہے؛

۲۳ء آخر میں ہم پھر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جن واقعات کا اس باب میں اعادہ کیا گیا ہے وہ مستیقن نہیں ہیں جب ہم ان امور پر غور کرتے ہیں کہ (۱) ہیروڈوٹس کے نزدیک جب دوریانی ڈوریوپیس سے آئے تو ان کا نام مقدونوی کے بجائے "دوریانی" تھا

باب سیزدہم

ایشیائی یونانیوں کا تمدن

اور

ہومری نظمیں

جو کچھ معلومات اس وقت تک ہم نے پیش کی ہیں اس کا لب لباب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ - یعنی دوریانی اور مقدونوی ایک ہی قوم کے دو نام تھے (۲) افلاطون کی رائے میں اکائیوں کا نام ایک رہبر دوریاس کی وجہ سے "دوریانی" پڑ گیا یعنی اکائیائی اور دوریانی ایک ہی قوم کے افراد تھے؛ (۳) ہیلانیکوس کہتا ہے کہ اورس تیس لسبوس خود آیا اور اسے دوریانیوں نے نہیں نکالا، گویا کہ اس کا خیال ہے کہ ایشیائے کوچک کی دوریانی آبادی کا دوریانی حملے سے کوئی تعلق نہ تھا - جب ہم ان سب باتوں پر غور کرتے ہیں تو ہم فوراً یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ پانچویں صدی ق م کے مورخوں کو اس حملے اور ایشیائے کوچک کی یونانی آبادی کی بابت کوئی قابل وثوق معلومات نہ تھی، یعنی جو کچھ حالات ہمارے سامنے بیان کئے گئے ہیں اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے ان میں در اصل نہایت تاریک واقعات کے بیان کرنے کا ایک پسندیدہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے اور بس - ہم اس امر سے واقف نہیں کہ یہ پیرایہ دوسرے پیرایوں سے زیادہ قرین قیاس ہے یا نہیں - بیلوخ (دوریانیوں کا نقل وطن Beloch: Die Dor. Wandeung) دیگر دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوریانی تسخیر پیلوپونیز سے صاف انکار کرتا ہے - وہ یہ دکھانے میں ضرور کامیاب ہوا ہے کہ قدیم اسناد سے دوریانی حملے کا ثبوت نہیں ملتا لیکن اس کے مضمون سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ واقعہ ممکن یا کم از کم قرین قیاس بھی نہیں؛ اس کے برعکس یہ

باب ۱۳

چند الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس ملک میں یونانیوں کے ورود کا حال بیان کر چکے ہیں جیسے اُنھوں نے اپنا وطن بنا لیا، ہم نے اُن کے مذہب، اُن کے افسانوں اور اُن کی ممتاز اقوام کے انتشار اور مختلف اقطاع ملک میں سکونت پذیری کا ذکر کیا ہے؛ لیکن ان امور کے علاوہ دوسرے واقعات کا حال ابھی تک کماحقہ بیان نہیں کیا گیا اس لیئے کہ اُن کی تہذیب و تمدن کے آثار نہایت کمیاب ہیں اور گو اُن کی وقعت میں شبہہ نہیں، با ایں ہمہ ان میں سے کوئی خاص نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ ان حالات کے بعد کے واقعے سے گویا ایک انقلابی کیفیت جلوہ گر ہوتی ہے، وہ یہ کہ یونانیوں میں یک بہ یک دو عظیم الشان نظمیں تیار ہوتی ہیں اور گو ان میں کیا باعتبار حیثیت ظاہری اور کیا بلحاظ اندراجات، بہت سے نقائص موجود ہیں پھر بھی ہم اُنھیں جملہ بیانیہ نظموں میں سب سے مکمل کہنے پر مجبور ہیں۔ الیاڈ اور اوڈیسی میں ایسے انسانوں کا ذکر ہے جس کی تہذیب و تمدن میں ہنوز پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی، وہ عمدہ باتوں سے خوش ہو جاتے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ کسی نے اعلیٰ تخیلات کی اتنی نفیس تصویر نہیں کھینچی جیسی ان کتابوں میں اکی لیس، پتروکلوس، ہکتور، اندرو ماخے، پینیلوپے، تیلے ماخوس اور یومایوس کے خصائص کی تیار کی گئی ہے۔ ان نظموں کا شاعرانہ انداز نہایت نفیس ہے اور اس کا مسدس الارکان وزن اپنی صنف میں بالکل لاثانی ہے۔ ان میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے کہ پڑھنے والا ان کے پڑھنے سے تھک نہیں جاتا اور یہ قصے کے اسلوب کے لیئے نہایت مناسب ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ مضمون اور طرز بیان دونوں کے اعتبار سے الیاڈ اور اوڈیسی تمام

سمجھ میں بھی آتا ہے، اور تمام تاریخ یونان اس بات کی شاہد بھی ہے۔ تاریخی تنقید میں دو مختلف واقعوں کے باہمی فرق کا لحاظ رکھنا چاہیئے: ایک تو یہ کہ ایک واقعہ جسے تاریخی بیان کیا جاتا ہے وہ ممکن ہے کہ تاریخی ثابت نہ ہو، اور دوسرے یہ کہ وہ بالکل ناممکن الوقوع ہو۔ اگر ایک واقعہ قطعی طور پر ثابت نہ ہو تو محض اسی بنا پر اس کا انکار کلّی لازم نہیں آتا۔ ورنہ سنہ قدم سے بیشتر کے کسی واقعے کا (جس کا تعلق تاریخ تمدن یورپ سے ہو) امکان ہی نہ رہتا۔ دوریانی حملہ اسی قسم کے واقعات میں سے ایک ہے ؟

بہترین اشعار بیانیہ کے لیئے گویا ایک نمونہ قائم کیا گیا ہے؛

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس زمانے میں عام تہذیب و تمدن کی سطح اس درجہ پست تھی اس میں ایسی مکمل اور بے داغ تصانیف کس طرح مرتب ہوئیں اور ایسی فضا میں ان مضامین کو کس طرح ترتیب دیا گیا؟ افسوس کے ساتھ ہمیں اس کا اقرار کرنا پڑے گا کہ جہاں تک نفس مضمون کا تعلق ہے ہم محض قیاس ہی سے کام لے سکتے ہیں اور پہلے سوال کا جواب دینے کے لیئے تو قیاس بھی مدد نہیں دے سکتا؛

ہومر کے اشعار دراصل اس ایولی ایونیانی تمدن کا ثمرہ ہیں جو خود مختلف النوع اصول کی ترکیب سے نکلا تھا۔ جب یونانی ایشیائے کوچک پہنچے تو انھیں وہاں کے جملہ ممالک آباد ملے اس لیئے انھیں اُن پر بالجبر قبضہ کرنا پڑا؛ مثلاً شمال میں انھوں نے تیوکُریوں یا دردانیوں کو، (جو کوہ ایدا کے دامن میں آباد تھے)، اور جنوب میں میزیائیوں، لِلیپائیوں اور کاریائیوں کو مغلوب کیا، اور ان سے بجانب شرق وہ افروجیوں سے دوچار ہوئے۔ ان اقوام میں سے کاریائی قوم کی سیادت کے دن تو ختم ہو چکے تھے اور میزیائیوں اور تیوکُریوں کے حالات سے ہمیں بہت ہی کم واقفیت ہے؛ رہے کاریائی سو اس میں شبہ نہیں کہ یونانیوں نے ضرور اُن سے تہذیب و تمدن کی ظاہری صورت کی بابت بہت سا سبق سیکھا ہوگا لیکن اس سے زیادہ وہ اُن کے منت کش بھی نہیں ہوئے۔ ان کے برعکس لِدیائیوں اور افروجیوں کو ایک خاص قسم کا تشخص حاصل ہے اور دونوں قوموں کا یونانی افسانوں سے قریب کا تعلق ہے؛ ابتدا میں یونانی لِدیہ والوں کو میوتیائیوں کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔[1]

---

[1] میونیز، الیاڈ ۱۰، ۴۳۱؛ ۱۸، ۲۹۱۔ تاریخ لِدیہ کے لیئے ہیروڈوٹس (۱، ۷) کا مطالعہ کیا جائے جہاں ہرقلیوں کی ۵۰۵ سالہ حکومت کا ذکر ہے۔ وہ (۱، ۱۷۱) کہتا ہے کہ لدیائیوں، میزیائیوں اور کاریائیوں کا ایک دوسرے سے نسلی تعلق تھا۔ نیز مقابلہ کیا جائے گ، مے یر: "بیتسن برگر کی تحقیقات میں کاریائیوں کا تذکرہ" (G.Meyer

باب۱۲ این پر مانیس دیوتا کا بیٹا آتیس حکمراں تھا جو لدیہ کے خاندان شاہی کا جدّ اعلیٰ تھا۔ آتیس کے دو بیٹے یعنی لیدوس اور تورھیبوس (یا تیر سے نوس) تھے، جن کے ناموں کی مناسبت سے لدیائی اور تورھیبی اقوام کے نام پڑے۔ اب اٹلی کے تیر سے نی اور لدیہ کے ان تیر سے نیوں کا باہمی تعلق پیدا کیا گیا اور ایک لدیائی مسمی عسقلوس کے ذریعے سے جو ملک شام کو ایک سفارت لے کر گیا تھا[۲]، عسقلان کی نوآبادی کی بنیاد پڑی۔ اس کے بعد ہم لدیہ میں یارْدانوس اور اُسکی بیٹی یعنی مشہور آفاق اومفالے سے دوچار ہوتے ہیں۔ سلطنت سارْدس (لدیہ) کے قریب کوہ سپی لوس کے دامن میں تنتالوس کی روایتی سلطنت بتائی جاتی تھی۔ آتیسیوں کے بعد ہرقلیوں کا خاندان جو اگنائیوس ولد ہرقل کی اولاد سے تھا، لدیہ کے تخت پر نظر آتا ہے[۳] اور پانچ سو پانچ سال حکومت کرتا ہے[۴]۔ اس قوم کا خاص معبود رب الشمس تھا جسے یونانی اپنے اپولو کا مترادف سمجھتے تھے۔ اُن کی بہت سی رسموں رواجوں سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ سامی النسل تھے،

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ Die Karier in Bezenbergers' Beitrage جلد ۱۰؛ رادے کی مفصل تصنیف: "لدیہ و دنیائے یونان" Radet: La Lydie et le monde grec ۶۸۷ تا ۵۴۶ ق م، پیرس ۱۸۹۳ء؛ ریمزے: ایشیائے کوچک کا تاریخی جغرافیہ: Ramsay: Historical Geography of Asia Minor لندن ۱۸۹۰ء، پ، کارڈنز: "الواب جدید"، باب ۲۔

[۲] زانتھوس، اجزا ۱۱ و ۲۳۔ مے یر (تاریخ قدیم Meyer: G.d.A. ۲۵۶) کی رائے ہے کہ یہ سفارت دراصل لدیہ والوں اور خطیوں کی جنگ کا باقی تھی۔ ہیرودوتس (۱، ۹۴) میں تیر سے نوس کے امبریا جانے کا تذکرہ ہے۔

[۳] ہیرودوتس کا بیان ہے (۱، ۷) کہ یہ نینوس لدبیل کی اولاد سے تھا؛ لیکن واضح ہو کہ اس ابتدائی دور میں لدیہ اور اشور کا کوئی تعلق نہ تھا گو ممکن ہے کہ خطیوں (یا حطیوں) سے تعلق ہو۔

[۴] لدیہ کی تاریخ کے سنین کی تنقید کیلئے مقابلہ کیا جائے مے یر "تاریخ قدیم" ۱۳۴، اور خاص کر شوبرٹ "تاریخ ملوک لدیہ" R. Shubert: Geschichte der Konige von Lydien (۱۸۸۴ء) کا مطالعہ کیا جائے۔

اور اس مفروضے کی تصدیق توریت شریف کی کتاب پیدائش کے اس بیان سے کہ سام کے بیٹے کا نام لیود تھا، ہوتی ہے ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دینا مناسب ہے کہ لِدیہ اور افروجیہ میں، جہاں آریائی قوم آباد تھی، بہت گہرا تعلق تھا اور کچھ عجب نہیں کہ لِدیہ میں سامیت کے جو کچھ علامات پائے جاتے ہیں وہ غیر ملکی اثرات کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ اثر حطّی قوم کا ہو۔۵۵

اندرون ایشیائے کوچک میں افروجیوں کا ملک دریائے ہالیس اور وسطی ریگستان سے مغرب کی جانب پھیلا ہوا تھا اور اس کا بہت بڑا حصہ ایک سطح مرتفع پر مشتمل تھا جس میں ہو کر دو بڑے بڑے دریا بہتے تھے یعنی شمال میں دریائے سنگاریو اور مغرب میں دریائے میاندر۔ اکثر متقدمین کا بیان ہے کہ افروجی قوم کا بڑا حصہ یورپ سے آیا تھا جہاں تھریس کی قوم بریگائے سے اس وقت تک ان کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ لیکن زمانہ حال کے مورخ اس رائے سے متفق نہیں ہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ یہ قوم ایشیا سے یورپ آئی ہوگی۔ افروجی زبان کے جو کچھ تھوڑے بہت آثار اس وقت تک موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آریائی زبان تھی۔ انکے قومی سورما گوردیوس اور مداس ہیں، جن میں سے گوردیوس کا رتھ اور مداس کی دولت کا قصہ زبان زد عوام تھا۔ مداس کے افسانے میں ایک بولتے ہوئے سرکنڈے کا ذکر ہے جس سے افروجی بانسری کی یاد تازہ ہوتی ہے اور جس کا مقابلہ یونانیوں کے ستار اور بربط سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کے معبودوں میں سب سے بڑا مانیس تھا لیکن اس کی شہرت اتنی نہ تھی جتنی ان کی سب سے بڑی دیبی کیبے یا ڈنڈی مینے کی جو یونان میں رحیا کے نام سے مخاطب ہوتی تھی۔ اس دیبی کا محبوب جانور شیر تھا اور اس کا سب سے بڑا بت کدہ پیسی نوس میں تھا۔۵۶

---

۵۵ غالباً لِدیہ کے مفروضہ ہرقلی حطّی النسل تھے۔ مے یر ۴۰۰۔

۵۶ مے یر ۲۵۲، ۲۵۳۔ ہمارا خیال ہے کہ ایشیائے کوچک میں آریہ اقوام کے ساتھ سامی اقوام بھی ہونگی جنھوں نے اول الذکر کے جتھے کو توڑ ڈالا ہے بہت سے مصنف ایک تیسرے جزو کا بھی اضافہ کرتے ہیں جو نہ آریائی تھا نہ سامی۔ ایشیائے کوچک کے مذاہب کے مشترک عناصر کا ذکر مے یر نے اپنی کتاب "تاریخ قدیم" ۲۵۳/۲۵۴ میں کیا ہے۔

باوجودیکہ یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ لڈیائی اور افروجی ایولیائیوں، ایونیائیوں اور دوریائیوں کے دوش بدوش رہتے تھے، یہ گمان ایشیائے کوچک کی ایک اور قوم یعنی لکیائیوں پر صادق نہیں آتا، (گو ان کا الیاڈ میں تذکرہ ضرور ہے اس لیئے اُن کا کسی نہ کسی قسم کا تعلق ان یونانی اقوام سے ضرور رہا ہوگا)۔ اس قوم کا اصلی نام ترمیلیس تھا اور یہ اُس پہاڑی ملک میں رہتی تھی جو جزیرہ رھوڈس کے مشرقی جانب سمندر میں کو نکلا ہوا ہے۔ افسانوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق کریٹ اور اٹیکا سے تھا کیونکہ کریٹ سے سارپیدون (شاہ لکیہ) اور اٹیکا سے لیکوس ولد پانڈیون آئے تھے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ پروئےتوس نے کورنتھی بیلے روفون کو خیمائرا سے لڑنے کے لیئے لکیہ روانہ کیا۔ ؎

؎ ہیروڈوٹس (۱، ۱۴۲/۱۴۷) کہتا ہے کہ گلائکوس کی اولاد ایونیہ پر حکمراں تھی۔ باخوفن نے اپنی کتاب "قوم لکیہ" Bochofen: Das by Kishe Volk (فرائبرگ ۱۸۶۳ء) میں قدیم تصانیف اور زمانۂ حال کے سفرناموں کا تطابق کر کے لکیہ کے متعلق نہایت مناسب استنباط کیا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے سفرناموں پر (مثلاً فیلوز Ch Fellows کا سفرنامہ) (جو کا ملخص رٹر کی کتاب ایشیائے کوچک جلد ۲ ۷۱۶/۱۲۰۰ میں دیا ہوا ہے)، لکیہ کی بابت ہماری معلومات میں آسٹریا کی تاریخی مہم کی وجہ سے بہت کچھ اضافہ ہوا ہے، جس کے نتائج کی اولین اطلاع ا، بین ڈورف A.Benndorf نے روئداد آثار قدیمہ جلد ۹ صفحہ ۱۵۱ میں بعنوان "ایشیائے کوچک میں دو آسٹری مہمات" شائع ہوئے ہیں۔
Bendorf: Vorl. Rericht Ueberzwei Oesterreischeische Expditionem nache Kleinasien in archaeolog mitth aus Oesterreich
بین ڈورف، اور نی مان niemann نے ایک مفصل تصنیف کی ابتدا کی ہے (سفرنامہ لکیہ و کاریہ ایک جلد، Reisen in Lykien und Karien وائنا ۱۸۸۴ء) نیز مقابلہ کیا جائے مےیر تاریخ قدیم ۲۵۲ - اور ٹروئی بر تاریخ اہل لکیہ، اشٹٹ گارٹ ۱۸۸۶ء Treuber: Goschiehteder. Lykier اور اسکی کتاب "تحقیقات تاریخ لکیائیاں" Beilrage zur Geschicte der Lykier جلد ۲، ٹیوبنگس ۱۸۸۸ء۔

دو پوتے یعنی گلاؤکوس اور سارپیدون تھے جو ایک دوسرے کے چچیرے بھائی تھے اور انھوں نے جنگ ٹروائے کے موقع پر ٹروپانیوں کو مدد دی اس ملک میں اپولو کی خاص عزت کی جاتی تھی اور یونانیوں کا مقولہ تھا کہ وہ موسم سرما تو لکیہ میں بسر کرتا اور پتارا میں بیٹھ کر پیشگوئی کرتا تھا۔ ظن غالب ہے کہ لکیہ کی زبان آریائی تھی۔ اس قوم کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہر شخص کے مادری نسب کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ اُن کے بلدیات کے ہر چہار طرف نہایت مضبوط شہر پناہ ہوتی تھی جس کی تعمیر کو یہاں کے کیکلوپیس کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اُن کے مقبرے جو ٹھوس چٹان کو تراش کر بنائے جاتے تھے، شہر پناہ کے اندر ہی ہوتے تھے۔ زمانۂ دراز تک اس قوم کی بہادری اور خوش اخلاقی مشہور آفاق رہی اور ظن غالب ہے کہ اُنھوں نے یونانی قوم پر عموماً اور ایشیائی یونانیوں پر خصوصاً بہت زبردست اثر ڈالا ہوگا۔

اگر مذہب اور مصنوعات لطیفہ کی تاریخ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مختلف علوم و فنون کے ابتدائی عناصر تو ایشیائی اقوام نے مہیا کیے لیکن اُن کے مرتب و مہذب کرنے کا سہرا یونانیوں کے ہی سر رہا۔ بہرحال ان علوم و فنون میں شاعری کا شمار ذرا مشکل سے ہوسکیگا اس لیے کہ ہنوز کوئی ایسی معلومات بہم نہیں پہنچیں جس سے ایشیائی اور یونانی شاعری کے مابین کسی قسم کا تعلق ظاہر ہوسکے، اور کم از کم اس خاص ضمن میں یونانیوں کی جدت طرازی کا نظریہ ناقابل انکار ہے ہومر کے اشعار کا اسلوب اس قدر سادہ ہے کہ ان کی وجہ سے یہ مفروضہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ اس پر لدیہ یا افروجیہ کا اثر پڑا ہوگا، اور لکیہ کے اثرات کا تو پتا بھی نہیں حقیقت یہ ہے کہ ان اشعار کے ماخذ کا مسئلہ ہنوز لاینحل ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذریعے سے ایولیائی اور ایونیائی یونانیوں کے خلقی ولولوں کی ہی ترجمانی کی گئی ہے۔ ان اشعار کی ترکیب اس قدر مکمل ہے کہ ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ بلاد یونان میں عموماً اور ایولس اور ایونیہ میں خصوصاً فن شاعری کا ارتقا پہلے ہی سے ہوگیا ہوگا۔

ابتدائی نظم پر ایک خاص مذہبی رنگ چڑھا ہوا تھا؛ وہ ایسے بھجنوں پر مشتمل تھی

باسٹ

جنھیں دیوتاؤں کے حضور میں گایا کرتے تھے، اور اس میں شبہ نہیں کہ اولین عہد میں ہی انھوں نے ایک فنی شکل اختیار کرلی ہوگی۔ مثلاً ابتدا میں تو میوزین چشموں کی معبودین سمجھی جاتی تھیں، لیکن اب وہ شعر و شاعری کی دیبیاں بن گئیں اور انکی پوجا کوہ اولمپوس کے دامن میں، جو تھسلی کے شمال میں واقع ہے، تھریسی قوم کے ملک میں ہونے لگی۔ یونانی تھریسی اور فیوس کو اب ابو الشعرا سمجھتے تھے، اور ان کے خیال کے مطابق موزائیوس شاعر اٹیکا سے آیا تھا اور تھامیرس بھی اورفیوس کی طرح تھریسی ہی تھا۔ اگر یہ اشخاص یونانی طبع آزمائی کرتے بھی تھے تو وہ غالباً دیوتاؤں کی حمد تک ہی اکتفا کرتے ہوں گے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بیانیہ نظم بھی جس میں در اصل ابتدا میں سورماؤں کی تعریف و توصیف کی جاتی تھی، نہایت قدیم زمانے میں ہی کہی جانے لگی تھی۔ مثلاً ہومر بعض ایسے توصیفی اشعار کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ڈیموڈوکوس اور فیمیوس نے کاٹھ کے گھوڑے، آریس، افرودیت اور اکائیوں کی واپسی پر قصائد کہے تھے۔ اسکی نظموں میں بعض فقرے ایسے ہیں جو بار بار آتے ہیں لیکن جو متن کے حوالے سے سمجھ میں نہیں آتے، ان فقروں سے یہ پتا چلتا ہے جن لوگوں کے لیئے وہ اپنی نظمیں مرتب کر رہا تھا وہ مختلف سورماؤں کو محض چند خصوصیات کے تذکرے سے پہچان لیتے تھے۔ لہٰذا اس کے لیئے محض ان خصوصیات کا حوالہ کافی سمجھا جاتا تھا۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ ہومر کے زمانے سے پہلے طویل نظمیں نہیں کہی گئی ہوں گی۔

لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہومر نامی کوئی شخص کبھی ہوا بھی ہے یا ہومر کے اشعار بالکلیہ زمانۂ مابعد میں ہی مرتب کیئے گئے تھے؟ یہ مسئلہ ایک سو برس سے برابر زیر بحث رہا ہے[شہ] ف، ا، وولف کہتا ہے کہ یہ کہاں ممکن ہے کہ الیاڈ

شہ ان مسائل کے تصفیے کے لیئے مفصلۂ ذیل کتب سے مواد مل سکتا ہے: ھ، بونتز، ہومری اشعار کے ماخذ" نشر پنجم، نوئی باؤر، وائنا ۱۸۸۱ء H. Bonitz Ueber den Ursprung der homerischen Gedichte, 5 Hufl Von Neubauer Wein 1881
ف، ا، وولف، "مقدمۂ ہومر"، ہالے، ۱۷۹۵ء F.A.Wolf.

اور اوڈیسی جیسی نظمیں نویں صدی ق م میں مرتب کی گئی ہوں جب یونان میں فن تحریر
کا اس قدر کم چرچا تھا اور اس نظریئے کے راستے میں جو خارجی مشکلات حائل
ہیں ان پر زور دیتا ہے۔ ک، لاخمان نے محض انکاری تنقید سے آگے
بڑھ کر اثباتی تنقید کرنے میں اس امر کی طرف ہماری توجہ مبذول کی ہے کہ الیاڈ
میں بہت سی جگہ جوڑ اور پیوند نظر آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل
یہ بہت سی نظمیں تھیں جو باہم پیوست کر دی گئی تھیں۔ اس قسم کے الحاق
کے ساتھ ہی نظم کے مختلف حصوں میں باہمی تضاد بھی پایا جاتا ہے اور بعض
جگہ ایسے امور کے بیان کا پہلے سے تذکرہ کر دیا گیا ہے جو اس شکل میں آگے کہیں
بیان نہیں کئے گئے۔ دیگر علما نے ہومری نظموں کی تنقید جمالیاتی اعتبار سے کی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ Prolegomena ad Homerum ک، لاخمان: ہومر کی
C.Lachmann :Betrachtungen ueber Homer's Ilnid الیاڈ پر غور"
برلن ۱۸۴۷ء؛ اڈولف ہولم کا ایک مختصر مضمون جس پر کما حقہ توجہ نہیں کی گئی یعنی "تالیف و
A.Holm: De ترکیب الیاڈ"، جو رسالہ "ترقی مدارس" لیوبک میں ۱۸۵۳ء میں چھپا ہے
Iliadis Compositione Lub 1853 (Schul progr) ہومر کی تجزیاتی
تنقید کیوخلی، کرشہوف اور کائیزر Koechly, Kirchhof, Kayser نے کی ہے اور گروٹ
اور کامر Grote & Kammer نے ان کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن انھوں نے
بہت سی باتوں کو تسلیم بھی کر لیا ہے۔ نیز سے کی کتاب "ارتقائے شاعری ہومر" D.Niese:De
Entur ckelung der homerischen Poesie برلن ۱۸۸۲ء؛
فون ولاموو تز میولینڈ ورف: "تحقیقات بابت ہومر" (تحقیقات لسانیات مرتبہ کیسلنگ
Willam ovitz Moellendorff وفون ولامووتز میولینڈورف جلد ۷)
Homarische Unter suchungen Philol unters by Kiessling
Rh. Mus. نیز & Von W.M.siebentes Heft ۱۸۸۱ء میں ا، رووڈے
E.Rohde نے ان نتائج پر نہایت قابلانہ تنقید کی ہے جو م، زینگے بش نے اپنے "مقالہ جات ہومر"
M.Sengebusch: Homericae Dessestationes میں نکالے تھے

باب ۱۳

اور چونکہ یہ بلا خوف رد کہا جا سکتا ہے کہ ہومر میں بہت سے مضامین بالکل رو کھے پھیکے ہیں جن کے اندراج کا کوئی خاص مقصد نہیں معلوم ہوتا اور بعض بے سوچے سمجھے درج کر دیے گئے ہیں اس لیے ایسے علما کو ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔ **لاخ مان** نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ نظمیں، جن کا ایکدوسرے سے بے تعلق ہونا وہ پہلے ہی ثابت کر چکا تھا، دراصل مختلف اشخاص نے کہی ہوں گی، اور چونکہ "ہومر" کے رزمیہ اشعار دراصل محض عامیانہ تھے جس میں پیشہ ور شاعروں کا کلام شامل نہ تھا، اس لیئے ابتدا ہی سے یہ انفرادی نظمیں گمنام ہی تھیں۔ اس نظریے کا ایک مشتبہ پہلو بھی ہے؛ ہم اس امر سے مطلق واقف نہیں کہ اتنے بعید زمانے میں عامیانہ اور فنی پہلو لیئے ہوئے اشعار میں کسی قسم کا فرق تھا۔ بہرحال بالفرض اگر **لاخمان** کا نظریہ قابل تسلیم نہ ہو پھر بھی ان مشاہدات کی اہمیت جن پر یہ نظریہ مبنی ہے، یقیناً باقی رہتی ہے، اس لیئے کہ اگر یہ نظمیں ابتدا میں ایکدوسرے سے بالکل علیحدہ نہ تھیں تو بہت جلد اُن کے ٹکڑے ضرور ہو گئے ہوں گے یہ امر واقعی ہے کہ ان کی اشاعت آہستہ یا آواز سے پڑھنے سے نہیں بلکہ حفظ دُہرانے سے ہوئی ہوگی، اور عوام الناس بجائے پورا قصہ سننے کے اُس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سننا زیادہ پسند کرتے ہوں گے؛ اس لیئے اگر بالفرض یہ سب ایک مکمل نظم کے مختلف اجزا تھے بایں ہمہ ان کے علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے سے اُن میں ضرور ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی ہوگی جس کی وجہ سے ہر ایک جزو نے اپنی جگہ ایک مستقل نظم کی شکل اختیار کر لی جو بعض اوقات دیگر حصوں سے بالکل بے تعلق ہو گئی؛ اور جب یہ اشعار ایک دوسرے سے منسلک کیئے گئے (جیسے تمثیلاً چھٹی صدی ق م میں **پی سسترالوس** والی ایتھنز کے حکم سے) تو اس وقت ممکن ہے کہ مختلف اجزا میں یہ فرق قائم رہا ہو۔ غرض یہ ہے کہ گو یہ تو ثابت کیا جا سکتا ہے کہ **الیاڈ** میں جوڑ اور پیوند موجود ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مختلف ٹکڑے ابتدا ہی سے ایک دوسرے سے بے تعلق تھے؛ بلکہ یہ واقعہ ہے کہ شروع سے آخر تک **الیاڈ** کا مقصد ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ دراصل **اکی لیس** کا غصہ ہی اس کتاب کی اندرونی ہم آہنگی کی گویا کنجی ہے اور یہی وہ مرکز ہے جس سے کتاب کے

جملہ حصے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے - اسی طرح اوڈیسی ایک مکمل و مہذب تصنیف ہے، اور گو ممکن ہے کہ اس قصے میں بھی وسعت دی گئی ہو لیکن اس کا تخیل ضرور ایک ہی شخص کے دماغ سے نکلا ہوگا۔

اگر ہم اسے مان لیں کہ الیاڈ اور اوڈیسی اصلی تصانیف ہیں اور یہ کہ وہ دونوں ایک شخص ہومر کی ہی لکھی ہوئی ہیں، تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اور ایک ہی نام کے دو شخص نہیں بلکہ ایک ہی شخص تھا، ورنہ پھر ہمیں یہ مشکل پیش آئیگی کہ دونوں شخصوں کے خصائص بہت نمایاں ہوگئے ہوتے جو آسانی سے مخلوط نہ ہوسکیں گے - ایسے دو شاعروں کا حلقۂ احباب و تلامذہ جداگانہ ہوگا، پھر یہ کہاں ممکن ہے کہ اُن کا کلام ایک دوسرے سے اس وجہ سے مخلوط ہوگیا ہو؟ ممکن ہے کہ بہت سے بے شمار چھوٹے چھوٹے شاعر گمنام مرجائیں لیکن دو عظیم الشان پائے کے شعرا یقیناً اپنا نام و نشان چھوڑ جاتے ہیں۔

الیاڈ اور اوڈیسی کے اسلوب میں جو فرق ہے وہ دراصل نفس مضمون کے فرق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے؛ الیاڈ میں جنگ کے حالات مرقوم ہیں، اوڈیسی میں سفرنامے، مختلف ممالک کے عجیب و غریب قصے، افسانے کے لوگوں کی کہانیاں اور اُس قوم کے حالات بھرے پڑے ہیں جو ایسے مقامات پر رہتی ہے جنھیں بجائے شہروں اور قصبوں کے دیہات کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ۹

---

۹ فون ولاموونٹز میولینڈ ورف کوری زونتھون اپنی کتاب "تحقیقات متعلق ہومر" میں اس رائے کی تائید کرتا ہے کہ بجائے ایک ہومر کے دو شاعر تھے جنھوں نے ہومری نظمیں مرتب کیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ یہ کہتا ہے کہ الیاڈ کے چند اجزا کو مستثنیٰ کرکے تمام تصانیف مع اوڈیسی اور فرضی "مرکز پسند" شعرا کے دراصل ایسے زینے کی مانند ہیں جس کے بعد سقف نہ ہو - اگر یہ مفروضہ تسلیم کرلیا جائے تو ہومر الیاڈ کے صرف ایک حصے کا مصنف رہ جاتا ہے - اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے ہمیں اس طرح اُسے صرف ایک جزو کا مصنف قرار دینے کا کیا حق ہے؟ متقدمین تو اُسے تمام مرکز پسند رزمیہ نظموں اور الیاڈ و اوڈیسی کا قائم مقام سمجھتے تھے؛ اور ہمارا خیال ہے کہ یا تو اس کا سرے سے وجود ہی نہ تھا

باب ۱۳

اس عظیم الشان شاعر کی جائے پیدائش قدیم زمانے میں مابہ النزاع تھی اور اس عزت کے لیئے سات مختلف بلدیات یعنی سمرنا، خیوس، کولوفون، اتھاکا، ڈکیمیے، پیلوس، آرگوس اور ایتھنز کے درمیان مقابلہ تھا۔ اتھاکا، پیلوس اور آرگوس کا نام اُن کے سورماؤں کی وجہ سے لیا جاتا تھا اور چونکہ پی سسترا توس نے کلیات ہومر پر نظر ثانی کرائی تھی اس لیئے ایتھنز بھی میدان میں کود پڑا تھا۔ یہ مشہور تھا کہ ہومر کی ماں کیمے سے آئی تھی اور وہ خود کولوفون اور خیوس میں رہتا تھا، لیکن اکثر مصنفوں کا یہ خیال تھا کہ وہ سمرنا میں پیدا ہوا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ہومر کی زبان ایونی اور ایولی بولیوں کا مرکب ہے اس لیئے اس سے بھی سمرنا کا اثر معلوم ہوتا ہے: نیز ایولس اور ایونیا کے عین سرحد پر ہونے کی وجہ سے اس کی جغرافی حیثیت بھی

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ ورنہ ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ وہ الیاڈ اور اوڈیسی کے بہترین اشعار کا مصنف تھا۔ بہر نہج اس کا تو ہمارے پاس مطلق کوئی ثبوت نہیں کہ وہ الیاڈ کے صرف ایک جزو کا ذمہ دار تھا، اور یہ تو کسی طرح نہیں مانا جا سکتا کہ پہلے تو چند اشعار چن لیئے جائیں اور اُنھیں صحیح معنی میں ہومری کہا جائے پھر دیگر اشعار جو ان شعروں سے ذرا مختلف ہوں انھیں ہومری زمرے سے نکال دیا جائے۔ چونکہ ہم ہومر کی شخصیت سے مطلق واقف نہیں ہیں اسلیئے ہم قطعی طور سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی تصانیف کی نوعیت آخر کیا تھی، اور اُس کے نام سے صرف ایک مثالی معنی لیئے جا سکتے۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جو شخص تیلے ماخوس، نَوزی کا آ، اور یوماپوس کی شخصیتوں کو عدم سے وجود میں لایا اُسے ہومر کہلائے جانیکا اتنا ہی حق ہے جتنا اس شخص کو جسنے اکی لیس اور پترو کلوس کے حالات ایجاد کیئے۔ اسمیں شبہہ نہیں کہ متقدمین پانچویں صدی ق م تک میں ان باتوں کو جو "ہومری" سمجھی جاتی تھیں ہم سے زیادہ وسیع معنی پہناتے تھے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ اشخاص جنکے حسن صورت و سیرت کو کبھی زوال نہیں صرف الیاڈ اور اوڈیسی میں ہی ملینگے، اور اسلیئے وہ ہر معنے کر کے "ہومری" کہے جا سکتے ہیں، اور باقی سورماؤں کی بھرتی صرف ناٹک کی تکمیل کیلیئے کی گئی ہوگی۔ آخر میں ایک خاص امر پر زور دینا چاہتے ہیں ہمیں غالباً کبھی قطعی طور پر یہ معلوم نہو گا کہ آیا ہومر فی الواقع تھا بھی یا نہیں، نہ یہ کہ وہ کون تھا، کبھی اُسنے کوئی کتاب بھی تصنیف کی، لیکن ہم یقیناً ان خصوصیات پر متفق ہو سکتے ہیں جنھیں باتفاق آرا "ہومری" کا لقب دیا جا سکتا ہے:

مناسب معلوم ہوتی ہے ؛

اسی طرح یہ امر بھی متنازعہ فیہ تھا کہ آخر ہومر کس صدی میں ہوا ہوگا۔ کم از کم ہیروڈوٹس کا تو یہ بیان ہے کہ وہ نویں صدی ق م میں تھا۔ اس کی بابت مختلف روایات مثلاً اس کی نابینائی، اُس کی سیاحت دُنیا، اور ننھے سے جزیرۂ یوس میں اس کی قبر کا ہونا، ان سب باتوں کی قصہ کہانی سے زیادہ وقعت نہیں ؛

ہومر ہی نظم میں ایونی انداز پایا جاتا ہے۔ جہاں تک حالات مابعد سے ایولیائیوں اور ایونیانیوں کی قومی خصوصیات کا اندازہ ہو سکتا ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنے ہمسایوں کی نسبت ایونیانیوں کا میلان رزمیہ نظم کی طرف ذرا زیادہ تھا۔ ایونیانی رفتہ رفتہ دنیا کے ساتھ علمی اور حکمتی تعلقات پیدا کرنے لگے اور جس طرح وہ زمانۂ مابعد میں کچھ نہ کچھ سیکھنے کے متمنی رہتے تھے اسیطرح اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں وہ نئے قصے کہانیوں کو سننے کے مشتاق تھے اور اُنھیں رزمیہ نظم فطرتاً نہایت دلکش معلوم ہوتی تھی۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ اُسوقت تک صرف شمالی یونان کے شعراہی شعروشاعری کرتے تھے تو ہم بہ نہایت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح ایک ایولیانی نژاد شخص نے جو ایونیانیوں میں رہتا تھا رزمیہ نظم کو اتنے بلند پایہ تک پہنچادیا۔ اسی طرح دونوں نظموں کے لیے جو مواد فراہم کیا گیا ہے اُس کی توجیہ شاعر کی سوانح عمری کے مفروضہ حالات سے کیجا سکتی ہے۔ نفس مطلب پر قیاس کر کے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ الیاڈ نے ایولیانی زمین پر نشوونما پایا ہوگا؛ اس کتاب میں اکائیائیوں اور ٹروپانیوں کے باہمی جنگ کے حالات بیان کئے گئے ہیں، اور اگر قدیم زمانے میں فی الواقع ایسی کوئی جنگ ہوئی ہوگی تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا وہ ایولیانی جو ٹرواے کے ضلع میں آباد تھے اُنھیں اس جنگ کے افسانہائے جاریہ سے واقفیت ہوگی؛ اور اگر بالفرض ایسی جنگ کبھی نہیں ہوئی تو بھی ٹرواے ہمیشہ ایولیانی ملک کے حدود کے اندر ہی رہا ہے اگر ہم اکی لیس اور اگامیمنون کے قصے کی توجیہ کرنا چاہیں تو یہ واقعہ کار آمد ہوگا کہ تھسالوی ماگنیتیس جنکا اکی لیس قائم مقام تھا، اندرون ایشیائے کوچک میں سے

باب ۳

وہاں تک چلے گئے تھے جہاں کوئی اور یونانی قوم نہیں پہنچی تھی، اور اس کا ثبوت دونوں بلدیات مگنیشیا کے مواقع سے ملتا ہے۔ اب شاعر صرف یہ کرتا ہے کہ اُن کی قوت وجرأت کو اکی لیس کی شکل میں پیش کر دیتا ہے۔[۱] اگر یہ مان لیا جائے تو گویا ایولیائیوں کے ذریعے سے، جنھوں نے ایشیائے کوچک کے ایک مکمل ضلع پر قبضہ جما لیا تھا جنگ وفتوحات کی ایک رزمیہ بزم کے لیے مواد فراہم ہو گیا۔ اس کے برعکس اوڈیسی میں زمانہ امن کا جو جنگ کے بعد آتا ہے، مرقع تیار کیا گیا ہے اور اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اس دور میں خانہ جنگیاں اور بغاوتیں ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ دور و دراز مقامات میں سفر کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس عہد پر ایونیائی دماغ نے ایک خاص اثر ڈالا ہے۔ وہ ایشیائے کوچک کے ساحل تک ہی محدود تھے اور اُن کے عقب میں ایسی بڑی بڑی سلطنتیں تھیں جن سے وہ اُن کی اراضی کا کوئی حصہ چھیننے پر قادر نہ تھے؛ اس لیے اُنھوں نے اپنی توجہ از سر نو اس سمندر کی طرف مبذول کی جس پر ہو کر وہ ابتداءً آئے تھے، بلاشبہہ ایونیہ کے ساحلی بلدیات میں دور دراز مقامات کے قصص و حکایات سننے کے لیے بہت سے لوگ پیدا ہو گئے ہوں گے اور انھیں قصص و حکایات سے دراصل ان افسانوں کا نشو و نما ہوا جو اوڈیسی کی بنیاد تھے:

---

[۱] ڈنکر: "تاریخ ازمنۂ قدیمہ" ۵، ۳۲۱ Duncker: G. d. Alt.

باب چہاردہم

یونانیوں کے قدیم ادارات اور ان کا اسلوب زندگی

جب ایولیائی اور ایونیائی ایشیائے کوچک میں آئے تو یہاں کی مختلف اقوام سے تعلقات پیدا ہونے کی وجہ سے اُن کی تہذیب و تمدن میں ایک حد تک تبدیلی اور وسعت ضرور پیدا ہو گئی، پھر بھی اُس کی تقریباً وہی حالت رہی جو ترک وطن سے پہلے تھی، اور یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہومری اشعار میں تہذیب کے جس پایہ کا ذکر ہے اُس میں اور یونانیوں کے اصلی جنم بھوم کے تمدن میں کوئی خاص تباین ہوگا۔ بلاشبہ جب یونانیوں کو ایشیائے کوچک کی ولولہ انگیز ہوا لگی تو اُن کے فنون لطیفہ میں پہلے سے بھی زیادہ غلو پیدا ہو گیا، لیکن میکینائے اور اورخومینوس کے فنون کا پایہ بھی نسبتاً بہت بلند تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ پیلوپونیز کے دوریانی حملے کا ایک بڑا اثر یہ ہوا کہ بعض اقطاع یونان میں یونانی قوم کا ارتقا رک گیا اور اُن کی بجائے دیگر ممالک میں جہاں اکائیائیوں اور ایونیائیوں نے سکونت اختیار کرلی تھی اس ارتقا نے ایک نئی شکل اختیار کی؛ اور ان واقعات کا لحاظ کرکے جن کو تاریخ ہی ہمارے سامنے پیش کرتی ہے یہ خیال کرنا سخت غلطی ہوگی کہ بہ نسبت اس تمدن کے جو دوریانی حملے سے پہلے یونان میں رائج تھا یونانی عنصر کا وجود ایشیائے کوچک کے تمدن میں کم تھا۔ بلاشبہ ہم دونوں کے ادبیات اور فنون لطیفہ کا باہم مقابلہ نہیں کرسکتے لیکن ہم اس امر پر تو یقیناً غور کرسکتے ہیں کہ ایک طرف تو فنون کی اس خاص کیفیت کو، جو دوریانی حملے سے پہلے یورپ میں پائی جاتی تھی، جاری نہیں رکھا گیا جس کی وجہ سے میکینائی اور اورخومینوس کے فنون نے جو شاہراہ ترقی اختیار کی تھی وہ مسدود ہو گئی، دوسری جانب آج بھی ایشیائے کوچک کی قدیم ترین شاعری نے یونانی طرز معیشت کی جیسی مصوری کی اُس کی

باب ۱۲

نظیر ملنی ناممکن ہے۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ فنون میکے نائے میں، جو یورپ میں پھیلے پھولے تھے، اور مشرقی عنصر بہ نسبت ایشیا کے نشو و نما یافتہ ہومر کی نظموں سے زیادہ ہے اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادبیات کے میدان میں بھی ان ایولیائیوں اور ایونیائیوں نے جو ہجرت کر کے ایشیا کو چلے گئے اپنے ساتھ اپنے وطن مالوف کا انداز اور اسلوب ضرور لے گئے ہوں گے؛

مفصلۂ بالا حالات کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد ایک اور اہم مسئلے کا تصفیہ آسان ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہومر کے اشعار سے دوریائی حملے سے پہلے کے یونانیوں کے حالات معلوم ہوتے رہیں، اور اسی حیثیت سے بہت سے مورخوں نے ان اشعار سے اُس زمانے کے تمدن و تہذیب کی بابت واقفیت حاصل کرنے کے لیئے مدد لی ہے۔ لیکن ایسے مورخوں کو ایک بہت بڑی مشکل سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا ہومر گزرے ہوئے عہد کی صحیح تصویر تیار کر سکا یا نہیں؛ اُس کے زمانے میں علم کا فقدان تھا، اور ماضی اور حال کے احوال میں کسی قسم کی تفریق بالکل ناممکن تھی اس لیئے اُسے زمانۂ ماضیہ کو مجبوراً زمانۂ حال کے رنگ میں رنگنا پڑا ہوگا۔ اگر یہ امر واقعی ہے تو پھر ہم اگا میم نون اور اودی سیوس کے عہد کے اُن واقعات پر جو ہومر نے نقل کئے ہیں کہاں استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب اوپر لکھے ہوئے فقرے سے مل جائے گا؛ یعنی اگر یہ امر واقعی ہے کہ دسویں صدی ق م کی ایولی ایونیائی تہذیب فی الحقیقت اس تمدن کی ہی ایک کڑی تھی جو دوریائی حملے سے پیشتر یونان میں رائج تھا، تو پھر ہم یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ ہومر کے زمانے کے سمرنا اور خیوس کی حالت اور دو سو سال پیشتر کی میکے نائے اور اورخومینوس کی حالت میں کچھ زیادہ فرق نہ ہوگا۔ آخر ایونیائی اور ایولیائی تارکان وطن کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ایشیا کے انداز و خیال بالکل بدل دیتے؟ اس کے برعکس یقیناً ان کا میلان اسی طرف ہوگا کہ وہ اپنے نئے وطن میں بھی اپنے پرانے جشن بھوج کے رسم و رواج قائم رکھیں اور انھیں کوئی امر مانع نہ تھا کہ جس سیاسی دستور کے تحت ان کا نشو و نما ہوا تھا اُسے ایشیا میں جا کر ہو بہو جاری کر دیں۔ الغرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انداز ہومر کے خصوصیات میں اس زمانے کی ممتاز خصوصیات بھی ملیں گی جسکا

اس میں تذکرہ ہے اور اس سے قدیم یونان کے حالات کا نقشہ تیار کیا جا سکتا
ہے۔ اس نتیجے کو پیش نظر رکھ کر ہم مفصلۂ ذیل خاکہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں[1]۔
معلوم ہوتا ہے کہ یونانی مملکتوں کا عام طرز حکومت بادشاہی تھی اور
اسے یونانی ایک آسمانی کارخانہ سمجھتے تھے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بڑے بڑے
اعیان و کبار کو بھی "بادشاہ" ہی کا لقب دیا جاتا تھا اور محض یہی شاہی اختیارات
کے محدود کرنے کے لیئے کافی ہوگا۔ جن اعیان و اشراف کا رتبہ شاہی رتبے
سے قریب تر تھا وہ گویا دستور کے اعیانی اجزا سمجھے جاتے تھے، لیکن یہ بھی
نہیں کہا جا سکتا کہ عامۃ الناس بے عزتی کی نظر سے دیکھتے ہوں گے اسلیئے بعض غلام تک

---

[1] اگر ہم بعض دیگر ممالک کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان کے مستعمرین نے اپنے ملک کی تہذیب نوآبادیوں میں برقرار رکھی ہے، اور اس کی زندہ مثال فرانسیسی کناڈیوں سے مل سکتی ہے۔ اس باب کے باقی ماندہ حصے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسکے لیئے شومان کی کتاب "یونان قدیم" Schoemann: Griech. Alterth. جلد صفحہ ۲۰ وغیرہ میں جو ملخص دیا ہوا ہے اسے دیکھنا چاہیئے، نیز ہومر کے قدیمیات پر جن کتابوں کا عام طور پر مطالعہ کیا جاتا ہے ان سے بھی مدد لی جائے۔ اس زمانے کے تمدن کے ایک خاص شعبے پر ڈبلیو ہیلبگ کی کتاب "ہومر کا دور اور اس کے تعمیری آثار" W. Helbig Das homersche, Epos aus den Denk maelern erla utert (لائپزگ ۱۸۸۴ء) کا مطالعہ سودمند ہوگا۔ نیز مقابلہ کیا جائے، مہافی مسائل تاریخ یونان Mahaffy Poblems in Greek History صفحہ ۴۶ وغیرہ۔ اس مسئلے پر کہ یونانی فنون لطیفہ کے آثار سے ہومر کے تمدن کا کس حد تک اندازہ ہو سکتا ہے، پی۔ گارڈنر: "الجواب جدید" باب میں بحث کی گئی ہے۔ جس طرز کا مواد ہمیں ہومر میں ملتا ہے وہ طرز نہ تو کورنتھی ظروف میں پائی جاتی ہے نہ فینیقی پیالیوں میں بلکہ اسکا تعلق میکینائی کی اشیا سے صاف ظاہر ہوتا ہے صفحہ ۱۴۶۔ پرگارڈنر ترنز کے کھنڈروں اور اوڈیسوس کے مکان کی ترتیب کی بابت ڈورپ فیلڈ کی رائے سے اتفاق کرتا ہے لیکن میری رائے میں قیاس یہ نہیں چاہتا کہ ترنز کے محل کا وہ حصہ جسے زنانہ حویلی بیان کیا جاتا ہے در اصل عورتوں کیلیئے مخصوص تھا، اور اگر میرا نظریہ حقیقت پر مبنی ہے تو پھر دونوں محلوں کے طرز کا باہمی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

باب۱۲ معزز خطابوں سے یاد کیے جاتے تھے اور پاسیوں کے دیوتا یو مایوس کا نام زبان زد خواص وعام تھا۔ غرض یہ ہے کہ انفرادی اہلیت ہر جگہ قابل قدر سمجھی جاتی تھی اور اعلےٰ اور ادنےٰ کے درمیان جو انسانی رشتہ تھا اُس کی وجہ سے یونانی خصائص میں ایک طرح کی نفاست پیدا ہو گئی تھی[1] کوئی بڑا معاملہ اعیان کے مشورے اور بحث ومباحثے کے بغیر طے نہیں پاتا تھا[2] اور بادشاہ اور کبار کے درمیان یہ مباحثے اکثر دعوتوں میں ہوتے تھے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس زمانے میں مجالس عوام میں وہ باضابطگی نہیں پائی جاتی جو دور مابعد میں نظر آتی ہے؛ اُس کا کام صرف یہ تھا کہ وہ بزرگوں کی رائے کی تائید اور توثیق کریں اور اُسے قوت پہنچائیں۔ ان مجالس میں اگر عوام مجلس بزرگان کی رائے کی تائید کر دیتے تو فبہا، لیکن اگر بغیر کسی اظہار رائے کے وہ جلسہ گاہ چھوڑ کر چلے جاتے اور ساتھ ہی اپنی نارضامندی کا اظہار بھی نہ کرتے تو

[1] اس تصویر کا ایک تاریک پہلو بھی ہے، وہ یہ کہ اس دور میں انسانی قربانی سے مطلق پرہیز نہیں کیا جاتا تھا، اور یہ سنگدلی الیاڈ اور اوڈیسی سے لے کر زمانہ مابعد تک برابر جاری رہی۔ متقدمین یونان میں ہماری سی انسانیت نام کو بھی نہیں پائی جاتی۔

[2] حال ہی میں بعض مورخوں کو خیال پیدا ہو گیا ہے کہ یہ کم وبیش محدود ملوکیت جس کا ہومر میں تذکرہ ہے وہ فی الحقیقت ہومری ملوکیت نہیں ہے اس لیے کہ اسی دور کے اشیا (مثلاً ظروف میکینائی) دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ ایک نہایت درخشاں وتاباں زمانہ تھا اور ایسے زمانے کے لیے ایک زبردست ذی اقتدار بادشاہی سطوت کی ضرورت ہے۔ اس کا جواب اول تو یہ دیا جا سکتا ہے کہ متقدمین کی نگاہ میں اُلکی نواُس کے دربار کی چمک دمک اور اعیان وکبار کے اقتدارات میں خود میکینائی میں بھی کسی قسم کا تضاد نہ تھا؛ دوسرے یونانیوں کی سی ہوشیار اور زیرک قوم کی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کی پہلی تاریخی کڑی مطلق العنان ملوکیت نہ ہوگی، بلکہ مجلس بزرگاں کو ابتدا ہی سے معاملات سیاسی میں کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ مطلق العنان ملوکیت کا وجود بہ نسبت یونانی دیہات کے بڑی بڑی ذخار سلطنتوں میں زیادہ قرین قیاس ہے ؛

باب ۱۴

یہی سمجھا جاتا تاکہ مجلس کو معاملۂ زیر بحث سے اختلاف ہے[۵۴]۔ عام طور پر ایسی مجالس میں صرف اعیان ہی تقریر کرتے اور یہ قاعدہ تھا کہ اگر کوئی شخص تقریر کرنے کا خواہاں ہوتا تو نقیب اُس کے ہاتھ میں ایک نمائشی گرز دے دیتا۔ قوم کا بڑا قاضی اور بڑا مجتہد خود بادشاہ ہوتا تھا اور وہ قوم کے نام سے بڑی بڑی دعوتوں کے موقع پر قربانی کرتا تھا۔

رواج کے مطابق منصب شاہی موروثی تھا اور یہ امر قابل لحاظ ہے کہ لڑکیوں تک کو تخت نشینی کا حق حاصل تھا۔ شاہی صرف خاص کی جاگیر کو تمینوس کہتے تھے؛ اس کے علاوہ اُسی کے خزانے میں محصول اور نذرانے جاتے، اور یہی مال غنیمت اور دعوتوں کے موقع پر حصوں کا مستحق سمجھا جاتا۔ ہم شاہی یورات کا حال نہیں پڑھتے؛ رہا گرز، سو وہ علاوہ بادشاہ کے پجاریوں، نقیبوں اور مقرروں کے ہاتھ میں بھی ہوتا تھا۔ مختلف پجاری مختلف معبودوں کے خدام سمجھے جاتے تھے اور غلاموں کی دو قسمیں تھیں یعنی دموئیس یعنی مفتوح اور اوے رکیس یعنی خانگی غلام اور آزاد مزدوری پیشہ لوگ تھتے تیس کہلاتے تھے۔ دستکاری ایک معزز پیشہ سمجھا جاتا اور کاریگروں، گوئیوں اور طبیبوں کو مجموعی طور پر "دیمی اُرگی"، یا "خدام قوم" کہتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ حکمرانوں تک کی اولاد کو کچھ نہ کچھ ہنر سکھایا جاتا تھا مثلاً ہم پڑھتے ہیں کہ نوزیؔ کا* آشاہی کپڑے دھونے کے انتظام کی نگرانی کرتی تھی۔

بیش بہا اشیا کی تجارت فنیقیوں کے ہاتھ میں تھی جو اکثر شہر صور سے

---

۵۴ زمانۂ مابعد میں ایتھنزیوں نے معاملات عامہ کی بابت قراردادیں مرتب کرنے اور انھیں ایک رسمی سانچے میں ڈھالنے کے فن میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ جوں جوں تعلیم نے ترقی کی اور عوام الناس کے جو قانونی تخیلات تھے اُنھیں ضبط تحریر میں لانا ممکن ہو گیا۔ ویسے ہی دستور ریاست لابدی اور ضروری ہو گئی۔ لیکن محض اس وجہ سے کہ ان قانونی ضابطوں کا ابتدا میں وجود نہ تھا یہ استدلال کر لینا کہ عوام بالکل بے زور اور بے بس تھے درست نہیں ہو سکتا۔

* شاہ اُلکی نواُس کی بیٹی۔

باب ۱۴

آئے تھے۔ زمانۂ ہومر کے یونانی طویل طویل بحری سفر سے دور بھاگتے تھے، اور اُن کے پاس اس کی وجہ بھی کافی تھی، وہ یہ کہ اُس زمانے میں نہ صرف یہ کہ سمندر ڈاکوؤں سے بھرے پڑے تھے بلکہ ان سوالوں سے جو غیر ملکیوں سے کئے جاتے تھے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشہ مطلق ذلیل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے جو کچھ قانونی تعلقات تھے وہ ایک مملکت ہی کے شہریوں کے مابین تھے، غیر ملکی کی حیثیت مہمان کی تھی اس لئے انھیں کوئی گزند نہ پہنچا سکتا تھا۔ دیہات کے ہر حصے کا ایک سردار ہوتا تھا جو غیر ملکیوں کی حفاظت کا ذمہ دار تصور کیا جاتا تھا، لیکن سمندر پر کسی کا راج نہ تھا اور وہاں "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" والا مسلک روا رکھا جاتا تھا۔

قوانین کا نگہبان زیوس دیوتا تھا۔ لیکن مملکت پر یہ فرض عائد نہ تھا کہ کسی جرم (خاصکر قتل) کی سزا دے، بلکہ مقتول تک کے اعزہ و اقربا کا یہ فرض تھا کہ اُس کی موت کا بدلا لیں، اور جب قاتل دیت کے طور پر ایک مخصوص رقم ادا کر دیتا تو عام طور پر وہ خاموش ہو جاتے، اور اس تخیل کا کہ قاتل کے گناہ کا کفارہ صرف چند مذہبی رسوم کے ادا کرنے سے ہو سکتا ہے، اس وقت تک وجود نہ تھا۔ عام طور پر لوگ ایک ہی بیوی پر قناعت کرتے؛ قاعدے کے مطابق دلھن کے باپ کو خواہ روپیہ ورنہ خدمات کی شکل میں معاوضہ ملتا اور خود دلھن کو بھی مہر ادا کیا جاتا۔ بعض مرتبہ حکمراں شاہزادے اپنے بیٹوں کی تعلیم کے لئے معلم نوکر رکھتے جیسے پے سیوس نے فی نکس کو اکیلیس کی عام تعلیم کے لئے اور "دیمو اسیپ" خیرون کو اُسے فن موسیقی سکھانے کے لئے نوکر رکھا۔ ازمنۂ وسطیٰ کی طرح اوڈے وولی یا گویّے شاہی درباروں اور امرا کے قلعوں میں جا کر اپنے گانے سے محظوظ کرتے؛ موسیقی کے ساتھ ساتھ سورماؤں کی جانبازیوں کے قصے بیان کئے جاتے جو صرف دل بہلاؤ کا ہی کام نہ دیتے بلکہ اُن سے نوجوانوں کو زندگی کے بہترین مقاصد کی تعلیم دی جاتی تھی۔ میلے اور تہوار سیدھی سادی وضع کے ہوتے، اور سورماؤں اور مُردوں کی پوجا کی رسم زمانۂ مابعد کی ایجاد معلوم ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ ہومر میں انسانی قربانی کا کہیں تذکرہ نہیں ہے بلکہ

دیوتاؤں کے سامنے غنیم سے لیئے ہوئے ہتھیاروں کا چڑھاوا چڑھایا جاتا تھا یونان میں پیشین گو اور ساحر بھی تھے جیسے **کالخاس** اور **ہیلیے توس**، جنھیں اشاروں (مثلاً پرندوں کی پرواز، قربانیوں کے امور، خوابوں کی تعبیر) کے ذریعے سے معبودوں کی مرضی کا علم ہو جاتا اور بعض مرتبہ تو اس معلومات کے لیئے کسی قسم کے اشارات و کنایات کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ ساتھ ہی ہومر میں **دودونا** اور **فیثو** (دلیفی) کا بھی تذکرہ ہے؛

یونانیوں کے قبضے میں قلعہ بند شہر بھی تھے[۵]۔ ان کی ثروت اور مرفہ الحالی کا انحصار اراضی اور اس کی پیداوار پر تھا اور اشیا کی قیمت کا معیار مویشی کے ذریعے سے کیا جاتا تھا۔ ہم انگور کی کاشت اور باغیچوں کا ذکر پڑھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ امرا شکار کے شوقین تھے لیکن انھیں مچھلی پکڑنے کا شوق نہ تھا۔ مکانات کی ترتیب کی بابت ہمیں صرف شاہی محلات مثلاً **الکی نواس** اور **اودی سیوس** کے مساکن کا علم ہے، اور ان کا سب سے اہم حصہ **میلا تھرون** یا بیچ کا کمرہ تھا جہاں از منۂ وسطی کی گڑھیوں کے بڑے کمرے کی طرح میزبان اور مہمان ملاقی ہوتے تھے اور وہیں آتش دان کے قریب گھر کی مالکہ بیٹھتی تھی۔ واضح ہو کہ **الکی نواس** کے محل کے تعیش آمیز آرام کے

---

۵ طوسی وید ش ۱، ۵، ۶ میں "بے دیوار شہروں" کا جو ذکر ہے اس سے ہمیں مغالطہ نہ ہونا چاہیئے۔ یہ محض یکطرفہ بیان ہے اور اگر اسکے لغوی معنی لیئے جائیں تو بلاشبہ غلط ہے۔ مکانات کی قلعہ بندی کا مسئلہ بالکل صاف ہے؛ لوگوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے گھروں کی دیواریں یا پشتے حتی المقدور اچھے بناتے ہیں، اور یہ وحشی اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔ **ہیلبگ** نے اپنی کتاب (صفحہ ۱۷) میں اس سے انکار کیا ہے کہ سنگین دیواریں خیالات ہومر کے مطابق ہیں، لیکن میرے نزدیک اسنے اپنی رائے کا کافی ثبوت نہیں دیا۔ ڈیورپ فیلڈ Doerpfeld نے حال ہی میں یہ دکھایا ہے کہ یونانی ابتدا میں دھوپ میں سوکھی ہوئی اینٹوں سے مکانات بناتے تھے ("مقالہ جات تاریخی و لسانیاتی"، جو ارنسٹ کرتیوس کے نام پر معنون کیے گئے Historische und philolog. Aufsaet, Ernst Curtius gewid met برلن ۱۸۸۴ء)؛

باب۱ قصے محض خیالی ہیں۔ قصبوں میں لوگوں کو کوئی خاص کام نہ تھا اس لیئے وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ سڑکوں، بازاروں اور چوکوں میں بسر کرتے، بالکل ایسے ہی جیسے آج بھی جنوبی یورپ کے ممالک میں ہوتا ہے جہاں چوک کی جگہ عیش گاہوں، عطاروں کی دکانوں اور قہوہ خانوں میں گپ شپ اڑتی ہے۔ اوڈیسی میں مسرت آمیز ایونی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اور یہی جذبہ اُن کے مذہب میں بھی پایا جاتا ہے۔ جہاں آریس اور افرودیت کے قصے میں وہ سرایت کیئے ہوئے ہے؛

الیاڈ میں قدیم یونانیوں کی لڑائیوں کا نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ جس میں رتھوں کی لڑائی سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے۔ مصری اور اشوری عمارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں جنگی رتھ مشرق ہی سے آیا تھا اور ان ممالک کے چوڑے چکلے میدانوں میں یہ ایک نہایت کارآمد آلۂ حربی ثابت ہوا ہوگا۔ ہم اس سے واقف نہیں کہ خاص یونان میں اس کا کس حد تک استعمال ہوتا تھا۔ لیکن غالباً ابتدا میں صرف دوڑوں کی خاطر اور پھر لڑائی میں ان کا رواج پڑا ہوگا؛

الیاڈ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ممتاز افراد کے مرنے کے بعد نعش کو ارتھی پر رکھ کر جلاتے تھے، اُس کی راکھ ڈبے میں بند کی جاتی جس کا ڈھکنا پتھر کا ہوتا اور اُسے ایک قبر میں دفن کرکے اس پر مٹی کا تودہ بنا دیا جاتا۔ آج بھی اگر ہم ضلع ٹرواے کی سیر کو جائیں تو ہمیں مخروطی شکل کے ٹیلے نظر آئیں گے جن کے تلے روایت کے مطابق سورما مدفون تھے؛

باب پانزدہم

یورپی یونان

اسپارٹا کی رسم ورواج

اور

دستور لیکرگوس

ابتدائی دور کے یونانی معاشرے کی ابتدا تو یورپی یونان میں ہوئی لیکن اس کا نشو ونما ایشیائے کوچک میں ہوا جہاں کے یونانی بلدیات نے اپنے اصلی وطن کی تہذیب وتمدن کو معراج کمال کو پہنچا دیا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ باوجودیکہ ان ایشیائی یونانیوں نے ابتدا ہی سے اپنی خداداد ذہنی قابلیت کا ثبوت دیا اور زمانۂ مابعد میں تجارت اور حکمیات دونوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے، لیکن سیاسیات کے میدان میں اُن کی ترقی ناقابل لحاظ تھی۔ یہیں ان ممالک میں کسی ایسی فوجی قوت کا پتا نہیں چلتا جو مختلف افراد کے اتحاد پر قائم ہو، نہ ایسی قوم سامنے آتی ہے جس میں سیاسی یا فوجی قوت واقتدار کا پتہ تو نظر آئے یہی وجہ تھی کہ مختلف بلدیات پہلے تو لدیہ کے زیر اقتدار آ گئے اور پھر انھیں ایران نے فتح کر لیا در حقیقت یہ فخر یورپی یونان کو ہی حاصل ہے کہ انھوں نے سیاسی اصول کو ترقی دی اور ان میں سے جس قوم نے میدان سیاست میں سب سے آگے قدم بڑھایا وہ دوریانی تھے:۔

ہم ان روایات پر بحث کر چکے ہیں جو دوریانی فتح پیلوپونیز کی نسبت ہم تک پہنچی ہیں اور یہ دیکھ چکے ہیں کہ یہ روایات کس قدر غیر مستیقن ہیں۔

باب ۱۳　قدیم ممالک میں جس مملکت کی بابت ہمیں سب سے زیادہ معلومات حاصل ہیں وہ اسپارٹا ہے لیکن ان میں بھی جگہ جگہ تضاد اور تاریکی نظر آتی ہے۔[۱]

---

[۱] یہاں ہم حقیقی تاریخ کے مطالعے کی ابتدا کرتے ہیں؛ اور یہ زمانہ اس معنے کر کے تاریخی ہے کہ ان واقعات کی بابت جن کا اب ذکر کیا جائے گا ہمارے پاس ہمعصر یا کم و بیش ہمعصر نوشتے موجود ہیں۔ اس زمانے میں معاملات عامہ کی مستقل یادداشت رکھنے کیلئے تحریر کا استعمال کیا جانے لگا تھا؛ ابتدا میں صرف بادشاہوں، آرخنوں اور پجاریوں کی سرگزشتیں ہی مرتب کی جاتی تھیں، اور فی الحال واقعات، خصوصاً واقعات کی تفصیل کی حفاظت زبانی یاد پر چھوڑ دی جاتی تھی جس کے ابتدائی نظم و نثر دونوں مرہون منت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا ہی سے سنوی تسلسل پر بہت زور دیا جانے لگا، لیکن ہماری بدقسمتی سے اس عہد کے یونانی کسی ایک سنہ کا استعمال نہ کرتے تھے اس لئے مختلف واقعات کی تاریخوں کا صحیح تعین نہایت دشوار ہے۔ اس کی نہایت عمدہ مثال سسلی کے تسلسل واقعات سے ملتی ہے جیسے طوسی ویدش نے نقل کیا ہے؛ وہ اس جزیرے کی آبادی کی تاریخ کا ایک جزو تو تسخیر ٹروائے کو ایک جزو یونانیوں کے جزیرے میں آنے سے شمار کرتا ہے؛ وہ یونانی بلدیات کے اولین استعمار کو جزیرۂ ناکسوس کے استعمار سے شمار کرتا ہے، لیکن چونکہ اس واقعے کے لئے بھی وہ کوئی تاریخ نہیں بتاتا اس لئے کسی تاریخ کا بھی تعین نہیں ہو سکتا۔ ارسطاطالیس کے زمانے کے بعد تاریخی تسلسل دریافت کرنے کی متعدد کوششیں ہو چکی ہیں۔ جن میں سب سے ممتاز کوشش اسکندریوں کی ہے؛ لیکن یہ بھی اکثر و بیشتر اپنی تاریخ کا آغاز تسخیر ٹروائے کی خیالی تاریخ سے کرتے ہیں۔ خود اولمپیاد کا سنہ بھی تمائیوس کے زمانے سے پہلے عام طور پر استعمال نہ ہوتا تھا؛ اور یہی وجہ ہے کہ ۵۰۰ ق م سے پہلے کی بہت ہی کم تاریخیں قابل یقین ہیں اور بعض بہت بڑے واقعات مثلاً جنگ ہائے مسینیہ، ایتھنز اور میگارا کی باہمی آویزش، کریسوس کا زوال، عہد پولیکراتیس اور پی سسٹراتوس کے عہد کے تفصیلی واقعات، ان سب امور کی تاریخ ہنوز متنازع فیہ ہے، اور جو قطعی تاریخیں لوگ سے بیوس وغیرہ نے اپنی تصانیف میں دی ہیں ان میں سے چند تو در اصل مختلف تاریخوں کو یکجا کرنے سے حاصل ہوئی ہیں اور بعض محض خود ساختہ ہیں۔ Mahaffy مہافی نے اپنی تصنیف "مسائل" (تتمہ) میں

باب ۱۵

الیفوروس کہتا ہے کہ یوریس تھنیس اور پروکلیس نے لقونیہ کو

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ دکھایا ہے کہ ابتدائی اولمپیادی کی فہرستیں سب کی سب مشتبہ ہیں، اور اگر ہم واقعات پر غائر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ خاکے کی طرح یہ بھی سراسر غیر متعین ہیں، جس کا ثبوت اس واقعے سے ہوتا ہے کہ خود متقدمین نے اسپارٹا، آرگوس، ایتھنز کی جو تاریخیں مرتب کی ہیں، و نیز زمانۂ حال کی تصانیف میں ایک خاص تضاد پایا جاتا ہے۔ ارسطا طالیس کی لکھی ہوئی کتاب "دستور ایتھنز" جو ابھی حال ہی میں برآمد ہوئی ہے، بجلی کی چمک کی طرح ہماری تاریک شاہراہ کو روشن کر دیتی ہے۔ ارسطاطالیس اُس زمانے کے حالات سے ہم سے کہیں زیادہ واقف تھا اسی وجہ سے بہ نسبت اس کے ہم اس معاملے میں مجبور دکھلائی دیتے ہیں۔ اس کے جو اجزا دریافت ہوئے ہیں اُن سے پتا چلتا ہے کہ کیسی کیسی قیمتی تصانیف مفقود ہو گئی ہیں، مثلاً الیفوروس جو اس بیان کے لئے جو آج کل بھی مسلمہ سمجھا جاتا ہے استناد کا درجہ رکھتا تھا، خود ارسطاطالیس کے ساتیرز تمائیوس کی جملہ تالیفات، ڈیو دوروس کی تصنیف کے حصص ۶ لغایت ۱۰، اور نکولاوس ساکن دمشق، ان سب عظیم الشان اور مستند اساتذہ کی تصانیف ہماری نظر سے اوجھل ہیں! جو تصانیف ہمارے پاس تک پہنچی ہیں ان میں سے اہم ترین پلوٹارک کی سوانح عمری لیکرگوس و سوانح عمری سولون، ہیروڈوٹس کی تاریخ (لیکن افسوس ہے کہ دیونی سیوس ساکن ہالی کارناسوس کے قول کے مطابق وہ سنہ ق م سے سنہ ۴۷۸ ق م تک کے واقعات مطلق بیان نہیں کرتا)، کلیات طوسی ویدیش کے چند اجزا، پوسانیاس، اسٹرابو و دیگر جغرافیہ نویس اور دیو جانس لیرٹیوس کی کتابیں ہیں، اور باقی ماندہ تصانیف زمانۂ مابعد کی ہیں۔ اگر ہم سنہ ۵۰۰ ق م سے پہلے کی تاریخ صحت کے ساتھ مرتب کرنا چاہتے ہیں تو مناسب ہوگا کہ ہم اس دور کے حالات کی روایات جمع کریں اس کوڑے میں سے بہترین اجزا اچن لیں اور جس کسی واقعے کا ان سے انطباق نہ ہو سکے اُسے نکال ڈالیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس قسم کی کوشش تاریخ روما میں رائگاں گئی وہ تاریخ یونان میں کارآور نہیں ہو سکتی اور اس لئے ہمیں چند تاریخی اصولوں سے کام لینا چاہئے (جو اس کتاب کے دیباچے میں مذکور ہیں) جیسے زمانۂ حال میں نہایت دیدہ ریزی اور کاوش سے کام لیا گیا ہے۔

باب ۵

چھ حصوں میں تقسیم کر کے امیکلائے ایک اکاہیائی مسمی فلونوموس کے حوالے کر دیا جو اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ کر دوریانیوں سے جا ملا تھا۔ ابتدا میں تو فاتح و مفتوح قوم میں بالکل مساوات تھی، لیکن یوریس تھنیس کے بیٹے آگس نے اس اصول کو مسترد کرایا اور اب مفتوح قوم پر خراج عائد کر دیا گیا، اور جب ہیلوس کے باشندوں نے اُسے تسلیم کرنے سے انکار کیا اور بغاوت کر دی تو اُن پر چڑھائی کی گئی اور اُنھیں مغلوب کر کے غلام بنا لیا گیا۔ اس کے علاوہ فلومینوس نے لیمنوس کے چند باشندوں کو لاکر امیکلائے میں آباد کر دیا تھا؛ اب انھیں بھی ملک چھوڑ کر جزیرۂ میلوس اور کریٹ کے شہر گورتین میں جاکر بود و باش اختیار کرنی پڑی بلکہ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ انھوں نے جزیرۂ تھیرا میں بھی ایک نوآبادی کی بنیاد ڈالی تھی۔ اسی طرح آرناگون کی ایک ٹولی اسپارٹیوں کی اجازت سے کوہ تےگیتوس پر آکر آباد ہو گئی تھی، لیکن اب اسپارٹی ان سے تنگ آگئے تھے اور کادمیا کا ایک باشندہ جس کا نام تھیرا س تھا اور جو ارسطودیموس کا عزیز تھا اُنھیں اور چند اسپارٹیوں کو لے کر جزیرۂ کالستے لے گیا جس کی وجہ سے اُس کا نام تھیرا پڑ گیا۔ لیکن اس کا بیٹا اوے اولیکوس اپنے باپ کے ساتھ نہیں گیا بلکہ خاندان اےگیوسیان کا مورث اعلیٰ بنا۔ ان تمام

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اسپارٹا کی ابتدائی تاریخ کیلئے منجملہ دیگر کتابوں کے گ، گلبرٹ کی کتاب G.Gilbert:Studien zur altspartanischen "مطالعات تاریخ قدیم اسپارٹا" Geschichte گیوٹنگن ۱۸۷۲ء اور اسی کی "بیاض قدیمیات اسپارٹا" Handle:der griech.Staatsalterthum اور بوسولٹ کی "تذکرہ لاکےدیمونیان" Busolt Die Lacedæmonier، دلائپزگ ۱۸۷۸ء) کا مطالعہ کیا جائے۔ آٹھویں صدی ق م کے بعد اسپارٹی بادشاہوں کی فہرست لکھی جانے لگی، اور اس سے پہلے کے بادشاہوں کے نام جیسے چاہا بھر دیے گئے۔

لقونیہ کی تقسیم؛ اشترابو ۸، ۴، ۳۶۴؛ مقابلہ کیا جائے نکولاؤس دمشقی جزو ۳۶ مینیائے قوم کا لیمنوس سے لقونیہ آنیکا ذکر بولی آئے نوس ۷، ۹۴، تحقیقات تاریخ یونان Qu. Gr ۲۱ میں ملیگا تھیرا کی بنیاد، ہیروڈوٹس ۴، ۱۴۵ وغیرہ تیلیکلوس کی فتح امیکلائے، پوسانیاس ۳، ۲، ۶ ۔

دوریانیوں کے تسخیر اسپارٹا کے افسانوں میں ایک حقیقت مضمر ہے، وہ یہ کہ زمانہ دراز کے بعد بھی امیکلائے اکائیائی ہی رہا اور اسی واقعے کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے کہ تے لیکلوس شاہ اسپارٹا نے نویں صدی ق م کے اختتام پر اس شہر کو اکائیائیوں سے چھینا اور اس جنگ میں اے گیوسی تموماخوس نے اسپارٹیوں کی خدمت خاص طور پر کی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ امیکلائے اور اسپارٹا میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے اور جبتک یہ خطہ دوریانیوں کے براہ راست اُن کی قلمرو میں شامل نہ ہوگیا اسوقت تک اُن کو وادی یوروتاس کے جنوبی حصے پر اپنا اقتدار قائم کرنا مشکل تھا۔ بدیں وجہ یہ امر بالکل صاف ہے کہ لیکرگوس کے زمانے کے بعد بھی اسپارٹی اس وادی کے مالک نہ تھے۔

تاریخی زمانے میں اسپارٹا پر ہمیشہ دو بادشاہ، جو دو مختلف شاہی خاندانوں یعنی خاندان آگس اور خاندان یوری پون سے رہتے تھے حکومت کرتے تھے۔ روایت کے مطابق ان دونوں خاندانوں کے مورث اعلیٰ ارسطودیموس کے دونوں بیٹے یعنی یوریس تھنیس اور پروکلیس تھے، اور اُن کے نام آگس ولد یوریس تھنیس اور پروکلیس کے پوتے یوری پون کے نام پر رکھے گئے تھے۔ ندائے ڈیلفی کے مطابق دونوں بھائی ساتھ ساتھ سریر آرائے سلطنت ہوئے لیکن چونکہ یوریس تھنیس کو بڑا بتایا جاتا ہے اس لیئے خاندان آگس کی توقیر نسبتاً زیادہ ہوتی تھی۔ زمانۂ حال کے نقادوں کی رائے کے مطابق یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ ایک ہی فاتح قوم اقتدار اعلےٰ کو دو مختلف افراد کے سپرد کردے، اس لیئے دو شاہی خاندانوں کی یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ غالباً وہ دو مختلف اقوام کے جداجدا شاہی خاندان ہوں گے جو امتداد زمانہ سے بالکل مخلوط ہو گئے، اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ جب دوریانیوں نے اکائیائیوں پر فتح پائی تو انھوں نے مفتوح قوم کے ساتھ یہ رعایت کی کہ اُن کے حکمران کو اپنے بادشاہ کے دوش بدوش فرماں روا تسلیم کر لیا، اور یہ صورت حال مسلسل جاری رہی۔ زمانہ مابعد میں ہمارے سامنے یہ عجیب واقعہ

باب ۱۵

آتا ہے کہ کلیومنیس ایتھنز پہنچا ہے اور اپنے اکائیائی ہونے کا اعلان کرتا ہے اور اس سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ آگسی تو اکائیائی اور یوری پونتی دوریائی ہوں گے؛ یا یہ بھی ممکن ہو کہ اُس کا عکس ہی صحت پر مبنی ہو، یعنی صرف سربرآوردہ آگسی ہی دوریائی النسل ہوں۔ آخر میں یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ دونوں بادشاہ دوریائی ہی ہوں اور جب انھوں نے ہرقلی جامہ پہنا ہو تو اپنے آپ کو اکائیائیوں سے منسوب کرنے لگے ہوں۔ لیکن اگر اس مفروضے کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس کی پوری توجیہ نہیں ہوتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شاہی اختیار کو محدود کرنے کے لیئے یہ طریقہ رائج کیا گیا ہو؛ کچھ بھی ہو نتیجہ تو یہی نکلا یعنی شاہی اختیار محدود ہو گیا[۱]۔

---

[۱] اسپارٹا کی دوعملی کی بابت ہیروڈوٹس ۶، ۵۱ وغیرہ؛ ڈنکرہ، ۵، ۲۵۲؛ واخسموت: Wachsmuth: Ursprung des Doppelk. in Sp. اسپارٹا میں دوعملی جریدہ سالانہ لسانیات، ۱۸۶۸ء۔ واخسموت پولی آئے نوس (۱، ۷، ۱۰) کے اس نظریے کا اقتباس دیتا ہے کہ دونوں خاندانوں میں کوئی نہ کوئی نسلی فرق ضرور تھا، لیکن اسی اقتباس میں مجھے یوری سس تھنی سیوں کا کہیں پتا نہیں ملتا، بلکہ اس کے بالکل برعکس اس میں ہم صرف ہرقلیوں سے یعنی فاتح دوریائیوں اور یوری سس تھنی سیوں سے (جو ہرقل کے متعلقین کے وارث تھے) دوچار ہوتے ہیں۔ شیومان (Schoeman) (۱، ۲۳۸) کی رائے ہے کہ یوری سس تھینس اور پروکلیس دو سوتیلے بھائی تھے جن میں سے ایک دوریائی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو آئی گیوسی خاندان کی عورت تھی؛ اُس کے نزدیک چونکہ آئی گیوسیوں نے دوریائیوں کو مدد دی تھی اس لیئے اُنھیں معاوضے کے طور پر انتظام سلطنت میں دخل دیا گیا۔ گلبرٹ اور اشٹائن دونوں ایک تیسرے بادشاہ کا اضافہ کرتے ہیں اور موخرالذکر کا خیال ہے کہ لیکرگوس آخری مینائی بادشاہ اور آخری آئےگیوسی تھا۔ لیکن مشکل یہ پیش آتی ہے کہ مینائی اور آئی گیوسی ایک ہی خاندان کے دو نام ہیں اور اگر ہم دو بادشاہوں سے بہ یک وقت تخت نشین اسپارٹا ہونے کی توجیہ نہیں کر سکتے تو ایک بادشاہ کے اضافے سے ہمارے سامنے کسی طرح سہولت پیدا نہیں ہو گی۔

اسپارٹی تاریخ کے ابتدائی حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوریس تھنیس کے بعد آگس، ایخستراتوس، لابوتاس، دوری سوس، آگیسی لاؤس، آرخے لاؤس اور تے لیکلوس تخت پر بیٹھے؛ اسی طرح پروکلیس کے بعد سوئش، یوری پون، پری تانس، یونوموس، پولی ویکتوس، اور خاری لاؤس اُس کے جانشین ہوئے۔ روایت کے بموجب انہیں سے ایخستراتوس نے وہ حصۂ ملک جو کوہ پارنون اور بحیرۂ ایجین کے درمیان واقع ہے اور جسے کینوریا کہتے ہیں فتح کیا، اور اسی طرح سوئس نے ہیلوس کو اپنی قلمرو میں ملایا اور آرکیڈی شہر کلیٹور کے خلاف فوجکشی کی؛ یوری پون نے مین تی نیا کا الحاق کیا؛ پری تانس اور خاری لاؤس نے آرگوس کے خلاف مہم سر کی اور اس لڑائی میں موخر الذکر بادشاہ کو تے گیا تیوں نے گرفتار کرلیا۔ اس بیان میں بہت سے واقعات قرین قیاس نہیں ہیں؛ مثلاً یہ کب ممکن

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ۔ گلبرٹ کی کتاب "مملکت قدیمہ" Gildert:Staatsalt. میں تھے راکی جس لوح کا ذکر ہے اُسے مشکل سے تاریخی نوشتے کا رتبہ دیا جاسکتا ہے۔ ت، مے یر (کتاب انجمن لسانیات گیوٹنگن جو ارنسٹ کُرتیوس کے نام پر معنون کی گئی Th:Meyer: Abt der Soc.Phil.Gott.Fuer E. Curtins گیوٹنگن ۱۸۶۸ء) کہتا ہے کہ یوری پونتی اکائیائی تھے۔ ہیرو ڈوٹس (۵، ۲، ۷) نے کلیومنیس کا جو قول نقل کیا ہے کہ "میں دوریانی نہیں بلکہ اکائیائی ہوں"، اس سے وہ نظریہ ثابت نہیں ہوتا جسکے ثبوت میں یہ پیش کیا گیا ہے اور اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ اپنے ساتھی کے بجائے وہ خود اکائیائی تھا۔ اس اعلان سے صرف یہ مقصد تھا کہ سننے والے (یعنی ایتھینے دیبی کی پجارن) پر اثر ڈالا جائے، اور یہ صرف ایک ہی صورت میں مفید ہو سکتا تھا یعنی اگر اس سے ایک مسلمہ واقعے کا اعلان کردیا جاتا وہ یہ کہ دونوں خاندان ہرقلی اور اکائیائی تھے۔ اسی کے وہ دونوں مدعی بھی تھے۔ متقدمین کا ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ ایک خاندان اکائیائی اور ایک دوریانی تھا اور اگر کلیومنیس اس کا اعلان کرتا تو اسکا مطلق اثر نہ ہوتا۔ یونان میں دو عملی کی اور مثالیں اسی گیوٹنگن والے رسالے میں ملیں گی۔

باب ۵

کہ اتنے بعید زمانے میں اسپارٹیوں اور شہر کلئی تور میں جنگ کے لیے کوئی بہانہ مل گیا ہو۔ حال آنکہ یہ شہر آرکیڈیا کے شمال میں اسپارٹا سے بہت فاصلے پر واقع ہے؟ بلکہ جنگ میں فتح بنیا بھی کچھ سمجھ میں نہیں آتی؟ اور یہ سب مہمات کو اقتضیقت قیاس چاہتا ہے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سب لڑائیاں دوریانیوں کے ترک وطن کے وقت ہوئی ہوں گی[1]۔ اس کے برعکس کینوریا کی بابت جس تنازع کا ذکر ہے وہ غالباً واقعات پر مبنی ہے اس لیے کہ یہ ضلع سرحد پر واقع ہے اور سرحدی اضلاع ہمیشہ مختلف زبردست مملکتوں میں مابہ النزاع ہوتے ہیں ؛

لیکرگوس کے تماشاگاہ یونان پر نمودار ہونے سے تاریخ اسپارٹا میں جس تابناکی کا اظہار ہوتا ہے وہ حقیقی نہیں بلکہ محض ظاہری ہے۔ بلاشبہہ اس کی زندگی اور اُس کے افعال کے متعلق ہمیں بہت کچھ معلومات حاصل ہیں لیکن انہیں اسقدر باہمی اختلاف ہے کہ ہم بعض نہایت ضروری امور کی بابت بھی کسی خاص حد یقین تک نہیں پہنچتے[2]۔ اُس نے اپنی زندگی ایسے زمانے میں گزاری جو تحریری تاریخ سے

[1] گیلتنز نے ایک مضمون (Rh: Mus ۳۲، ۲۵۹) میں اس رائے سے اتفاق کیا ہے، اور گوٹشمیڈ بھی اسی کا ہم خیال ہے؛ موخر الذکر کا اقتباس بوسولٹ نے اپنی کتاب "لکدمونیان" Busolt: Die Lakedaimomer جلد ۱ صفحہ ۷، ۳ میں دیا ہے ؛

[2] پلوٹارک کی سوانح عمری لیکرگوس میں اس کی بابت معلومات کا مفصل ذخیرہ موجود ہے جس کی بنا الیفوروس، ارسطاطالیس، ہرمیپوس، اور اسپارٹی ارسطقراطیس کے بیانات ہیں۔ اگر لیکرگوس کو ایک آگہی کی روشنی میں دیکھنا ہو تو ہیروڈوٹس ۱، ۶۵، ۶۶ کا مطالعہ کیا جائے؛ ارسطاطالیس: سیاسیات ۴، ۹، ۱۰ میں اُسے "طبقہ متوسط" سے جو بتایا گیا ہے اُس سے اُس کے شاہی خاندانوں کا فرد ہونے سے انکار لازم نہیں آتا۔ لیکرگوس اور کریٹ کے باہمی تعلقات کی بابت اشترابو ۱۰، ۴، ۸ کا مطالعہ کیا جائے۔ یہاں ان تمام کتابوں کا حوالہ نہیں دے سکتے جس میں لیکرگوس کی بابت بحث کی گئی ہے، اور صرف مفصلۂ ذیل تصانیف کے شمار پر اکتفا کرتے ہیں کہ، شٹائن:

بہت پہلے تھا اس لیئے یونانی روایات کو اصل حقیقت کے محو کرنے کا بہت کچھ موقع مل گیا صرف ایک امر ایسا ہے جو متنازع فیہ نہیں اور وہ یہ کہ لیکرگوس ہی تھا جس نے اسپارٹیوں کے لیئے وہ قانون بنائے جو اس مملکت میں تاریخی زمانے میں مروج تھے۔ اس کی سوانح عمری کے باقی اجزا میں عظیم الشان خلاف و تضاد پایا جاتا ہے، لیکن ایک اور امر جس پر سب متفق ہیں یہ ہے کہ وہ کمسن شاہ اسپارٹا کا بزرگ اور سلطنت کا متولی تھا؛ اس بادشاہ کا نام عام طور پر خاری لاؤس بیان کیا جاتا ہے جس سے اس کے یوری پونتی ہونے کا پتا لگتا ہے، لیکن ہیروڈوٹس اسکا نام لیوبوتاس بتاتا ہے جو نسل آگیس میں سے کسی فرد کا نام ہوگا۔ اسی طرح عام طور سے یہ پڑھنے میں آتا ہے کہ لیکرگوس کے دستور کی ابتدا اندائے فیثوی سے ہوئی، لیکن ہیروڈوٹس یہاں بھی اس عام افواہ سے مخالفت کر کے خود اسپارٹیوں کا یہ بیان نقل کرتا ہے کہ یہ کریٹ کے دستور کا چربہ تھا۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مقنن اسپارٹا نے کریٹ، مصر اور خیوس میں سیاحت کی، اور وہاں کے مشہور لوگوں سے ملاقی ہوا مثلاً کریٹ میں شاعر تھیلاتاس سے اور خیوس میں ہومر سے جس کی نظمیں وہ اپنے ساتھ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ تنقید روایات متعلق لیکرگوس K. Stain: kritik der

Ueber beferung ueber Lykurg گلاٹز ۱۸۸۲ء، "تحقیقات لسانیات"، جلد

Progr. und جو کیسلنگ اور فون ولامیو وتز میولینڈ ورف کے زیر ادارت شائع ہوئی ہیں

das 7 Heft der philologischen Untersuchungen edited

by Kiessling and von Willamowftz Moellendorff ۱۸۸۴ء ص ۲۶۷، ۲۸۵

بازین: "لیکرگوس" Bazin De Lyc. پیرس ۱۸۸۵ء؛ ای میر: دستور لیکرگوس

E. Meyer: Die Lyk. verfars. Rh: mus vol 41 & 42 بوزیون:

Busion Lyk und Die gross Rhetra "لیکرگوس و قانون عظیم"

انز مبروک ۱۸۸۸ء (جہاں وہ لیکرگوس کی شخصیت تاریخی گردانتا ہے) نیز سے

Niese: Zur verfassungs gesch Lacedaemons "تاریخ دستور لاسے دیمون"

Histor Zeitsch 26,1 در الوقت تاریخ، ۱۰۲۶

باب ۵

اسپارٹا نے آیا۔ الیفوروس کا بیان ہے کہ اس نے وطن سے دور خود کو بھوکا مار کر خودکشی کرلی۔ بعض مورخوں نے یہ دکھایا ہے کہ یونانی روایات نے لیکرگوس کی زندگی میں چند ایسے واقعات کا اضافہ کیا ہے جن کی وجہ سے اس میں اور سولون میں یگانگی پیدا ہو جاتی ہے؛ مثلاً دونوں اطراف بلاد یونان کا سفر کرتے ہیں، دونوں ہومری نظموں سے واقف ہیں، دونوں اپنی اپنی زندگی کے آخری ایام وطن مالوف سے دور گزارتے ہیں اور جس طرح سولون کے دلیفی سے گہرے تعلقات تھے ویسے ہی لیکرگوس کا دیلفی اور اولمپیا سے تعلق ہے جہاں اسنے مقدس التوائے جنگ کر کے مشہور اولمپیائی میلے کی بنیاد ڈالی۔ ظاہر ہے کہ لیکرگوس کی زندگی کے ایسے امور جو سولون کی زندگی کے واقعات سے ہو بہو مطابقت رکھتے ہوں، کم و بیش غیر متیقن ہیں، اور کیا اچھا ہوتا اگر ہم سولون کی زندگی کے ہی واقعات سے ذرا زیادہ واقف ہو جاتے! ظاہر ہے کہ اگر لیکرگوس کی شخصیت اس درجہ مبہم ہے تو ہم اس زمانے کے حالات کی بابت کیسے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں؟ انسابوں نے مختلف امور سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ وہ نویں صدی قدم کے ابتدائی نصف حصے میں ہوگا؛ لیکن طوسی ویدیش کے خیال کے مطابق اسپارٹی دستور کا قیام جنگ پیلوپونیز سے چار سو سال قبل عمل میں آیا تھا۔[۵] ان سب باتوں کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لیکرگوس جیسا کوئی مقنن تھا بھی؟ حال میں اس مسئلے پر بہت کچھ شبہہ ظاہر کیا گیا ہے،[۶] لیکن ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا اسپارٹا کا سا مدبرانہ نظام حکومت حقیقت میں ایک خاص قانون سازی سے عدم سے وجود میں نہ آیا ہوگا، اور اس کے لیے یونان کے ملک میں کیا ایک مقنن درکار نہ ہوا ہوگا؟

۵۔ لیکرگوس کی تاریخ کے لیے طوسی ویدیش ۱، ۱۸، لیکن ہیروڈوٹس اُسے اس سے بھی قبل بتاتا ہے۔ نیز مقابلہ کیا جائے ڈنکر ۵ $\frac{۲۶۸}{۲۶۹}$

۶۔ لیکرگوس جیسے شخص کے وجود کا انکار گیلتزر، گلبرٹ اور فون ولامیووٹز میولینڈورف نے کیا ہے
Gelzer:Rh:Mus 28,1 Gilbert:Studien 80.&.Gr.

اس کے علاوہ ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ لیکرگوس نے اسپارٹا کے لیئے آخر کیا کیا؟ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ اُس نے فوجی رسالوں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) Staat salt 1,15; von W. Moellendorff گمبرٹا سے لکیائی اپولو اور فون ولامیووِٹز میولینڈورف اسے زیوس لیکائیوس قرار دیتا ہے۔ وہ مصنف جس کی ہماری طرح یہ رائے ہے کہ ذاتی خصائل کا اثر دیگر ممالک سے زیادہ یونان میں ہوتا تھا وہ اس پھندے میں ذرا مشکل سے پڑیں گے کہ لیکرگوس کی شخصیت محض فرضی ہے۔ یہ درست ہے کہ یونان کو سورماؤں کے قصے دل سے پسند تھے، اور جب انھیں سورما نہیں ملتے تھے تو وہ انھیں اپنے وہم میں پیدا بھی کر لیتے تھے، لیکن ہمیں ہر ایک واقعے پر علیٰحدہ علیٰحدہ رائے زنی کرنا چاہیے مقلن لیکرگوس کے خلاف کوئی قطعی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی، اور فون ولامیووِٹز کی رائے کی مخالفت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ (۱) جب وہ "قوانین" اور "قوانین بکتوبہ" کو ایک ہی چیز فرض کر لیتے ہیں (صفحہ ۲۷۵) وہ ایک خلاف انصاف مفروضے پر اپنی دلیل قائم کر لیتا ہے (۲) وہ یہ فرض کر لیتا ہے کہ کسی خاص فرقے میں تشکر و امتنان کی اہلیت مطلق نہیں ہوتی اس لیئے یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ جب لیکرگوس سے محض ایک اعیانی دستور منسوب کیا جاتا تھا تو محض اس وجہ سے کوئی بھی اُس کا رہین منت ہو لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہے اس لیے کہ "سورما پوجا" کی طرح کے ہر ایک جذبے کا منبع و ماخذ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے جذبات اور احسانمندی میں یگانگی پائی جاتی ہو دوسرے یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر وہ طبقہ اپنے سردار کی تعظیم و تکریم کرے گا تو اس سے اس طبقے کی بنیاد اور بھی زیادہ مستحکم ہو جائے گی۔ (۳) وہ صفحہ ۲۷۹ پر کہتا ہے کہ روایات کے بموجب لیکرگوس اعیانیوں کا نہیں بلکہ جذبہ ملوکیت کا قائم مقام تھا؛ لیکن محض یہ کہدینے سے کچھ ثابت نہیں ہوتا اس لیئے کہ روایت میں حقدار ادارہ شاہی اور حقدار عوام کے درمیان کوئی تباین نہیں پایا جاتا اس لیے کہ دونوں اپنے اپنے حقوق کی حفاظت میں کمربستہ اور دونوں ادارے دوش بدوش ہیں۔ میں نے لیکرگوس کو جو اہمیت دی ہے اس کی مثال وینس کی سیاسیات میں دوجے پی ایتر دگرادینیگو

اینوموتییس اور ترپاکادیس ہیسیتیا، الیفوروں اور گیرفتیس کی بنیاد ڈالی اور اس طرح اُس کے نزدیک لیکرگوس اسپارٹی دستور کی تقریباً جملہ خصوصیات کا بادی تھا۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس امر پر متقدمین متفق الرائے ہوں گے، اور خود ارسطاطالیس اس سے ایک نہایت اہم بات میں اختلاف کرتا ہے یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ الیفوروں کی ابتدا کا سہرا شاہ تھیوپومپوس کے سر ہے۔ اور متقدمین میں سے اکثر بیشتر الیفوروں کے عہدے کا لیکرگوس کو بانی نہیں سمجھتے۔ اس تخیل سے اسپارٹی دستور میں تدریجی ترقی کا تخیل پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر اس تضاد پر غور کیا جائے جو روایات میں پایا جاتا ہے اور اس کا لحاظ رکھا جائے کہ وہ قوانین جو لیکرگوس کے ساتھ منسوب کیئے جاتے ہیں اس بعید زمانے میں تحریر میں نہیں لائے گئے ہوں گے تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ امتیاز نہایت درجہ مشکل ہے کہ قدیم دور یانی رسم و رواج کیا تھے اور لیکرگوس نے کس کس ادارے کی ابتدا کی؛ صرف ایک بات ضرور قابل وثوق ہے، وہ یہ کہ لیکرگوس نے اعیانی جنگجو فرقہ کو ضرور مستحکم کر دیا ہوگا۔[۵] بدیں اسباب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی زمانے میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ Doge Pietro Gradenigo اور مجلس سنیات کی برخاستگی سے ملتی ہے؛ اور اس دوجے نے بالکل وہی کام کیا جس کے کرنے کی دلاموو ٹز میولینڈورف کے نزدیک لی کرگوس میں اہلیت نہ تھی۔ ویکنس اور اسپارٹا کی تاریخ میں اصلاح کا اہم مسئلہ شائع ملیگی۔

[۵] ہیروڈوٹس لیکرگوس کی اصلاحات کا ذکر کرتا ہے (۱، ۶۵، ۶۶)، لیکن ارسطاطالیس کی رائے (سیاسیات ۵، ۹، ۱) اسکے برعکس پ۔ تھیوپومپوس کے دور کیلئے پوسے بیوس ۲، ۸۰، ۱۸ دیکھا جائے۔ ہیروڈوٹس نے (۱، ۶۵) یہ جو کہا ہے کہ لیکرگوس سے پہلے اسپارٹیوں کے دستوری قوانین عمدہ نہ تھے، تو اس سے اسکے اور اسکے ہمراہیوں کا خیال معلوم ہوتا ہے؛ اور اسٹرابو (۸، ۳۶۶) میں ہیلانیکوس کے جس فقرے کا اقتباس دیا ہے کہ اسپارٹی دستور یوری تھینیس اور پروکلیس نے عطا کیا تھا، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا کی بابت قطعی طور پر کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

اسپارٹی دستور کی جو شکل تھی اُسے بیان کیا جائے اور ساتھ ہی اس رائے پر بھی زور دیا جائے کہ اس میں اس سے بیشتر ہی اندرونی ارتقا ضرور ہوا ہوگا۔ حال کے زمانے میں اس ارتقا کی تفصیل معلوم کرنے اور ہر ایک مفروضہ منزل کے تاریخی اسباب دریافت کرنے کی نہایت بلیغ کوشش کی گئی ہے۔ اس قسم کی تصاویر پیش کرنے سے ایک فائدہ ضرور ہوتا ہے وہ یہ کہ پڑھنے والا مضمون میں نہایت گہری دلچسپی لینے لگتا ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ یہ مناسب ہوگا (اور ہمارے مقاصد کے لئے یہ ضروری بھی ہے) کہ اُن تبدیلیوں کا ذکر کیا جائے جنھیں متقدمین نے بیان کیا ہے۔

۸ ڈنکر (۵، ۲۶۳) اس بات کے ثبوت میں کہ یہ دستور کسی حالت میں لیکرگوس کا قائم کردہ نہیں ہے، بہت سی دلیلیں پیش کرتا ہے لیکن اس کی بعض رایوں کی بنیاد نہایت کمزور ہے۔ مثلاً اُسے اس بات کا یقین نہیں آتا کہ اسپارٹا کے "پہاڑی ضلع میں" زندگی کی سادگی کو رواج دینے کی کیا ضرورت پڑی تھی، اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ اسپارٹا کے قوانین اکل و شرب کو لیکرگوس نے ہرگز مرتب نہ کیا ہوگا۔ لیکن جب ہم اس امر کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ دوریانی حملوں سے پہلے یونان کی تہذیب و تمدن کی حالت نہایت درجہ ترقی یافتہ تھی، نیز جب ہم اس کلیے کا لحاظ کرتے ہیں کہ جب ایک غیر مہذب قوم کسی مہذب ملک کو مغلوب کرلیتی ہے تو وہ اکثر موخرالذکر کی تہذیب و تمدن کو اپنا بنالیتی ہے اور بعینہٖ یہی وتیرہ دوریانیوں نے آرگوس میں اختیار کیا، تو ہم فوراً ان قوانین کی عمدگی کا اندازہ کرلیتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ نویں صدی ق م کے ایسے مقنن کے دماغ سے نکلے تھے جو ملک کو آیندہ خطرات سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ بلاشبہ تہذیب و تمدن میں لقونیہ میکے نائی سے کہیں پیچھے تھا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دونوں میں کسی کا بھی تباین پایا جاتا ہو۔ لقونیہ کے باشندے بھی زندگی کی بہت سی لذتوں سے واقف تھے اور مقنن اسپارٹا کا خیال تھا کہ کم از کم اس ملک میں اسکا اتباع نامناسب ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو قوانین اسپارٹا میں رائج کئے گئے انھیں اسپارٹیوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم بلاجبر و اکراہ قبول نہیں کرسکتی تھی، اور یہ جبر اسی مقنن نے عائد کیا تھا جسے متقدمین نے لیکرگوس کا لقب دیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ لیکرگوس کے قوانین اکل و شرب قطعی طور پر حسب حال تھے۔

باب ۱۵ اگر ہم نے یہ کیا تو ہم اہم ترین واقعات کی بابت اپنی رائے قائم کرسکتے ہیں [۹]۔
اسپارٹی مملکت کی بنیاد شہریوں کی تقسیم پر رکھی گئی تھی [۱۰] ان کی تین

[۹] ڈنکر نے اسپارٹی تاریخ کی یہ خیالی تصویر مرتب کرنے میں کمال کیا ہے اور اس کی کتاب میں ائس دور کا ذکر جس کی ہم تنقید کر رہے ہیں، ۵ / ۲۶۸ میں درج ہے۔ اس کی رائے یہ ہے کہ اوائل زمانہ میں لقونیہ میں دو دریائی مملکتیں ہوں گی، ایک تو وسطی یوئر وتاس کی سلطنت جس پر آگس کے خاندان کے افراد متسلط تھے اور دوسرے دریائے اوئے نوس کے کنارے جس پر یوری پونتی حکمراں تھے۔ دراصل یہی وجہ تھی کہ نفاق کے سبب سے وہ امیکلائے کے اکائیائیوں سے کمزور تھے اور آخر کار تگلیا والوں نے یوری پونتی خاری لاؤس کو جان سے مار ہی ڈالا (پُوسانیاس ۸، ۴۸، ۳)۔ اب لیکر گوس تماشاگاہ پر نمودار ہوتا ہے اور یہ دونوں مملکتوں کو ملاکر ایک نئی مملکت کا مرکز اسپارٹا کو بناتا ہے جہاں خود یوری پونتی بھی پہنچ جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ایک مشترکہ گیروزیا اور جمعیت عوام کی بنیاد رکھ دی جاتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ فوجی تادیب، تقسیم اراضی، اور نوجوانوں کی تعلیم کے قواعد، یہ سب زمانۂ مابعد کی قانون سازی کا نتیجہ ہیں، اور اسیطرح سے اولمپیائی میلے کے موقع پر اسپارٹا نے جو کام کیا تھا اس کی بنیاد بھی بعد کو ہی پڑی، اور ان سب باتوں کی وجہ سے اسپارٹا کو وہی پایہ حاصل ہوگیا جو میسینے کو حاصل تھا۔ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہ سب مفروضے نہایت ہوشیاری سے مرتب کئے گئے ہیں۔

[۱۰] متقدمین کے نزدیک کریٹ اور اسپارٹا کے دساتیر ایک دوسرے سے بہت کچھ ملتے جلتے تھے۔ کریٹ میں کوئی ایک مملکت نہیں بلکہ متعدد جمہوریتیں تھیں جن میں سے ممتاز ترین کنوسوس، گوڑتینا، کیدونیا اور لیکتوس تھیں۔ یہاں پیریوئکی کے علاوہ سرفوں یا نیم غلاموں کی دو قسمیں تھیں جنھیں کلاروتائے اور افامیوتائے کہتے تھے اور ہیلوتوں کے ہمشکل ایک اور ذات تھی جن کا منوئے تائے نام تھا۔ اس سب کے برعکس دوریانی زمیندار اپنی قوت بازو پر فخر کرتا تھا۔ مختلف بلدیات پر دس دس کوزموئے کی ایک مجلس حکومت کرتی تھی اور یہاں کے گیروزیا اور جمعیت عمومی کے بھی ویسے ہی حقوق تھے جیسے اسپارٹا میں لیکن جس شعبے میں دونوں مقاموں کے درمیان سب سے زیادہ

شقیں تھیں یعنی (۱) دوریانی شہری جنھیں مکمل حقوق شہریت حاصل تھے، (۲) پیریوئیکوئی دوریانیوں کے ماتحت تھے اور (۳) ہیلوٹ[۱۲] جو شہریوں کی اراضی پر رہتے تھے۔ ان ہیلوتوں کا یہ فرض تھا کہ وہ اراضی کی کاشت کریں، اور جو کچھ پیداوار ہو اس میں سے ایک حصہ تو مالک اراضی کو دے دیں اور دوسرا حصہ خود رکھ لیں۔ اگر بالفرض زمانۂ حال کے مورخوں نے ہیلوتوں کی جملہ تعداد میں مبالغہ بھی کیا ہے اور وہ منجملہ چار لاکھ کی آبادی کے دو لاکھ سے کم ہی تھے، یا انھی کی تعداد اس قدر تھی کہ بغیر جبر و تخویف کے وہ نچلے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ اس ڈرانے اور دھمکانے کے لیئے بہت سے اسپارٹی نوجوان وقتاً فوقتاً دیہات میں ہیلوتوں کی نگرانی کرنے کے لیئے بھیجے جاتے تھے اور انھیں اجازت تھی کہ جہاں کہیں وہ بغاوت کے آثار پائیں فوراً مشتبہ لوگوں کو تہ تیغ کر دیں۔ اس طرز عمل کو کرپتیا (یا خفیہ خدمت) کہتے تھے[۱۳] ہیلوتوں کو ذاتی ملک رکھنے کا حق تھا

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ تطابق پایا جاتا تھا وہ مردوں کا عام طرز زندگی تھی۔ یہاں بھی سیسیتیا کا رواج تھا جنھیں اَندریا کہتے تھے، اور گو خزانۂ مملکت بھی اس کے ایک حصے کا کفیل ہوتا تھا لیکن ساتھ ہی ہر فرد بشر کو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ بطور چندے کے دینا پڑتا۔ مقابلہ کیا جائے شیومان Schoemann (۳) ۱، ۳۱۲/۳۲۹۔ ان تمام مناسبتوں کے باوجود اسپارٹی جس قدر نیکنام تھے اُتنے ہی کریٹی بدنام تھے۔

۱۱ جو کچھ اس کے بعد لکھا گیا ہے اس کا ایسے مشہور آفاق مصنفین قدیمیات سیاسی سے مقابلہ کیا جائے جیسے ہرمان، شیومان اور گلبرٹ Hermann, Schoemann Gilbert.

۱۲ متقدمین کا خیال تھا کہ لفظ "ہیلوت" کا ماخذ شہر ہیلوس تھا، لیکن اب یہ مان لیا گیا ہے کہ یا تو اس کا ماخذ مادۂ "ہیل" ہے ورنہ ہیلیے ہے اور پہلی صورت میں تو اس لفظ کے معنی قیدیوں کے ہو گئے اور دوسری حالت میں اس دلدل سے مراد ہوگی جہاں اُنکے مساکن واقع تھے۔

لقونیہ کی آبادی کے لیئے بُخسن شُتز برتھو اور اُزوزب Buchsenschuetz

باب ۵

اور بعض خاص خاص مواقع پر وہ اپنی آزادی بھی خرید سکتے تھے، اور چونکہ اُن کا اسپارٹیوں سے نہیں بلکہ ان کی اراضی سے تعلق تھا اس لیے اُن کے آقا نہ تو انھیں آزاد کر سکتے تھے اور نہ اپنی خوشی خاطر سے غیر ممالک میں اُنھیں فروخت ہی کر سکتے تھے۔ جنگ میں اُن کے سپر دسپر برداری یا ہلکے ہتھیار والے سپاہیوں کی خدمت سپرد کی جاتی تھی اور حسب ضرورت وہ ہوپ لٹیوں کی صفوں میں بھی لڑتے تھے، اور ایسی حالت میں وہ جنگ کے بعد آزادی کے مستحق سمجھے جاتے تھے، گو مملکت ایسی آزادی کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھی۔ ان آزاد شدہ ہیلوتوں سے نیوداموڈیس (یا نوشہریوں) کا طبقہ نکلا۔ اگر ہیلوتوں کے بچوں کی پرداخت نوجوان اسپارٹیوں کے ساتھ ہوتی تھی، یعنی اگر انھیں مخصوص اسپارٹی طرز کی تعلیم دی جاتی تھی تو بھی اُنھیں حقوق مدنیت حاصل ہو جاتے؛ یہ حق نام نہاد موتھاکیس کے ساتھ وابستہ تھا جو در اصل بڑے بڑے اسپارٹیوں کی ناجائز اولاد کا مجموعی نام تھا، اور یہ مشہور تھا کہ گی لیپوس اور لیسانڈر دونوں اسی طبقے کے افراد تھے۔ غرض یہ ہے کہ ہیلوتوں کا وجود

بقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ Besitz & Crwerb ۳۸، وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔

کریپتیا کی بابت عام طور سے پلوٹارک کی سوانح عمری لیکرگوس ۲۸ کا اکثر مطالعہ کیا جاتا ہے؛ نیز انسانی دوڑش (کریپتیا) اور کوتوالی کے نظام کے لیے Plat.Legg ۶، ۷۶۳، دیکھا جائے۔

کلیومنیس سوم اور ہیلوتوں کے باہمی تعلقات کے لیے پلوٹارک؛ سوانح عمری کلیومنیس ۲۳

ہیلوتوں کا حق ملکیت محدود تھا، الیفوروس جس کا اقتباس اِسٹرابو ۳۶۵ میں دیا ہوا ہے؛

میدان جنگ میں ہیلوتوں کی حیثیت، ہیروڈوٹس ۹، ۲۸؛ طوسی ویدش ۴، ۸۰؛ ۷، ۱۹۔

ہیلوتوں کا صفحۂ ہستی سے مٹ جانا، طوسی ویدش ۴، ۸۰، نیوداموڈیس ایضاً۔ موتھاکیس Phylarch.in Ath ۶، ۲۷۱ - Ael.V.H.12,43 -

نیز مطالعہ کرو لیکوسولٹ، لکڈمونیان Buselt:Die Lakedenon. جلد ۱، ۲۴۴؛

باب ۱۵

بہ یک وقت اسپارٹی مملکت کی بنیاد بھی تھی اور اس کے لیے علی التسلسل باعث خطرہ بھی :

ہیلوتوں سے برتر طبقہ پے ریوئکوئی کا تھا[13] - یہ طبقہ اسپارٹی قلمرو کے بیشتر حصے میں پھیلا ہوا تھا اور یہ مشہور تھا کہ اس کے افراد تقریباً ایک سو گاؤں میں سکونت پذیر تھے - در اصل اس ملک کے اصلی باشندے تھے اور اکائیائیوں، ایونیائیوں، آرکیڈیوں اور دوریائیوں پر مشتمل تھے جن میں سے ایونیائی کینوریا میں اور دوریائی مسینیا میں رہتے تھے - ان کا پیشہ صنعت و حرفت اور کاشتکاری تھا، اور قوم میں انکا شمار ہوپ لیتوں یعنی بھاری ہتھیار والے سپاہیوں میں ہوتا تھا اور وہ کمانڈار تک ہو سکتے تھے - جن پے ریوئکوئی نے قصبات میں بود و باش اختیار کر لی تھی ان کی نگرانی کے لیئے اسپارٹی ہارموسٹ مامور تھے -

آخری طبقہ ذی اقتدار شہریوں یا "اسپارٹائیوں" کا تھا جن میں اولیں دوریائی فاتح اور چند ایسے خاندانوں کے افراد شامل تھے جنھیں انھوں نے اپنے حلقے میں شامل کر لیا تھا - ان شہریوں کی تعداد امتداد زمانہ سے متواتر گھٹتی گئی جنگ ایران کے دور میں وہ نو ہزار تک تھے، لیکن جب شاہ آگس سوم تخت نشین ہوا تو یہ صرف سات سو ہی رہ گئے تھے[14] - ان کے دو شعبے تھے، ایک تو ہوموئی روئے (یا "مساوی المرتبہ") اور دوسرے ہیپومئی اونیس (یا کمتر درجہ والے) - وہ لوگ جو مخصوص اسپارٹی طرز کی تعلیم سے مستفید نہ ہوتے تھے یا جو سیسی تیا کا چندہ ادا

---

[13] پے ریوئکوئی کی قانونی حیثیت میں کمی، ایسقراطیس : "پین اتھینیا" : Isocr : panath ۸ ، ۱۷۸ - طوسی ویدش ۸ ، ۲۲ میں ایک پیریوئیکوس امیر البحر کا تذکرہ ہے اور طوسی ویدش ۷ ، ۵۷ میں کیتھیرا کے باشندوں کو، جو سب کے سب دوریانی تھے، پے ریوئیکوئی کہا گیا ہے۔

[14] اسپارٹیائیوں کی تعداد کے لیے دیکھو ہیروڈوٹس ۷ ، ۲۳۴ ؛ پلوٹارک "آگس" ۵ ؛ ہوموئیوئے کے لئے ارسطاطالیس : "سیاسیات" ۵ ، ۶ ، ۱ ، اور گلبرٹ : ۱ ، ۴۱ ؛ ہیپومئی اونیس کے لئے زینوفون "ہیلے نیکا" ۳ ، ۳ ، ۶ - ؛

باب

کرنے سے قاصر رہے تھے انھیں مدنیت کے حقوق سے کچھ دست بردار ہونا پڑتا تھا اور اگر ہم ان دو تین باتوں کو نظر انداز کر دیں تو اسپارٹی شہریوں کی باہمی مساوات بالکل مکمل تھی اور اس کی بھی خواہش ظاہر کی جاتی تھی کہ جہاں تک ہو سکے اُن کی ذاتی ملک حتی المقدور مساوی ہی ہو۔ لیکن پلوٹارک کا یہ بیان غالباً صحت پر مبنی نہیں ہے کہ لیکرگوس نے اراضی کو از سرِ نو تقسیم کیا جس کی رو سے نو ہزار حصے اسپارٹائیوں اور تیس ہزار پے ریوئیکوئی کو ملے اس لیے کہ دیگر مورخوں نے اس واقعے کو مطلق بیان نہیں کیا اور دوسری اراضی کی اس قسم کی از سرِ نو تقسیم فاتحوں کے لیے ہی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس یہ ایک واقعہ ہے کہ اسپارٹا میں خاندانی ملک کی ہر طرح سے حفاظت کی جاتی تھی؛ نہ صرف اراضی فروخت کرنے میں بے حد کراہیت سمجھی جاتی تھی اور اگر کوئی اراضی "حصص قدیمہ" کے زمرے میں آتی تو اس کا فروخت کرنا ممنوع سمجھا جاتا۔ (غالباً "حصۂ قدیم" سے مراد وہ حصے ہوں گے جو فتح کے موقع پر کسی خاص خاندان کو دیئے گئے ہو نگے)۔ معمولی حالت کے اعتبار سے اسپارٹائیوں میں امیر و غریب دونوں تھے، اور یہ عدم مساوات اُسی وقت قدرتاً پیدا ہوئی ہو گی جب کسی شخص کے بہت سی اولاد ہوتی جن میں سے صرف ایک اپنے باپ کا وارث ٹھہرایا جاتا، یا جب جنگ پیلوپونیز کے اختتام پر قانون ایپی تادیوس کے مطابق مالکان اراضی کو اجازت دی گئی کہ وہ چاہیں تو اپنی اراضی کسی کو ہبہ کر دیں یا اس کی کسی کے نام وصیت بھی کر دیں[۱۵]۔

---

۱۵ لیکرگوس کی تقسیم اراضی کے لیے پلوٹارک: "لیکرگوس" کا مطالعہ کیا جائے۔ گروٹ نے اس فقرے کی نہایت شد و مد اور عمدگی سے مخالفت کی ہے؛ وہ کہتا ہے کہ "اصل جو اصلاحات آگِس اور کلیومنیس نے کی تھیں ان کی تاریخ کو پلوٹارک نے فدا پہلے کو ہٹا دیا ہے اور اس طرح گروٹ نے زمانۂ حال کی تنقید کے ایک نہایت مستقل طرز کا اس ضمن میں استعمال کیا ہے:

اسپارٹائیوں کو "شہری اراضی" میں جو حصہ ملتا تھا اس کی بابت مختلف لوگوں کی رائیں مختلف ہیں، اور اُن کا اقتباس لیچلی بیوس ۶، ۵۴ میں دیا ہوا ہے۔ اراضی کی فروخت کی

اس طرح ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ دور یانی جیسے جیسے لقونوی ملک کو فتح کرتے گئے ویسے ہی اراضی اسپارٹیوں میں تقسیم ہوتی گئی اور اسی طرح گو امیکلائے اور مسینیا کی فتح کے موقع پر بھی اراضی کی تقسیم کی گئی، بااینہمہ امیر غریب، بڑوں چھوٹوں سے اسپارٹا بھرا ہوا تھا اور اس عدم مساوات کو حقیقی اجتماعیت کے ذریعے سے روکنے کی کوشش نہیں کی گئی؛ باب

بعید ترین زمانے سے اسپارٹی مملکت کے سرگروہ دو بادشاہ تھے۔ اس ملوکیت کا ہومر کے عہد سے براہ راست تعلق ہے، صرف فرق یہ ہے کہ یہاں کے بادشاہوں کے اختیارات متعین اور نسبتاً محدود تھے، مثلاً وہ معبودوں کے حضور میں قوم کے قائم مقام سمجھے جاتے تھے، اور اپنے پیش رؤں یعنی ہومری بادشاہوں کی طرح انھیں بھی جنگ کرنے کا حق تھا اور انھیں کی طرح انھیں اعیان و کبار کی پشت پناہی کی ضرورت لاحق ہوتی تھی[۱۶] جب جنگ چھڑ جاتی تو وہ بحیثیت اپنے رتبے اور منصب شاہی کے اس کی سپہ سالاری کرتے لیکن زمانۂ مابعد میں ان کے ساتھ کام کرنے کے لیے دیگر فوجدار بھی مقرر کئے جانے لگے۔ بہرحال ان بادشاہوں کا اختیار روز بروز محدود ہوتا گیا، لیکن ظاہری تزک و احتشام میں وہ کسی سے کم نہ تھے اور ہیروڈوٹس یہ کہتا ہے کہ اُن کے جنازے تقریباً اتنے ہی کروفر کے ساتھ اٹھائے جاتے تھے جتنے ایشیائی مطلق العنان بادشاہوں کے جنازے۔ مجلس خاص یعنی گیروزیا میں دونوں بادشاہ اور اٹھائیس دیگر ارکان نشست کرتے تھے؛ اُن کا انتخاب رائے دہندوں کے شور و شر سے ہوتا تھا جسے ارسطاطالیس ایک طفلانہ کارروائی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ممانعت، ہرقل ۲، ۷۔ قانون ایپی تادیوس، پلوٹارک: آگس مقابلہ کرو گلبرٹ: تاریخ قدیم Gilb:St.A. جلد ۱، صفحہ ۱۳، اور خصوصاً ڈنکر: اراضی اسپارٹا Duncker unber die Hufen der Spart رسالہ ماہانہ انجمن علمیہ برلن monatsh der bert Ak ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۳۸ وغیرہ۔

[۱۶] اسپارٹی بادشاہوں کا تذکرہ ہیروڈوٹس ۶، ۵۶ تا ۵۹ میں ہے نیز اس کے لیے زینوفون: "ہیلے نیکا" ۵، ۳، ۲۰ اور پلوٹارک: "آگیس" ۲۰ کا بھی مطالعہ کیا جائے؛

باب۵

بتاتا ہے۔ اس مجلس کو تحقیقات جرائم کا اختیار حاصل تھا[۱۷]۔ لیکرگوس کے "قوانین" کے مطابق عوام الناس اسکے اختیارات کا مرکز۔ ایپلا یا جمعیت عوام تھی۔ اس خاص دفعہ کے الفاظ یہ تھے کہ "عوام کو مختلف مسائل کے تصفیے کا حق ہوگا، لیکن تھیوپومپوس نے جو ترمیمیں کی ہیں ان کی پابندی لازم ہوگی، یعنی اگر عوام سے کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو گیروسیا (اراکین گیروزیا) اور بادشاہ اُسے مسترد کرسکیں"۔ حقیقت یہ ہے کہ اسپارٹا کی ایپلا در اصل اتھاکا کی اس جمعیت عوام کی ہمشکل تھی جس کا اوڈیسی میں مذکور ہے[۱۸]۔

عہدہ داران مملکت میں الیفوروں کی حیثیت نہایت ممتاز تھی۔ جہاں تک اس عہدے کے آغاز اور اس کی ابتدائی اہمیت کا تعلق ہے خود متقدمین بھی متفق الرائے نہ تھے اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی ابتدا کا سہرا لیکرگوس کے سر ہے یا تھیوپومپوس کے، یا وہ کلیومنیس سوم کے دعوے کے مطابق اصل میں بادشاہ کے مقرر کردہ ماتحت عہدہ دار تھے؟ کم از کم یہ آخر کا نظریہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا[۱۹]۔ الیفوروں کی مجلس کے پانچ اراکین

---

[۱۷] مجلس خاص کا انتخاب، ارسطاطالیس: "سیاسیات"، ۲، ۶، ۱۶۔ اس میں شبہہ نہیں کہ ارسطاطالیس آجکل کی مجالس میں ہاتھ اُٹھا کر رائے دینے کا جو طریقہ مروج ہے اسے بھی طفلانہ کارروائی بتاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کے تمام اصول ... کھڑے چھپے تھے:

[۱۸] لیکرگوس کے رھیترا (قوانین) اور اس کی اصلاحیں پلوٹارک: لیکرگوس، ۶۔

[۱۹] ہیروڈوٹس (۱، ۶۵) کا بیان ہے کہ الیفوروں کی بنیاد لیکرگوس نے ڈالی، لیکن ارسطاطالیس ("سیاسیات"، ۵، ۹، ۱) کے مطابق اس ادارے کا بانی تھیوپومپوس تھا اور پلوٹارک (کلیومنیس ۱۰) کہتا ہے کہ اس کا سہرا کلیومنیس کے سر ہے، اور یہی ایک فقرہ ہے جس میں اُن کے اقتدار میں اضافے کو ایک ہی شخص یعنی استیروپوس کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ دیوجانس (۱، ۳، ۶۸) کے نزدیک ایک مدبر مسمی خیلون نے انھیں شاہی رتبے تک پہنچا دیا۔ زمانۂ حال کے مصنفین میں سے مفصلۂ ذیل کا مطالعہ مفید ہوگا:- (۱) شیفر: "لکدمونی الیفور"

Schaefer: De Ephoris Laced.

ہوتے تھے اور اُن کا انتخاب (جسے ارسطاطالیس طفلانہ کارروائی کا لقب دیتا ہے) عوام اپنے ہی میں سے کرتے تھے۔ منجملہ دیگر مناصب مملکت کے وہ اپیلا اور گیروزیا دونوں کو طلب کرتے اور دونوں پر صدارت کرتے، خارجی سفرا سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۱۸۶۳ء (۲) فرک: اسپارٹی الیفور Frick: De Eph.spart." گیوٹنگن ۱۸۷۲ء (۳) ڈم: اسپارٹی الیفوریہ کا آغاز اور اسکی ترقی Dum: Entstehung und Entwickelung des sparts. Ephorats انزبرک ۱۸۷۸ء: (۴) گلبرٹ تاریخ قدیم Gilbert.: St.A جلد ۱، ۱۵، ۵۸/۶۳۔ آجکل کے بہت سے مورخ کلیومنیس والے نظریے کی طرف مائل نظر آتے ہیں، لیکن ان کی مخالفت میں میں مفصلہ ذیل دلائل پیش کرتا ہوں:۔ اول تو اس نظریے کا ثبوت ہی نہیں دیا جا سکتا؛ خود پلوٹارک بھی اس کے ثابت کرنے میں قاصر رہا ہے، اور اس کا مقصد بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ الیفوروں کا خاتمہ کر کے ان سے اختیارات چھین لے، اور یہ بہت خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے جو عہدہ دار ابتدا میں خود بادشاہ مقرر کرتے ہوں اُن کے اقتدار میں اس درجہ اضافہ ہو جائے۔ اسکے برعکس ارسطاطالیس "سیاسیات" ۵، ۹، ۱ میں جو تذکرہ ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ اُن کے عہدے کا منشا ہی یہ تھا کہ وہ بادشاہوں کے کام کی نگرانی کریں؛ تو پھر ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ایک ایسے خلاف قیاس بیان کی تائید کریں جو اس وقت تک منت کش دلیل و استدلال ہے، اور جسے ممکن ہے کہ کلیومنیس کے عہد سلطنت سے پہلے ہی الیفوروں کے مخالفوں نے اختراع کر لیا ہو؟ یونان میں تو یہ قاعدہ عام تھا کہ کسی واقعے کو ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی تو اس کے ثبوت کے لیئے دیگر واقعات فوراً چھانٹ لیئے جاتے۔ ہیروڈوٹس ۷، ۳ میں دیماراتوس کی بابت اسی قسم کے بیانات دیئے ہیں۔ پلوٹارک: "کلیومنیس" میں ان رسوم کی بابت جو جائزہ لیتے وقت ادا کی جاتی تھیں ارسطاطالیس کا اقتباس دیا ہوا ہے۔ مقابلہ کیا جائے ہیلبگ: "دور ہومر" Helbig: Homer Epos صفحہ ۲، ۱۷ وغیرہ "دو سکی تارے" یا مراسلوں کی بابت پلوٹارک "دو لیکر گوس" ۱۹) پلوٹارک سے معلوم ہوتا ہے کہ الیفور ستارہ شناس بھی سمجھے جاتے تھے (Plut. Ag.11)

باب ۱۵

گفت وشنود کرتے، سپہ سالاروں کو ہدایات دیتے، اور اسپارٹا کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے دیگر بلدیات کے معاملات میں مداخلت کرتے۔ نیز مملکت کے نوجوانوں کی نگرانی انھیں کے ذمہ تھی، وہی اپنے ذاتی اختیار سے شہریوں کی ایسی حرکات کا انسداد کرتے جو انھیں غیر موزوں معلوم ہوتیں اور یہ صرف جملہ عہدہ داران مملکت بلکہ خود بادشاہ بھی انکی نگرانی میں رہتے تھے، اور تیسرے طلب نامے پر بادشاہ ان کے سامنے حاضر ہونے پر مجبور تھے، اور اگر کوئی بادشاہ سامنے رہکر گزرتا تو ایفوروں کو اُٹھ کر تعظیم دینا لازم نہ تھا۔ اگر ہم اسپارٹا کے دستور کا وینس کے دستور سے مقابلہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وینیسی دوجے کے اختیارات کم وبیش اسپارٹی بادشاہ کی طرح اور ایفوروں کی حیثیت وہاں کے "عشاریہ" اور مفتش مملکت کی سی تھی اور وینس کی طرح غالباً اسپارٹا میں بھی ان نظمائے مملکت کے اختیارات میں رفتہ رفتہ توسیع ہونے لگی لیکن غالباً وینس کی "عشاریہ" کی طرح ابتدا ہی سے ایفوروں کا کام مملکت کی نگرانی کرنا تھا اور اگر وہ نہ ہوتے تو غالباً اسپارٹی دستور اتنے عرصے تک صحیح وسالم نہ رہتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جملہ اسپارٹی ادارات کا نصب العین بس یہ تھا کہ تا حد امکان شہریوں کو مملکت کی خدمت کے لیئے تیار کیا جائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لیئے اس بات کی ضرورت تھی کہ ہر ایک فرد کو تادیب ("اگوگے") کی پابندیوں میں جکڑ دیا جائے اور ایسا انتظام کیا جائے جس سے شہریوں کے قوائے جسمانی مضبوط اور طاقتور ہو جائیں۔ بچے کے پیدا ہوتے ہی اُسے فیئو لے (قبیلے) کے بزرگوں کے سامنے پیش کیا جاتا تاکہ وہ تصفیہ کرسکیں کہ آیا اس کا زندہ رکھنا مصلحت ملکی کے موافق ہوگا یا نہیں؛ اگر اُس کی زندگی ہوئی تو اُسے سات برس کی عمر تک اناؤں اور ماماؤں کی سپردگی میں رکھا جاتا جس کے بعد مملکت اس کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتی، یعنی لڑکوں کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا جاتا جنکی نگرانی ایک ایک سرگروہ یعنی پیئے دونوموس کے سپرد ہوتی۔ مردوں کو ورزشی کھیلوں میں (جن میں دوڑ دھوپ، اچھل کود،

باب ۱۵ کشتی لڑنا، بھاری چیزوں کا پھینکنا اور ناچنا شامل تھا، لیکن گھونسے بازی شامل نہ تھی) شرکت کی اجازت تھی۔ انھیں کھانا صرف قوت لایموت کے لیئے ملتا، اور کسی کو اس سے زیادہ کی خواہش ہوتی تو اس کے لیئے سوائے چوری کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا جس کا مواخذہ ہوتا اور سزا ملتی، اور لڑکوں کو سخت جان بنانے کے لیئے ان کے بدن پر ارٹیمس اور تھیا کی قربان گاہ پر کوڑے لگائے جاتے گو عام ذہنی تربیت کا دائرہ محدود تھا لیکن موسیقی کی تعلیم کو خاص وقعت دیجاتی تھی اور اُس کی تعلیم بھی مملکت ہی کی نگرانی اور انتظام میں ہوتی۔ لڑکوں کو اکثر بھم لوگوں کے طعام خانے میں جاکر بیٹھنا پڑتا تاکہ وہاں وہ مفید و کارآمد باتیں سیکھیں اور فی البدیہہ جواب دینے پر قادر ہو جائیں؛ اسی طرح صاف بیانی پر زور دیا جاتا تھا اور اختصار اور حاضر جوابی کو شائد اسپارٹا کے برابر کسی اور ملک میں مشق نہیں کرائی جاتی تھی۔ رومنوں کی طرح اسپارٹیوں کے بھی بہت سے غیر مجسم دیوتا تھے جن میں سے ایک ہنسی کا دیوتا گیلوس بھی تھا[۲۰]۔ ایک خاص سن کو پہنچنے پر شہریوں کو بچوں کی تنبیہ کرنے کا اختیار ہو جاتا تھا اور بشرط ضرورت اُن کی زد و کوب بھی کی جاسکتی تھی جس کی وجہ سے اسپارٹی بچے ہمیشہ مؤدب و مہذب رہتے تھے۔ واضح ہو کہ لڑکیوں کی تعلیم بھی بالکل لڑکوں کی تعلیم کی طرح ہوتی تھی لیکن اُن کی تربیت گاہیں بالکل جداگانہ تھیں اور کبھی انھیں لڑکوں کی ورزشیں دیکھنے اور کبھی لڑکوں کو اُن کی ورزشیں دیکھنے کی اجازت ملجاتی تھی۔ انھیں اسباب کی بناپر اسپارٹی عورتیں اپنی قوت اور حسن میں جملہ ممالک یونان میں سب سے ممتاز سمجھی جاتی تھیں؛

اٹھارہ سال کی عمر میں نوجوان لڑکے اپنی اپنی جماعتوں کو خیرباد کہتے تھے اور اٹھارہ سے بیس سال کی عمر تک اُنھیں میلیئی رینیس[۲۱] اور تیس سال کی عمر تک آئی رینیس کا لقب دیا جاتا؛ معلوم ہو کہ تیس سال کی عمر تک اُنھیں پختہ کار نہیں سمجھا جاتا تھا اور نہ عام طور پر وہ اپنا نکاح اس عمر تک کرتے تھے لیکن

[۲۰] پلوٹارک "لیکرگوس"، ۲۵، Ath ۴، ۳، ۱۷؛ ۲، ۳۹۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہر زمیندار شہری کو نکاح کرنا لازمی تھا اور اگر اولاد نہ ہوتی تو طلاق لازم آتی۔ اسپارٹی شادی بیاہ کو بالکل اسی نظر سے دیکھتے تھے جیسے کوئی کاشتکار اپنے مویشی کی نسل کو دیکھتا ہے۔ مساویانہ تعلیم و تربیت کی وجہ سے عورت اور مرد کا رتبہ دیگر یونانی ممالک کی بہ نسبت مساویانہ تھا، اور یہاں عورتوں کا مملکت پر بہت بڑا اثر تھا جس کی وجہ سے بعض مرتبہ اسپارٹی حکومت کو حکومت تنوریہ یا لہنگا شاہی شاہی حکومت کہتے تھے؛

جملہ سیاسی ادارات میں سے جس ادارے میں مملکت کا مفاد سب سے زیادہ مدنظر رکھا جاتا تھا وہ فِدیتیا یا سسی تیا تھا جس میں دراصل فوجی قواعد و قوانین کو زمانۂ امن کے حالات سے منطبق کیا جاتا تھا[۱] اسپارٹی حقوق شہریت صرف اسی وقت کسی شخص کو حاصل ہوتے تھے جب وہ سسی تیا میں شامل ہونے اور اپنا مقررہ چندہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوتا؛ ان دعوتوں میں ہر شخص کو اختیار تھا کہ جہاں چاہے بیٹھے اور دستر خوان پر جو کھانے چنے جاتے تھے انہیں سے سب سے ممتاز کھانا مشہور سیاہ شوربا تھا۔ اسپارٹیوں کی عام زندگی کی طرح ان کا لباس بھی نہایت ہی سادہ ہوتا تھا، اور صرف میدان جنگ کے لیے ہی وہ اپنی تزئین کرتے تھے۔ ان کے مکان لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے جس میں صرف کلھاڑی اور آرے سے کام لیا جا سکتا تھا لہذا وہ جملہ آراستگی سے بالکل پاک تھے۔ اندرونی تجارت کے لیے صرف آہنی سکہ ڈھالا جاتا تھا اور یہ بالکل کافی ہوتا تھا اس لیے کہ پیداوار اراضی سے جملہ ضروریات پوری ہو جاتی تھیں اور چونکہ اسراف ممنوع تھا اس لیے بہت کم اشیا ایسی ہوتی تھیں

[۱] سیسی تیا یا دعوت عام میں جو لوگ شریک ہوتے انہیں سیس کے نوئے یا "ہم خیمہ" کہلاتے تھے، اور جب کوئی نیا شخص کسی خاص جماعت میں داخل ہوتا تو اس کی بجنسہٖ وہی کیفیت تھی جو کسی سپاہی کی ہوتی ہے جو اپنے ساتھیوں کی سفارش پر فوجی عہدہ داروں کی کلب میں داخل ہوتا ہے۔ پلوٹارک: لیکرگوس ۱۲؛ "سیاہ شوربا" خانگی مکانات کی ساخت لیکرگوس کے قانون کے مطابق نہایت سادہ ہوتی تھی، پلوٹارک: لیکرگوس ۱۳؛

باب ۱۵

جن کی پیداوار اراضی کے علاوہ ضرورت باقی رہتی۔ اسپارٹا میں بہت کم غیر ملکی باہر سے آتے تھے اور جن نقاشوں یا فلسفیوں کا گزر ہوتا تھا وہ مملکت کے مہمان رہتے تھے، اس لیئے کہ اسپارٹی فنون لطیفہ کی بابت صرف یہ حکم لگاتے تھے کہ اُن کا استعمال صرف ملکی مفاد کے لیئے ہونا چاہیئے۔ علاوہ سنگ تراشی کے ملکی فنون لطیفہ کا بہت کم تذکرہ سننے میں آتا ہے اور گودی کیلکتائے میں عام پسند مناظر کا خاموش مظاہرہ کیا جاتا تھا لیکن اس سے کسی قسم کے ناٹک کی بنیاد نہیں پڑی۔ غرض یہ ہے کہ قدیم اسپارٹی فنون لطیفہ سے نہایت بیگانہ تھے، اور یہ متقدمین کی تحریروں اور عینی شہادت دونوں سے معلوم ہوتا ہے[۱۲۲]،

۱۲۲ اسپارٹا کا ذکر طوکسی ویدش ۱، ۱۰۱ میں ہے۔ اسپارٹا اور دیگر مقامات کے ادارات کے ہمشکل ہونے کے متعلق ہم مفصلۂ ذیل رائے کا اظہار کرتے ہیں: ارسطاطالیس؛ سیاسیات ۷، ۹، ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اِطالوس نے سیسی تیا کو اوئے نوتریون میں بھی رائج کیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہریوں کی مشترکہ زندگی کے لیئے صرف دوریانی قوم ہی ممتاز نہیں بلکہ یہ دیگر اقوام میں بھی پائی جاتی ہے سیسی تیا سے خاندانی زندگی کے تخیل کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی؛ اس سے انسان کے چھوٹے سے چھوٹے افعال پر بھی عاملانہ نگرانی ہونے لگی اور اسپارٹا جیسی مملکت کی تنظیم کا قیام ممکن ہوگیا۔ اب جو بات اسپارٹا کو ان ممالک میں ممتاز کرتی تھی جن میں یہ طریق رائج تھا وہ یہ تھی کہ صدیوں تک عمال عوام الناس کی نگرانی کر سکیں، یہی وجہ ہے کہ جب ہم اسپارٹی اور کریٹی ادارات کی تنقید کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی یکسانی محض ظاہری تھا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کریٹی جمہوریتوں کی وہ کونسی خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے وہ مخصوص طور پر اسپارٹا کے ہمشکل نظر آتی تھیں؟ زرعی غلام تو دیگر ممالک میں بھی موجود تھے، یہ بھی غلط ہے کہ دونوں ممالک میں تعلیم ایک طرح پر دی جاتی تھی اس لیئے کہ کریٹ میں آگے لائے کی مفروضہ تعلیم سترہ سال کی عمر تک شروع نہ کی جاتی تھی، اور یہ وہ سن ہے جب حقیقی تعلیم عام طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ صرف ایک ہی ادارہ تھا جو دونوں میں پایا جاتا تھا، اور وہ یہی مشترکہ طعام خانے تھے۔ دوسرے الفاظ میں، اگر ہم

باب ۱۵

اسپارٹا ایک عظیم الشان فوجی چھاؤنی تھا اور عام طور پر یہاں کے شہریوں کا صرف ایک ہی فرض منصبی تھا یعنی یہ کہ جب ان کی ضرورت پیش آئے تو وہ سپاہی بن کر لڑیں؛ اور جب اسگےسی لاؤس کو یہ دکھانا منظور ہوا کہ اسپارٹی سپاہی میں کتنی قوت موجود ہے تو اُس نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ حلیفوں میں سے ہر شخص کا کوئی نہ کوئی پیشہ تھا، لیکن اسکے برعکس اسپارٹی سب کے سب معزز شرفا ہی تھے۔ عام طور پر میدان جنگ میں تھوڑے ہی سے اسپارٹی اور بہت سے پیری ریوئیکی اور ہیلوت ہوتے تھے اور یہ مسلم قاعدہ تھا کہ اسپارٹیوں کی زندگی زیادہ قیمتی ہے اس لئے حتے المقدور اسے بچانا چاہیئے۔ جب اسپارٹی جنگ میں شریک ہوتا تو وہ ہمیشہ خلعت فاخرہ اور پتوں کے تاج سے مرصع و مزین ہو کر میدان میں قدم رکھتا؛۔

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ متقدمین کے بیانات کو محض مبالغہ آمیز بیان نہ خیال کریں تو کریٹ میں ایک ترقی یافتہ اجتماعیت مروج تھی لیکن وہ محض ظاہری پہلو لیئے ہوئے تھی حال آنکہ اسپارٹا میں اس اجتماعیت کا ظاہری پہلو دبا ہوا تھا (مثلاً یہاں ہر شخص کو طعام خانے کا چندہ ادا کرنا پڑتا تھا) لیکن اس اجتماعیت کا مقصد یہ تھا کہ ایک بہت بڑے سیاسی اصول کو، جس پر صدیوں سے عملدرآمد ہوتا تھا، آئندہ نسلوں تک پہنچایا جائے۔ یہی سبب ہے کہ کریٹیوں نے کوئی اہم کارنامہ انجام نہیں دیا اور اُن کا تنزل بہت جلد شروع ہو گیا۔ حال آنکہ اسپارٹیوں کے کارناموں سے تاریخ بھری پڑی ہوئی ہے، اور ایک طرف تو کریٹی ادارات محض تاریخی نوادر میں شمار کئے جاتے ہیں، دوسری جانب اسپارٹی ادارات تاریخ یونان کا ایک اہم جزو ہیں۔ بدیں سبب ہمیں قدما کے اس مسئلے کو اہمیت نہیں دینی چاہیئے کہ دونوں میں سے کونسے زیادہ اہم ہیں، اور کم از کم یہ امر تو یقینی ہے کہ اسپارٹی مملکت کے ممتاز تخیلات کریٹ سے نہیں آئے تھے؛ اور قوانین گورتینا میں جنھیں ہالزہیر Halsherr اور فابریکیس Fabricius نے منکشف کیا ہے، اجتماعی عنصر کا کہیں پتا نہیں۔ اس کے برعکس مثال کے لیئے دیکھو قدیم جرمانی" ادارہ مویدین حلف"، جسے بیو شلر اور زٹیل مان نے شائع کیا ہے۔ Buecheler & Zietelmann: institut der Eideshlfer ۱۸۸۵ء

مملکت اسپارٹا کی بنا انتہائی مرکزیت پر تھی۔ جن لوگوں کو جملہ حقوق شہریت حاصل تھے وہ تو شہر اسپارٹا میں رہتے تھے اور اپنا وقت ورزشی کھیلوں، ظریفانہ حکایتوں اور شکاروں میں گزارتے اور شام کو مشترکہ طعام خانے میں کھانا کھاتے لیکن اس میں اس کی کیفیت کبھی بڑی دعوت کی نہ ہوتی۔ اسکے برعکس پے ریوئیکی اور ہیلوٹ ملک کے اطراف و جوانب میں پھیلے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ خیال تھا کہ ایسی زبردست تنظیم کے مرکز تک دشمن مشکل سے آسکتا ہے اس لیئے شہر کے ہر چہار طرف کوئی فصیل نہ تھی۔

اسپارٹا ان ممالک کی ایک مثال ہے جن کا صرف یہ مقصد ہو کہ موجودہ ادارات قائم رہیں، اور وہ اس مقصد کو نہایت فراست اور تن دہی کے ساتھ پورا کرتی ہوں۔ گو اس تخیل میں معیشت کا صرف ایک ہی رخ نمودار ہوتا تھا، لیکن اس نے یونان کی بہت کچھ خدمت انجام دی۔ بلا شبہ اسپارٹا میں ان علوم و فنون کا، جنھوں نے یونان کو قیامت تک کے لیئے طرۂ امتیاز بخشا ہے، بہت ہی کم عنصر تھا، لیکن اول تو اغیار یونان سے اسپارٹا کی وجہ سے خوف زدہ رہتے تھے اور دوسرے اسپارٹا یہ کچھ کوشش نہ کرتا تو ورزشی کھیلوں کا یونان میں پتا بھی نہ ملتا، اُسی نے اولمپیائی کھیلوں میں وہ دلولہ پیدا کیا جو یونان کے لیئے نہایت ہی اہم ثابت ہوا، اور یہ کہنا بعید از حقیقت نہیں کہ اگر اولمپیائی کھیل نہ ہوتے تو شاید یونان میں سنگ تراشی کے فن کا پتا بھی نہ ملتا۔

ہمیں آخری بات یہ کہنی ہے کہ یہ درست ہے کہ اسپارٹی تعلیم اور اسپارٹی علوم و فنون کی نوعیت ایک مدرسے کی سی تھی، لیکن اس کے لیے کونسے طریقے اختیار کیے جاتے تھے؟ در اصل جو طریقے بھی اختیار کئے جاتے تھے وہ انسان کے شریفانہ اور کشادہ دلی کی اُمنگ کو اُبھارتے، اس میں زندگی کی سادگی، خود داری، فقری اور معاشری بزرگوں کا پاس و لحاظ، اور وسیع ترین معنے میں اعلے قوتوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا سکھایا جاتا تھا؛ ان سب باتوں کا رتبہ قانون کا تھا اور ان پہ نہایت سختی کیے عملدرآمد ہوتا تھا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسپارٹا نہ ہوتا

تو یونان کی اخلاقی زندگی کی تصویر غیر مکمل رہ جاتی - آخری بات یہ ہے کہ یہ یونان کیلئے باعث افتخار ہے کہ اس میں دو ایسی مملکتیں تھیں جو اپنے اپنے زمانۂ عروج میں نہایت اعلےٰ وارفع تھیں، اور باوجودیکہ دونوں کے خصائص ایک دوسرے سے بالکل متخالف اور متبائن تھے لیکن دونوں میں قومیت کی روح سرایت کئے ہوئے تھی، ہمارا مطلب ایتھنز اور اسپارٹا سے ہے۔

باب شانزدہم

اسپارٹا کی تاریخ ساتویں صدی ق م کے وسط تک

جنگ ہائے میسینیہ

لیکرگوس کے وضع کردہ دستور کے نفاذ سے ذی اختیار شہریوں کی تعداد حصہ جات اراضی کی گنجائش سے کہیں زیادہ ہو گئی لہذا اس کی ضرورت پیش آئی کہ کسی نہ کسی سمت میں اسپارٹی مقبوضات کا اضافہ کیا جائے اسپارٹیوں کو چار و ناچار اپنے علاقے کے حدود میں توسیع کرنی پڑی۔ ظاہر ہے کہ اگر دوریائیوں میں کسی قسم کی قومی یکجہتی ہوتی تو وہ اس توسیع کے لیے آرکیڈیوں پر جو اُن کے ہم نسل نہ تھے، حملہ کرتے؛ لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُس وقت یہ نسلی امتیاز بالکلیہ مفقود تھا، بلکہ زمانۂ مابعد تک میں اس کی حیثیت محض لفظی تک ہی محدود تھی۔ الغرض آٹھویں صدی کے وسط میں اسپارٹیوں نے بجائے آرکیڈیوں کے اپنے قریب ترین دوریائی ہمسایوں یعنی میسینیوں پر جنگ آزمائی شروع کی، اور ان محاربات میں، جو تقریباً ایک صدی تک یعنی ساتویں صدی ق م کے وسط تک مسلسل جاری رہے، ان کے ساتھ نہایت تشدد آمیز سلوک کیا[1]۔

---

[1] پہلی جنگ میسینیہ کا ذکر پوسانیاس ۴، ۴، ۱۳ اور دوسری کا بیان ۴، ۱۴، ۲۴ میں ہے؛ نیز اس کے لیے اِسٹرابو ۶، ۷، ۲۵؛ دیودوروس ۱۵، ۶۶؛ جسٹن ۳، ۵ کا مطالعہ کیا جائے۔ پہلی جنگ کے واسطے ابتدائی سند میرون ساکن پری اینی ہے، جو اسپارٹیوں کے مخالف گروہ کا ایک فرد تھا اور جس نے اپنے تذکرے کو نظم کی شکل میں چھوڑا ہے مقابلہ کرو

باب ۱۶

واقعات جنگ کے تواتر و تسلسل کی کوئی یادداشت مرتب نہیں کی گئی۔ زمانۂ مابعد میں اسپارٹی تو اپنی فتوحات پر فخر و مباہات کیا کرتے اور مسینوی،

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ میولر: اجزائے تاریخ یونان ۴، ۴۶۰ (Mueller: Fr.H.Gr.) ؛ دوسری جنگ کے واسطے بنیا (کریٹ) والے رھیانوس کی تحریر سند کا رتبہ رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ متقدمین کے بیانات میں جو تباین ہے اس کی وجہ سے ہم ان لڑائیوں کی اصل حقیقت سے کماحقہ واقف نہیں ہو سکتے۔ زمانۂ حال میں اسناد کی جو تنقید کی گئی ہے اس کے لیئے دیکھو ر، ڈنڈاچک: پہلی اور دوسری جنگ ہائے مسینیہ کی تاریخ کی تحقیقات "رسالہ ترقی" چرنوو سنہ ۱۸۸۲ء
R.Dundaczek.Beiträge Zur Geschichte der Beiden ersten Mess Krieg Progr., Czernow بوسولٹ: "مسینیا کا مؤلف پوسانیاس کی تنقید" رسالۂ لسانیات قدیمہ، ۲۷ صفحہ ۱۴۱، وغیرہ (Busolt: Zu der Quellen der Messeniaka des Pausanias" Jahrbuch F.Klass.Phil.)

پوسانیاس کی تحریر کے مطابق پہلی جنگ سنہ ۷۴۳–۷۲۴ ق م میں اور دوسری ۶۸۵–۶۶۸ ق م میں ہوئی تھی؛ لیکن دیگر متقدمین کی تحریروں میں باہم تضاد پایا جاتا ہے۔ ڈنکر ۵، ۴۱ میں مختلف بیانات کا توازن کیا گیا ہے اور اس کے نزدیک پہلی جنگ سنہ ۷۳۵ ق م سے سنہ ۷۱۶ ق م تک اور دوسری سنہ ۶۴۵ ق م سے سنہ ۶۳۱ ق م تک ہوئی تھی۔ اس کے استدلال کی بابت ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اس کا یہ بیان عین الیقین کا رتبہ نہیں رکھتا جنگ آرگوس جس میں پوسانیاس کے قول کے مطابق (۵، ۳۵، ۷) شاہ تھیوپومپوس بھی شریک تھا، وہی جنگ تھی جس کا ذکر پوسانیاس ۲، ۲۴، ۸ میں پایا ہے اور جس کا وہ سنہ ۶۶۹ ق م میں ہونا بیان کرتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈنکر کے دلائل ناقابل اختلاف نہیں ہیں، لیکن اس واقعے سے کہ چونتیسویں اولمپیاد میں اولمپیائی کھیل پیزائیوں کے سپرد تھے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مسینیہ اور اسپارٹا کے مابین حالت جنگ ہوگی۔ استرابو (۸، ۶۲، ۸) کہتا ہے کہ پیزا پیتالیوں کا قصہ (جس کا حوالہ پوسانیاس نے دیا ہوا ہے) دوسری جنگ مسینیہ کا واقعہ ہے۔

خصوصاً ان میں سے وہ افراد جو اپنا اپنا وطن چھوڑ کر دیگر ممالک میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے، اپنی شکستوں پر ان سورماؤں اور جاں بازوں کے قصائد گا گا کر آنسو بہایا کرتے جنھوں نے اپنے ملک کی آزادی پر اپنی جانیں نثار کر دیں؛ اور جب آخر کار چوتھی صدی ق م میں مسینیہ کو آزادی حاصل ہو گئی تو یہ سب قصے از سر نو جمع کیئے گئے اور انھیں اس سے بھی زیادہ جوش و درد کے ساتھ نظم و نثر کے زیور سے آراستہ کیا۔

مسینیہ کا بیشتر حصہ دراصل ایک نہایت زرخیز اور تخیل زا میدان پر مشتمل ہے جس کی ندیوں کا رخ خلیج مسینیہ کی طرف کو ہے۔ اس میدان کے دو حصے کیئے جا سکتے ہیں، ایک بالائی اور ایک نشیبی؛ بالائی حصہ آرکیڈیا کی سرحد پر واقع ہے اور اس قصبے کے نام پر جہاں سب سے پہلا خاندان دوریائی فرماں روا آکر رہا۔ اس سطح مرتفع کو سٹینی کلاروس کہتے ہیں۔ اس بلند طبقے کو چاروں طرف سے پہاڑوں کی چوٹیاں گھیرے ہوئے ہیں جن میں سے سب سے مغربی چوٹی زیوس دیوتا کی پوجا کے لیئے مخصوص تھی اور اسی پر اِتھومے کا مشہور و معروف قلعہ بنا ہوا تھا جس کے ہر چہار جانب رفتہ رفتہ شہر مسینے آباد ہو گیا۔ نشیبی میدان میں ہو کر، جو اپنی گوناگوں اور نوع بنوع پیداوار کے لیئے نہایت ممتاز ہے، ایک تو دریائے پامی سوس اور لقونیہ کی سرحد کیطرف دریائے نیدون بہتا ہے۔ دوریانیوں نے بادشاہ کریس فونتیس کے عہد میں جس کے تعلقات آرکیڈیوں کے ساتھ نہایت عمدہ تھے اور جسنے ترابی زوس (طرابزون) کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی، اس حصۂ ملک کو مسخر کر کے (الیفوروس کے قول کے مطابق) اُسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا، چنانچہ اُس نے سٹنے نیکلاروس کو اپنا پایۂ تخت بنا کر باقی چار حصوں میں ماتحت حکمران مقرر کیئے جن کے مستقر پیلوس، رھیوم، مسولا اور ہیامیا قرار پائے؛ ساتھ ہی اُس نے اپنی دوریائی اور اکائیائی رعایا کے حقوق بالکل مساوی کر دیئے۔ اس افسانے کی یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ ابتداً ایسی دوریانیوں نے صرف سٹنے نیکلاروس پر قبضہ کر کے نشیبی وادی اور

باب ۱۶

ساحلی علاقے کو اصلی باشندوں کے قبضے میں رہنے دیا ہوگا۔ الغرض یہ کہ کریسیفونتیس اپنے بیٹوں سمیت ایک لڑائی میں کام آیا اور صرف ایک لڑکے یعنی ائپ توس کو چھوڑ گیا جس کی پرورش کیپ سی لوس شاہ طرائزون نے کی اور جو بالآخر آرکوسی ہرقلیوں کی مدد سے اپنے موروثی تخت پر بیٹھ گیا
مفصلہ بالا قصہ بیان کرنے کے بعد اس کے اختراع کنندگان کچھ خاموش نظر آتے ہیں اور جنگ اسپارٹا تک ہمیں اپنے مسلسل ولاویز بیانات سے محظوظ نہیں کرتے بلکہ ان کے بجائے ہمیں صرف چند حکمرانوں کے لایعنی ناموں مثلاً گلاؤکوس، اِسپتھمیوس، دوتاداس، سیبوتاس، فِنتاس سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور پیوسانیاس ان کے محض مذہبی کارناموں کے تذکرے پر ہی اکتفا کرتا ہے، مثلاً یہ کہ گلاؤکوس نے دوریانیوں کو اِتھوم کے والے زیوس کی پوجا کا حکم دیا، سیبوتاس نے یوریتوس کو "معبودات عظمیٰ" کے میلے سے پیشتر ادائینی قربانی کرنے کی ہدایت کی اور فِنتاس نے ڈیلوس کو ایک مذہبی سفارت روانہ کی، وغیرہ میسینی اولمپیائی کھیلوں میں ایک کارنمایاں کرتے تھے، اور ۵ویں قوم کے بعد گیارہ میریوں میں سے سات کے نام میسینی رنگ کے نظر آتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کی یہ آرزو تھی کہ وہ تہذیب و تمدن میں ایک ممتاز رتبہ حاصل کرے اور اسے بنی نوع انسان کے مفاد میں گہری دلچسپی تھی لیکن افسوس فِنتاس کے بیٹے الٹاکوس کے عہد میں میسینیہ اور اسپارٹا کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی ہے اور میسینی تمدن کو ایک عظیم ترین نقصان پہنچتا ہے جس کی تلافی کبھی نہیں ہو سکتی:
مدت دراز سے دونوں قومیں قربانی اور ارکان مذہبی کی خاطر ایک دوسرے سے ارتمیس لمناتس کے سنگھانے میں ملاقی ہوا کرتی تھیں جو میسینیہ کے حدود میں کوہ ٹے گیوس کے مغربی نشیب پر دریائے نیدون کے بالائی حصے میں واقع تھا وہاں پہنچنے کیلئے اسپارٹیوں کو اس درے میں ہو کر گزرنا پڑتا تھا جو اسپارٹا اور زمانہ حال کے میسینی بندرگاہ کالاماٹا کے درمیان

سلہ قدیم تاریخ میسینیہ کیلئے الفوروس کے اجزا کا مطالعہ کیا جائے جن کا اقتباس اِسترابو، ۸، ۳۶۱، ایولودورس ۲، ۸، ۴: افلاطون "کتاب النوامیس" ۶۸۳، ۴، ۶۸ پیوسانیاس ۴، ۳، ۸، ۸، ۵، ۶ میں دیا ہوا ہے:

باب ۱۶

واقع ہے، اور یہی وہ مقام تھا جہاں دونوں قوموں کی باہمی منازعت کی ابتدا ہوئی۔ یہ امر ہنوز متنازعہ فیہ ہے کہ اس جھگڑے کا آغاز کس طرح ہوا کیونکہ دونوں فریقوں کے بیانات ایک دوسرے سے متغائر ہیں؛ صرف اسی بات کا ہمیں قطعی طور پر علم ہے کہ ایک اسپارٹی مسمی پولی خارِس اور ایک میسینی یوالیفنوس نامی کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا اور اس موقع پر اسپارٹی بادشاہ تیلکلوس کام آیا۔ اس کے بعد فریقین نے ایک دوسرے کے پاس نامہ و پیام روانہ کئے اور ایک دوسرے کو قتل کا مرتکب ٹھہرایا۔ اسی اثنا میں شاہ انطاکوس کی جگہ جو کسی گفت و شنود پر تیار نہ تھا، اس کا بیٹا یوفائس تخت نشین ہوا جس پر اسپارٹیوں نے الکامنیس کی سرکردگی میں قلعہ امفیا پر حملہ کر دیا اور باضابطہ جنگ شروع ہوگئی جس میں پہلے چار سال تو فریقین ایک دوسرے کے ملک پر حملہ آور ہوتے رہے اور پانچویں اور چھٹے سال آخر کار چند فیصل لڑائیوں میں میسینیوں کو مغلوب ہو کر قلعہ اتھومے کی طرف پلٹنا پڑا۔ اب معبود دیلفی نے میسینیوں کو رائے دی کہ وہ کفارے کے طور پر ایک باکرہ لڑکی کو قربان کر دیں؛ یہ سن کر بہادر ارسطودیموس نے خود اپنی لڑکی پیش کی، لیکن اُس کے منگیتر نے اپنی محبوبہ کو بچانے کی خاطر یہ کہا کہ اُس کی بکارت زائل ہو چکی ہے جس پر ارسطودیموس نے غصے میں بھر کر اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ جنگ کو پورے بارہ سال گزر چکے تھے کہ شاہ یوفائس کے انتقال کے بعد میسینیوں نے ارسطودیموس کو اپنی حکمرانی کے لئے منتخب کر لیا۔ اٹھارھویں سال میں فریقین نے اپنے حلیفوں کا دائرہ وسیع کرنا شروع کیا، یعنی ایک طرف تو اسپارٹیوں نے کورنتھ سے مدد حاصل کی اور دوسری جانب میسینیوں کا آرکیڈیا، آرگوس، اور سکیون نے ساتھ دیا؛ الغرض فریقین میں ایک جنگ فیصل ہوئی جس میں میسینی مغلوب ہوئے۔ اس سے پہلے انھیں معبود دیلفی نے یہ خبر کر دی تھی کہ جو فریق سب سے پہلے اتھومے کے زیوس کی قربان گاہ کے چاروں طرف ایک سو تپائیاں رکھ دیگا اسی کے سر فتح کا سہرا ہوگا۔ یہ خبر کسی طرح اسپارٹا

باب ۱۶ پہنچ گئی اور یہاں کے باشندوں نے فوراً خفیہ طور پر مٹی کی تپائیاں بنوا کر قربانگاہ کے چاروں طرف رکھ دیں۔ اپنے دشمنوں کی اس پیش بندی کے علاوہ مسینیوں کو اپنے مخالف اور بھی بہت سے شگون نظر آئے مثلاً ارسطودیموس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی بیٹی اُسے کفنا رہی ہے جس پر ارسطودیموس نے خودکشی کرلی۔ الغرض جنگ کے بیسویں سال اہالیان مسینیہ نے کامیابی سے بالکل ناامید ہوکر اِتھومے کا تخلیہ کردیا اور مسینیہ کا اسپارٹا سے الحاق ہوگیا:

مفصلۂ بالا بیان افسانوں کی ہوبہو نقل ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اسپارٹیوں نے اپنے ملک میں اس نہایت عظیم الشان علاقے کا الحاق آٹھویں صدی ق م میں کرلیا اور اس جنگ کے واقعات کا جو تسلسل افسانوں میں مذکور ہے وہ ایک حد تک صحت پر مبنی ہے۔ مثلاً یہ امر یقینی ہے کہ اس وقت اسپارٹیوں اور ایلس والوں کے باہمی تعلقات خوش آیند تھے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقدم الذکر اولاً شمالی علاقے کی تسخیر کر چکے ہوں گے، اسکے بعد انھوں نے جنوبی علاقے کی طرف پیش قدمی کی ہوگی۔ اگر ہم اس سلسلۂ واقعات کو تسلیم کرلیں تو بہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اِتھومے جیسا اہم مقام مسینیوں کا آخری مرکز مدافعت رہا ہوگا:

اسپارٹیوں نے فطرتاً اراضی کا بہترین حصہ یعنی نشیبی میدان خود اپنے لیے محفوظ رکھا، اُن کے حلیفوں یعنی آرگوس سے نکالے ہوئے دریوپیوں کو مسینیہ کے مغربی ساحل کا ایک حصہ ملا جہاں انھوں نے ایک نیا شہر ازینے آباد کیا اور ان مسینیوں کو جنھوں نے اسپارٹیوں سے ملاپ کرلیا تھا، ہیامیا کا ضلع دے دیا گیا۔ ان کے علاوہ بہت سے مسینوی ملک چھوڑ کر چلے گئے، ان میں سے بعض تو پیلوپونیز میں ہی رہ پڑے اور چند ایسے تھے جو ان مسینویوں میں جا کر مل گئے جنھوں نے خالکدیسیوں کے ساتھ مل کر جنوبی اٹلی کا شہر ہیگیوم آباد کیا تھا۔ باقی اُن مسینویوں کو جو پیچھے رہ گئے تھے، ہیلوت بنالیا۔ ملک مسینیہ پولی دوروس و لدالکامینیس

(آگسی) اور تھیوپومپوس ولد نکانڈر (یوری پونتی) کے عہد میں فتح ہوا تھا، اور یہی وہ تھیوپومپوس تھا جس کے عہد کے ساتھ الیفوروں کا تقرر اور رھیترا (قانون لیکرگوس) منسوب کئے جاتے ہیں:

جب جنگ ختم ہوئی تو اسپارٹیوں میں باہمی نزاعات پیدا ہو گئے اور ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا جس کا یہ دعوے تھا کہ تقسیم اراضی کے وقت غیر جانبداری ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ اور اس کی سرگردگی کا بیڑا پارتھینیوں نے اٹھایا۔ یہ نام افسانہ سازوں کے لیئے نہایت کار آمد ثابت ہوا اور اس سے متعدد افسانوں کی بنیاد پڑی، لیکن ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ پارتھینی درحقیقت وہ لوگ تھے جو مسینوی جنگوں کے اثنا میں پیدا ہوئے تھے، اور اہالیان مسینیہ کا یہ خیال تھا کہ ایسے اشخاص کو مکمل حقوق شہریت نہیں ملنے چاہئیں۔ بہرحال اس گروہ نے ایک شخص فالانتھوس کی رہبری میں یہ سازش کی کہ عید ہیاکنتھیا کے موقع پر جس وقت وہ ایک ٹوپی پہن کر بغاوت کا اشارہ کرے تو مُعاً چاروں طرف سے حکومت پر حملہ کر دیا جائے۔ لیکن مقتدر فریق کو اس سازش کا علم ہو گیا لہٰذا اُنھوں نے ایک فرمان کی رو سے فالانتھوس کو ٹوپی پہننے کی قطعاً ممانعت کر دی اور جب سازشیوں نے یہ محسوس کیا کہ حکومت اُن کے منصوبے تاڑ گئی ہے تو وہ اپنے ارادوں سے باز آ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ مسینیہ کی مفتوحات کا پانچواں حصہ ان کی نذر کیا جائے، لیکن چونکہ اُن کا یہ مقصد پورا نہ ہوا اس لیئے انھوں نے اپنے جنم بھوم کو چھوڑ کر مغرب کی راہ لی اور جنوبی اٹلی میں شہر تارنتم کو جا کر آباد کیا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مجوزہ بغاوت ہیاکنتھیا کی عید پر ہونے والی تھی، جو ایک امیکلیائی اور اکائیائی تہوار تھا، اور ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تارنتم والے بھی اس موقع پر خوشی مناتے تھے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس تحریک کے بانی مبانی ضرور اکائیائی ہی ہوں گے۔[۱۳۱]

---

[۱۳۱] پارتھینیوں وغیرہ کے لیئے اشترابو $\frac{۲۷۸}{۲۷۹}$؛ دیودورس ۱۵، ۶۶؛ ارسطاطالیس "پالیٹکس"

باب ۱۲

پچاس برس تک مسینیہ لکدموئیوں کے قبضے میں رہا، جس کے بعد وہاں کے باشندوں نے پیزائیوں، آرگوسیوں اور آرکیڈیوں کو اپنا حلیف بناکر علم بغاوت بلند کر دیا۔ عرصۂ دراز سے اسپارٹیوں کی یہ خواہش تھی کہ وہ آرکیڈیا پر مسلط ہو جائیں اس لیے یقین ہے کہ اس ملک کے باشندے اسپارٹیوں کو نفرت آمیز نگاہ سے دیکھتے ہوں گے: پیزا اور ایلس میں پہلے ہی سے جھگڑا چلا آتا تھا اور ایلیسی اسپارٹیوں کے زیر حمایت تھے؛ رہے آرگوسی، سو وہ تو ہمیشہ سے پیلوپونیز کی سیادت کے لیے اسپارٹا سے برسرپیکار رہتے ہی تھے:

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ "سیاسیات" ۵، ۶، اتھیوپومپوس جزو ۱۹۰۔ پولی بیوس ۱۲، ۵ تھیوپومپوس کہتا ہے کہ سازشی اے پیوناکتی یعنی وہ ہیلوت تھے جن سے مسینوی محاربوں کے دوران میں اسپارٹنوں نے تعلق پیدا کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ اکثر مورخ پارتھے نی نام پر متفق ہیں اس لیے مناسب یہی ہوگا کہ ہم انھیں اسی نام سے مخاطب کریں اور ارسطاطالیس کا اتباع کرتے ہوئے ہمیں یہ فرض کرنا پڑیگا کہ وہ اسپارٹائیوں کی اولاد سے تھے اور ان کی مائیں نیچ قوم کی عورتیں تھیں۔ اگر یہ مفروضہ درست ہے تو یہ نظریہ کہ پہلی اور دوسری جنگ کے درمیان اسپارٹی شہریوں میں حق وراثت محدود ہو گیا تھا، درست ہوگا یعنی پہلے تو اسپارٹائیوں اور نیچ ذات عورتوں کی اولاد وارث ہوتی تھی لیکن آیندہ کے لیے یہ قاعدہ مسترد کر دیا گیا۔ ڈنکر کی رائے بھی بجنسہٖ یہی ہے (۵، ۳۲۴)۔ چونکہ ممکن ہے کہ زمانۂ مابعد میں قوانین میں از سر نو تبدیلی کر دی گئی ہو اس لیے محض موتھاکیس کے اسپارٹائی شہری ہونے سے اس نظریے کا ابطال لازم نہیں آتا۔ پونیمارخوس کی (جس نے پولی دوروس کو قتل کیا تھا) اسپارٹا میں ایک یادگار بنی ہوئی تھی۔ (پوسانیاس ۳، ۳، ۳)، اور اس سے ڈنکر (۵، ۳۲۴) یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ فریقین کے درمیان کوئی نہ کوئی گفت وشنید ضرور ہو گئی ہوگی۔ لیکن ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ غدار پوسانیاس کے مجسمے بھی اسپارٹا میں موجود تھے (پوسانیاس ۳، ۱۷، ۷)۔ واضح ہو کہ مسینیہ کا پانچواں حصہ آخر کار اس کے حوالے کر ہی دیا گیا (الفوردس، جس کا اقتباس اِسٹرابو ۶، ۲۸۰ میں دیا ہوا ہے)۔

باب ۱۲

بغاوت ملک کے شمالی حصے میں مقام اندانیا سے شروع ہوئی ۵۴ یہ ایک فطری امر تھا اس لیئے کہ اس نواح میں آرکیڈیا کی مسینیہ پشت پناہی کرسکتا تھا؛ لیکن جنوب میں بھی ہیامیا کے مسینوی، پیلوس اور موتھونے سے اکائیائی، ارسٹوقراطیس شاہ آرکیڈیا اور پنتالیون ساکن پیزا بھی باغیوں کے ساتھ مل گئے اور اس متحدہ لشکر نے اسپارٹیوں کو بمقام ستنی نیکلارو سی شکست فاش دے کر مسینیہ کو اسپارٹا کے جوے سے آزاد کردیا۔ اب بعض اسپارٹی ایسے بھی تھے جن کی املاک صرف علاقہ مسینیہ میں واقع تھیں، لہذا انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ ہرگز اپنے ساتھیوں سے زیادہ نقصان کا بار اٹھانے والے نہیں ہیں۔ انھوں نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ بجائے مسینیہ کی اراضی کے انھیں لقونوی سرزمین میں معاوضہ دیا جائے اور اراضی کو ازسرنو تقسیم کیا جائے۔ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ ۶۴۴ ق م کے اولمپیائی میلے پر ایلسیوں کے بجائے پیزائیوں کے سرگروہ نے صدارت کی، اور خود اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس مجادلے میں اسپارٹا کے دشمنوں ہی نے تفوق حاصل کیا ہوگا۔ اس کی ایک تاویل یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ مخاصمت گویا پیلوپونیز کے قدیم باشندوں کا دوریائی سیادت کے خلاف ایک مظاہرہ تھا۔

لیکن اس موقع پر بھی ایک شخص کے تدبر نے اسپارٹیوں کو بچالیا۔ کاہنہ ڈیلفی نے انھیں یہ صلاح دی تھی کہ اگر وہ محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو انھیں کسی شخص کو اتھنز سے رہبری کے لیئے بلانا چاہیئے، لہذا انھوں نے تیرتائیوس کو، جو اٹیکا کے قصبۂ افدنا کا باشندہ تھا، بلا بھیجا۔

---

۵۴ دوسری جنگ مسینیہ میں اسپارٹا کی صورت حال، ارسطاطالیس: "سیاسیات" ۵، ۶، ۲؛ پوسانیاس ۴، ۱۲، ۷؛ ۶، ۴۰، ۸، ۱۸، ۳ - تیرتائیوس بحیثیت ایک "سپہ سالار" (سردار) کے، اشترابو ۸، ۴، ۲، ۳؛ فلوسترالوس ۱۴، ۳۰، ۶ (ستراتیگ) - اسے ڈیلفی کے حکم سے طلب کیا جاتا ہے، پوسانیاس ۴، ۱۵، ۶ ؛

باب ۱۶

متقدمین میں سے بہت سے تیرٹائیوس کو غیر ملکی تصور نہیں کرتے تھے لیکن چونکہ خود شاہ پیٹوسانیاس نے اس کا غیر ملکی ہونا تسلیم کر لیا اس لیے ہمیں اس امر کے یا ورنہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آتی کہ اسپارٹیوں نے باہر والوں سے مدد حاصل کی ہوگی۔ ساتھ ہی اگر ہم مفصلۂ ذیل حالات و واقعات کو ملحوظ رکھیں تو ہمیں اس دعوت نامے کی اصلیت سے مزید آگاہی حاصل ہو جائے گی۔ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ اسپارٹی ڈیوسکوری کو اپنا محافظ دیوتا تصور کرتے تھے اور اُن کی افدناتائے میں خاص طور سے عبادت کی جاتی تھی۔ نظر براں اگر کوئی ایسا شاعر جس نے کچھ نام پیدا کر لیا ہو، اس ضلع میں سکونت پذیر تھا، تو یہ ایک قدرتی امر تھا کہ اُسے اسپارٹی اپنی مصیبت کے وقت بلا بھیجیں، کہ وہ ان دیوتاؤں کو کما حقہٗ خوش رکھنے کی کوشش کر سکے۔ بلاشبہ ہمارے پاس کوئی ایسا کلام نہیں پہنچا جو تیرٹائیوس نے ڈیوسکوری کے حضور میں پیش کیا ہو؛ ان کے بجائے اپنی نظموں میں اُس نے کوشش کی ہے کہ اسپارٹیوں کی ناامیدی کو امید سے بدل دے۔ اس نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے مرثیہ آمیز انداز میں اُن کے قدیم درخشاں کارنامے یاد دلائے اور ہمت و جرأت کے انعامات اور بزدلی کی ذلت و نکبت سے اُن کو آگاہ کیا۔ اس شاعر کی نظمیں سب کی سب نہایت سادہ اور معنی خیز ہیں اور بعض میں فوجی رنگ بھی پایا جاتا ہے:

آخر الامر اُس کی کوشش بار آور ہوئی اور روایات کے بموجب ارسٹو کراٹیس کی غدارانہ کارروائی کی وجہ سے (جس کی پاداش میں اُسے بالآخر آرکیڈیوں نے قتل کرا دیا) مسینوی مغلوب ہو گئے۔ اب مسینیہ کی آزادی کا تو خاتمہ ہو لیا لیکن باوجود اپنی شکست کے وہاں کے بہادر باشندے گیارہ سال متواتر اپنی آخری جائے پناہ میں برابر مصروف پیکار رہے۔ یہ جائے پناہ ایک قلعہ کوہ مسمی ائیرا تھی جو الفوسے کی چوٹی کی طرح دریائے نیدا کے مخرج پر (جو بحر ایونیہ میں جا کر فگالیا کے قریب گرتا ہے) واقع تھا۔ آج بھی اس چوٹی پر بھدی بنی ہوئی فصیلوں کا دوہرا دائرہ نظر آتا ہے جو مختلف

سیڑھیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں ارسطومنیس نے نہایت تن دہی اور شد و مد سے غنیم کا مقابلہ کیا۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوا اور آخرکار اسپارٹیوں نے اُسے گرفتار کر کے اسپارٹا کے غاروں میں مرنے کے لیے پھینک دیا۔ لیکن وہ ایک عقاب کی پشت پر سوار ہو کر ایک چٹان کے کنارے تک گیا جہاں عقاب نے اُسے چھوڑ دیا۔ اب اُسے ایک لومڑی نظر آئی جسکی رہبری میں وہ ایک نہایت تنگ راستے سے گزر کر کھلے میدان میں پہنچ گیا۔ الغرض محض ایک حادثے کی وجہ سے ائیرا غنیم کے قبضے میں آ گیا۔ لیکن اسپارٹیوں نے مفتوحوں کو ارسطومنیس کے ساتھ بحفاظت تمام چلے جانے کی اجازت دیدی اور یہ اپنے حلیفوں یعنی پیلوس اور موتھونے کے اکائیائیوں کے ساتھ سمندر پار رھیگیئم چلے گئے۔ ارسطومنیس نے خود رھوڈس جا کر اپنی لڑکی کا نکاح بادشاہ یالی سوس سے کر دیا جس کی اولاد میں سے مشہور و معروف دیاغورس ہوا جو اکثر اولمپی کھیلوں میں اول رہا کرتا تھا اور جس کی تعریف و توصیف سے پنڈار کے اشعار بھرے پڑے ہیں۔

جب اسپارٹیوں نے کوہ پارنون کے مشرقی نشیب اور سمندر کے درمیان کا علاقہ آرگوس سے چھین لیا اور تمام جنوبی پیلوپونیز کے مالک بن گئے تو اس جزیرہ نما میں ان کی ہمسری کوئی مملکت نہ کر سکتی تھی حتیٰ کہ آرکیڈیا اور ایلس تک اُن کے زیر نگین تھے۔ یونانی ممالک میں اسپارٹا بیرونی فتوحات اور خانگی استحفاظی اصول کے لیے ممتاز تھا۔[۵]

---

[۵] یہ واقعہ ایک اور واقعے سے مستنبط ہو سکتا ہے۔ اسپارٹی مزماری نظم کو پسند کرتے تھے اور انھوں نے ایولی مزماری طرز کو اختیار کر لیا تھا (فون و، م: تحقیقات ہومر؛ V.W.-M: Homer.Unters ص ۲۶۸/۲۶۹)۔ نیز وہ اس زمانے میں اپنے ہمسایوں سے کہیں زیادہ فن سنگ تراشی کی طرف راغب تھے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، اسپارٹا نے ادبیات اور فنون لطیفہ میں کوئی خاص ترقی نہیں کی۔

باب ۱۶ اور اس میں یونانی قوم کا وہ جنگ جو فرقہ آباد تھا جس نے نہایت خوشی سے بقیہ اجزائے یونان کے لیۓ قومی عظمت کے اس زرخیز میدان کی تخم ریزی کا کام چھوڑ دیا تھا جو اس قوم کا گویا سرمایہ تھی؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ لیکن وہ دیوتاؤں کے خوش کرنے کے فنون لطیفہ کو اپنی مملکت کی خاص روش کے مطابق استعمال کرتے تھے۔ اسپارٹی طرز عبادت پر کریٹی تھالے تاس کا اثر بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے کوئی جنگی ناچ ایجاد کیا تھا، لیکن اس کی شخصیت بھی کریٹی ایپی منیدیس کی طرح کچھ کم خرافہ آمیز نہیں ہے؛

باب ہفدہم

دیگر پیلوپونیزی ریاستیں، خصوصاً آرگوس؛ فئی دون؛ اسپارٹی تعلقات آرگوس، آرکیڈیا اور ایلس سے

اگر دورِ یانی بادشاہوں کے شجرے پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ انھیں عام طور پر ہرقلیوں کی اولاد میں سمجھا جاتا تھا یعنی ابتدا میں اسپارٹا کی بجائے آرگوس ہی پیلوپونیز کی بہت بڑی ریاست خیال کی جاتی تھی۔ آرگوس کے حکمرانوں کو یہ فخر حاصل تھا کہ اُن کا مورث اعلیٰ ارسطوماخوس کا فرزند اکبر ہے۔ اُن کا پائے تخت میکے نائے نہیں بلکہ خاص آرگوس تھا جو قلعۂ لارِسا کے مشرقی دامن میں ساحل کے قریب سطح بحر سے نو سو فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ واضح ہو کہ دورِ یانی آرگوس سے متعلق جو کچھ معلومات ہمیں حاصل ہیں وہ نہایت غیر مکمل حالت میں ہیں[1] لیکن فی الجملہ اس کا یقین ضرور ہے

---

[1] جنگ ایران تک پیلوپونیزی ریاستوں کے باہمی تعلقات کے لیے: دیکھو گ، بوسولٹ: G.Busolt: Die Lakedaimonier und ihre "لکدِمونی اور اُن کی وفاقیت" Bundes genossen لائپزگ ۱۸۷۸ء اس کتاب میں آرگوس کے متعلق صفحہ ۶۶ تا ۱۱۰ میں ذکر ہے، جہاں مختلف مملکتوں، مثلاً ازینے، ترواسئے زینے وغیرہ کے طرزِ عمل پر مفصل بحث کی گئی ہے جغرافی تفصیل کے لیے دیکھو برسیان: "جغرافیۂ یونان" Bursian: Geog. von Gr. II

باب ۱۷

کہ اسپارٹا کی طرح یہ مملکت مرکزِ حکومت نہ تھی بلکہ اُس کے نظام وقافیہ میں متعدد ریاستیں شامل تھیں جن کا سر گروہ خود آرگوس تھا اور جس کی قلمرو میں ملک کا بیشتر حصہ خصوصاً میدان اناخوس شامل تھا۔ اسپارٹا کی طرح آرگوس میں بھی پیریوکی اور ہیلوت رہتے تھے جنھیں یہاں کی بولی میں اوُرنیاتاتے اور گیم نیتیلیس کہتے تھے۔ ہم اس کا قطعی طور پر جواب نہیں دے سکتے کہ اس وفاقیت میں دو مشہور آفاق بلدیوں یعنی میکلےنائی اور ترِنز کی کیا حیثیت تھی، اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہاں کے باشندے اکائیائی نسل کے تھے جنھیں ایک حد تک آزادی حاصل تھی جو آرگوس کی قوت اور کمزوری کے ساتھ ہی ساتھ گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ اسکنے کیے مشرقی پہاڑی جزیرہ نما پر اپی دوروس اور تروسئے زینے کے دو بلدیے واقع تھے جن پر امتدادِ زمانہ سے دوریائی رنگ چڑھ گیا تھا، لیکن آرگوس کے ان سے جو تعلقات تھے وہ افسری اور ماتحتی کی بجائے محض مخالفانہ تھے۔ انہیں سے اپی دوروس جزیرۂ ائی گینا کے بالمقابل ایک پہاڑی جزیرہ نما پر واقع تھا جو زبان کی طرح سمندر میں کو نکلا ہوا تھا۔ شہر سے اندرون ملک کی جانب تقریباً دو لیگ (کم وبیش سات میل) فاصلے پر حال ہی میں بعض نہایت کارآمد نوشتے برآمد ہوئے ہیں، اور یہی وہ جگہ تھی جہاں اسکلےپیوس کی مشہور آفاق تیرتھ کی عمارتیں ایک بہت بڑے رقبۂ اراضی پر پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی ساحل پر ذرا جنوب کی طرف جزیرۂ کلوریا کے روبرو شہر تروسئے زینے آباد تھا۔ ان کے علاوہ دو شہروں یعنی ازینے اور ہرمیونے میں دریوپی آبادی تھی؛ ازینے کے موقع کا قطعی طور پر تعین نہیں کیا جا سکتا؛ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ آرگوس کا ذکر فیشر "تاریخ اجزائے آرگوس" Fischer: Hist. Argivae Fragm ریز لاؤنسہ ۱۸۳۱ء؛ شنائیڈ ورِرٹ "سودریائی آرگوس کی سیاسی تاریخ" Schneiderwirth: Politische Gesch. des dorischen Argos I&II ہیلیگن شٹاٹ ۱۸۶۵ء و ۱۸۶۶ء۔

وہ نئوبلیا کے قریب وجوار میں کہیں آباد ہوگا؛ رہا ہرمیونے، سو وہ جزیرے کے مقابل اس خلیج کے وسط میں آباد تھا جو آرگوسی آگتے کے جوڑے کونے کے چوڑا ہونے کی وجہ سے بن جاتی ہے۔ ابتدا میں ان سب شہروں نے دوریائیوں کے سامنے ہتھیار رکھ دیئے؛ اس کے بعد جب اسپارٹا اور آرگوس میں باہمی جنگ چھڑ گئی تو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ازینے نے اپنی آزادی کو ازسرنو حاصل کرنا چاہا اور جب تقریباً ۸۰۰ ق م میں شاہ نکاندر نے آرگوس پر حملہ کیا تو ازینے والے اُس سے مل گئے۔ لیکن اُنھیں بہت جلد اپنے کرتوت کی سزا مل گئی، یعنی آرگوس نے ازینے پر قبضہ کرلیا اور اُس کے باشندوں کو لقونیہ بھاگ جانا پڑا۔ اسکے برعکس ہرمیونے نے اپنی آزادی کو اس خوبی سے برقرار رکھا کہ جب آرگوسیوں کو اپنے شہر کے قریب شکست پہنچی تو اُسے لکدمونی وفاقیت میں شمول کی اجازت مل گئی۔ لیکن نئوبلیا کا حشر ازینے کا سا ہوا؛ آرگوسیوں نے اُس کے جملہ باشندوں کو نکال دیا، اور آخرکار وہ اسپارٹیوں کی مہربانی اور عنایت سے مسینیہ کے شہر موتھونے میں جاکر آباد ہوگئے۔ ذرا جنوب کی طرف ہٹ کر ایجین کے ساحل کے قریب وہ علاقہ جو کوہ پارنون کے مشرقی دامن میں واقع ہے، غالباً دوریائی حملے کے زمانے سے ہی آرگوس کا تھا۔ بہرحال آرگوس نے نہ صرف اُن اقطاع ملک کو اپنے زیر اثر کیا، بلکہ شمال ومغرب کی جانب اور خلیج سارون کے ساحلی علاقے کا بیشتر حصہ بھی اُس کا فرماں بردار تھا؛ اس کے علاوہ آرگوس، سکیون، فلیوس، کلیونائے اور آئی گینا ایک مذہبی لیگ کے اراکین تھے جس کا مرکز آرگوسی لارِسا کے دامن میں فیبئوی اپالو کا بت کدہ تھا، اور اس لیگ کے اراکین میں باہم یہ قرارداد ہوئی تھی کہ وہ کسی حالت اور صورت میں باہمی امن میں خلل واقع نہ ہونے دیں گے۔

الغرض دوریائی حملے کے بعد آرگوس نے جزیرہ نما کے اس حصے پر براہ راست یا بالواسطہ اثر پیدا کرلیا تھا جو شہرت اور وسعت دونوں کے اعتبار سے

باب ۱۲

ممتاز تھا، اور اُسے وہ کل اختیار حاصل ہو گیا تھا جو کسی زمانے میں میکینائی کا ہی حصہ تھا۔ ساتھ ہی، آرگوسیوں نے چند روایتوں کو جو اس ضلع کیساتھ وابستہ تھیں، جاری رکھا؛ مثلاً اس کا مشرق سے خاص تعلق تھا؛ یہی وہ مقام تھا جہاں سے دوریانیوں نے بلادِ مشرق کی جانب قدم بڑھایا تھا، اور چونکہ کریٹ، رھوڈس، کوس، کنیدوس اور ہالی کارنا سوس میں آرگوس ہی سے آخری مستعمرین پہنچے تھے اس لیئے ایشیائی ممالک اسی کو اپنا وطن سمجھتے تھے۔ قصہ مختصر، بہت سے واقعات کی بنا پر آرگوس یہاں کی تاریخ میں ایک نہایت ممتاز حصہ لینے کے لیئے تیار رہا، اور ضرورت صرف اس کی تھی کہ کوئی قابل آدمی اگر مفید مطلب حالات سے کام نکال کر اس شہر کے اثر میں اضافہ کرے؛ آرگوسیوں کو ایسا شخص فیئی دون کی مل گیا۔

آرگوس کے ابتدائی فرماں رواؤں کے نام علی الترتیب تیمے نوس، کیئی سوس، میدون، تھس تیوس، میردیپس، ارسطودامیداس اور فیئی دون بیان کیئے جاتے ہیں، اور اغلب امر یہ ہے کہ فیئی دون تقریباً سنہ ۷۷۰ ق م میں تخت پر بیٹھا ہوگا[۱] الیفوروس کہتا ہے کہ جب فیئی دون نے

[۱] آرگوسی بادشاہوں کی فہرستیں تھیوپومپوس سے اخذ کی گئی ہیں (جزو ۳۰ ہ) اسکے برعکس الیفوروس کے نزدیک جس کا اقتباس اسٹرابو ۸، ۳۵۸ (جزو ۱۵ ہ) میں دیا ہوا ہے، فیئی دون "تیمے نوس سے دسواں" تھا اور پیٹوسانیاس کہتا ہے کہ وہ آٹھویں اولمپیاد میں شاہ آرگوس تھا۔ اب ہیروڈوٹس (۶، ۱۲۷) میں ایک فقرہ ہے جس کے مطابق وہ سنہ ۶۰۰ ق م سے بہت پہلے ہوگا؛ نیز یولیوس افریقی کہتا ہے کہ اٹھائیسویں اولمپیاد کا میلا پیزائیوں نے لگایا تھا؛ ان اسباب کی بنا پر بعض علما مثلاً وائسن بورن Weissenborn بجائے آٹھویں اولمپیاد کے اٹھائیسویں اولمپیاد کو زیادہ قرین قیاس سمجھتے ہیں۔ لیکن اول تو عشاق اگار یستے کے قصے کی سنوی تحقیقات کے لیئے مطلق کوئی اہمیت نہیں ہے، اور ان عاشقوں میں سے کسی کے باپ کی تاریخ کے لیئے اٹھائیسویں اولمپیاد بہر نہج قبل از وقت ممکنہ ہوگی۔ ٹریبر Trieber کی رائے ہے ("مضامین براء یادگار داَئتز

زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو تیمے نوس کی میراث کسی شخص واحد کے زیر حکومت باب ۱۷
نہ تھی، اور اپنی آبائی جائداد کو از سر نو ایک جا کرنے کا سہرا اُسی کے سر رہا۔ اس نے
اپنی توجہ ان اضلاع پیلوپونیز کی طرف دوبارہ رجوع کی جو کبھی نہ کبھی ہر قل
کے زیر نگیں رہ چکے تھے، اور اولمپیائی میلے کا انتظام جس کی بنیاد اس کے
آبا و اجداد نے ڈالی تھی، خود اپنی نگرانی میں لیا۔ اس نے کورنتھ کے خلاف
سازش کر کے وہاں کے ایک ہزار نوجوانوں کو اس بہانے سے آرگوس طلب
کیا کہ وہ اپنی فوجی مہمات میں ان کی امداد کا خواہاں ہے؛ اس کا اصل مقصد یہ
تھا کہ وہ اُنھیں جان سے مار ڈالے، لیکن اُس کے معتمد علیہ ابرون نے
اس کا راز فاش کر دیا اور کورنتھی نوجوانوں نے اپنے گھر کی راہ لی۔ ہیروڈوٹس
کے بیان کے بموجب فیئی دون کا عہد اس لیے بھی ممتاز ہے کہ اس میں تمام
جزیرہ نمائے پیلوپونیز کے لیے اوزان اور پیمانوں کا ایک معیار قائم ہوا، اور کہا جاتا
ہے کہ یہی وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے یونان میں سکوں پر ٹھپا کرایا تھا۔
اس کے بعد عرصۂ دراز تک آرگوس کے قریب ہیرائیوم میں چاندی کی سلاخیں
یا اوبلے سکوئی بر آمد ہوتی رہیں جنھیں فیئی دون نے ٹھپہ دار سکوں کی یادگار
میں بنوایا تھا۔ اس کی ٹکسال جزیرۂ ائی گینا میں تھی۔
اس میں کسی قسم کے شبہہ کی گنجایش نہیں کہ یونان میں فیئی دون کو ایک خاص وقعت

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ **Aufsaetze dem Andenken an Waitz gewidmet**، ہانوور ۱۸۸۶ء ام کہ فیئی دون پینتالیسویں سے اڑتالیسویں اولمپیاد کے زمانے میں ہوگا۔

فیئی دون کے کاموں کے لیے افوروس جزو ۱۵ (جہاں تیمے نوس کے مقدمے کا بھی تذکرہ ہے) اور ہیروڈوٹس ۶، ۱۲۷ کا ملاحظہ کیا جائے۔ افوروس کے قول کے مطابق، جس کا اقتباس اِسترابو ۸، ۳۷۶ میں دیا ہوا ہے، فیئی دون اپنے سکے ائی گینا میں ڈھلواتا تھا۔ فیئی دون کی بحیثیت ایک خود سر حاکم کے، ہیروڈوٹس ۶، ۱۲۸، ارسطاطالیس: سیاسیات ۵، ۱۰، ۴: اسکی تاریخ کیلیے انگر **Unger** کا مضمون رسالہ فیلولوگوس ۱۸۶۹ء میں ملاحظہ کیا جائے۔

باب ۱۲

حاصل تھی، اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے شمالی پیلوپونیز کے لئے اسی قسم کا کام کرنے کی کوشش کی جو اسپارٹا بالآخر جنوبی پیلوپونیز میں کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہی نہیں کہ وہ تیمے نوس کی میراث کو از سر نو متحد کرنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ اُس نے سکیون میں بھی آرگوس کی حکومت قائم کر دی۔ ائی گینیا میں اُس کی ٹکسال کے قیام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس جزیرے پر بھی قابض تھا؛ اور ہزار نوجوانوں کے قصے سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ کورنتھیول کو بھی آرگوسیول کے دوش بدوش لڑوانے پر قادر تھا۔ آٹھویں اولمپیاد میں وہ بحیثیت صدر عید اولمپیا ہمارے سامنے آتا ہے؛ اور ایلس کے خلاف پیزائیوں سے مخالفہ کر کے اسپارٹا کا مد مقابل بن جاتا ہے۔ الیفوروس کا بیان ہے کہ اسپارٹا نے اس شخص کے خلاف اس وجہ سے ہتھیار اُٹھائے تھے کہ اسپارٹا کی بجائے وہ پیلوپونیزیوں کا سردار بن گیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اُسے اسپارٹیوں اور ایلسیوں نے مل کر شکست دی، اور اسپارٹیوں کی امداد سے ایلس کو پیزاتیس اور تری فالیہ کے اضلاع مل گئے۔ گو یہ باور کرنا دشوار ہے کہ آٹھویں صدی ق م میں ہی اسپارٹا کو جزیرہ نمائے پیلوپونیز کی قیادت حاصل ہو گئی تھی، لیکن ہم یہ بہر حال تسلیم کر سکتے ہیں کہ اُسے اس زمانے میں بھی بہت کچھ اقتدار حاصل تھا؛ بدیں سبب جو کچھ الیفوروس نے لکھا ہے وہ فی الجملہ غلط نہیں ہے۔

تاریخ یونان میں سب سے زیادہ جس کام کی وجہ سے فیڈون کو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے اوزان اور پیمانوں کا ایک معیار اور سکے یونان میں (یا بقول ہیروڈوٹس، صرف پیلوپونیز میں) رائج کئے۔ اس وقت ہم صرف سکوں کا ذکر کریں گے۔ ایشیا اور افریقیہ کے متمدن ممالک میں عرصۂ دراز سے قیمتی معدنیات سے مبادلے کا کام لیا جاتا تھا، لیکن یہ مبادلہ بلا وزن کے عمل میں نہ آتا تھا، یعنی ہر موقع پر ان دھاتوں کو وزن کرنا پڑتا تھا۔ اسکے بعد ایسے سکے رائج ہوئے جن کا وزن سرکاری طور پر ٹھپے کے ذریعے سے ظاہر کر دیا جاتا تھا اور ان کو بار بار تولنے کی ضرورت نہ تھی۔ متقدمین کا خیال ہے کہ اس بات کیلئے

باب ۱۷

ٹھپے کے استعمال کی ابتدا نہ تو وسط ایشیا کے مہذب ممالک میں ہوئی نہ مصر میں، بلکہ سب سے پہلے اس کا رواج ایشیائے کوچک میں ہوا، اور بعض کا تو یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ فئی دون سے پیشتر یہ طریقہ کسی کو معلوم ہی نہ تھا۔ لہذا ہمارے لیئے اس نتیجے پر پہنچنا ناگزیر ہے کہ اس نہایت مفید اور کارآمد عمل کا انکشاف ایک ہی جگہ ہوا ہوگا، اور چونکہ تمدن کے ہر شعبے میں عام طور پر ایشیائے کوچک ہی رہبری کرتا تھا اس لیئے یونان نے یہ طرز اسی سے اخذ کی ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ ایشیائے کوچک میں سب سے پہلے لدیہ میں سکوں کا رواج ہوا، جہاں کے غیر مصفا زرد سونے یا الکٹرون کے بنے ہوئے سکے آج تک موجود ہیں۔ ان کے برعکس مئیدونی سکے چاندی کے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جلیل القدر بادشاہ نے سب سے پہلے اس دھات کے سکے ڈھلوا کر اپنا نام پیدا کیا ہوگا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے یہ سکے ائی گینا میں بنائے جس کے یہ معنی لیے جا سکتے ہیں کہ سکوں کا ائی گینی معیار اور ائی گینی سکوں کی ساخت دونوں اسی کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ ان سکوں پر کچھوے کی شکل بنی ہوئی تھی۔ یہ امر طے شدہ نہیں ہے کہ ان میں سے جو ہم تک پہنچے ہیں ان میں سے ایک بھی فئی دون کے عہد کا ہے یا نہیں، اور چونکہ قدیم سکوں پر کسی قسم کا کتبہ نہ ہوتا تھا بلکہ سکہ ساز محض شبیہ پر اکتفا کرتا تھا اس لیئے ان کی تاریخ کا صحیح اندازہ کرنا یا یہ تعین کرنا کہ ان میں سے کونسے قدیم تر تھے اور کونسے جدید تر، نہایت دشوار امر ہے۔ بہرنوع، خواہ فئی دون نے سکوں کے میدان میں کچھ بھی کیا ہو، اس میں شبہہ نہیں کہ اوزان اور پیمانوں کی تنظیم میں اس کا بہت نمایاں حصہ ہے، اور اس نے یونان کو ایک ذی امتیاز ملک بنانے میں بہت کچھ کیا؎۔

؎ زمانۂ حال میں سکوں کی ابتدا کی تحقیقات پر متعدد جلدیں وقف کردی گئی ہیں، جن میں سے مفصلۂ ذیل بالتخصیص کارآمد ہیں: ف۔ لینیور مان: سکہ جات قدیم Fr. Lenormant: La monnaie dans l'antiquité جلد اول، صفحہ ۱۲۵ وغیرہ؛ بارگلے ہیڈ:

باب ۱۷

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں پیلوپونیز کے دوریائی فاتحوں میں دو مختلف النوع ذہنی تحریکات جاری تھیں۔ اپنے نئے وطن میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ تمہید کتاب "سکہ جات متقدمین" Barclay Head Introduction to the Coins of ancients؛ پرسی گارڈنر: Percy Gardner: Types of "یونانی سکوں کے انواع و اقسام" تمہید تاریخی Greek Coins, Historical introduction. متقدمین کے نزدیک ان کی ایجاد کا سہرا یا تو فیدون کے سر تھا ورنہ لدیہ والوں کے؛ الیفوروس کا میلان فیدون کی طرف معلوم ہوتا ہے (استرابو ۸، ۳۷۶) اور بہت سے مورخوں نے اسی کا اتباع کیا ہے؛ لیکن ہیرودوٹس لدیوں کا طرفدار ہے۔ بعض قدیم لدوی سکے دستیاب ہوئے ہیں جو زرد پکتولی سونے یا الکترم کے بنے ہوئے ہیں؛ نیز بعض قدیم ائیگینوی سکے بھی ملے ہیں جن پر کچھوے کی شکل بنی ہوئی ہے۔ بلاشبہہ ان میں سے قدیم ترین پر بھی کوئی ایسا نشان نہیں ہے جس کی بنا پر ہم پچاس سال کے اندر اندر کسی تاریخ کا تعین کر سکیں لیکن بہترین اسناد اس پر متفق ہیں کہ یہ ۷۰۰ ق م سے پہلے کے نہیں ہو سکتے۔ اب فیدون کا زمانہ آٹھویں صدی ق م کا ہے اس لیئے محض ان سکوں سے اس رائے کی تصدیق نہیں ہوتی کہ سکے اسی نے رائج کیئے ہوں گے چنانچہ کسی بادشاہ کا تعین کرنے کے لیئے ہمیں محض اس شہر کے نام پر اکتفا کرنا پڑے گا جہاں یہ ابتدا میں رائج ہوئے۔ ممکن ہے کہ فیدون نے مشرقی اوزان اور پیمانوں کو اپنے ملک میں رواج دیا ہو، اور چونکہ سکوں کی ترویج اس کے بعد ہوئی ہوگی، اس لیئے اس کی ایجاد بھی اسی کے سر تھوپ دی گئی ہو۔ اب صرف لدیہ اور یونان کا سوال باقی رہ جاتا ہے، اور اس مسئلے پر جملہ علما کا اتفاق ہے کہ لدیہ ہی بازی لے گیا ہوگا۔ ہیڈ کہتا ہے کہ لدیوں نے سب سے پہلے دھات کے ٹکڑوں پر ٹھپا لگا کے ان سے سکوں کا کام لیا، اور جس قوم کو سکوں پر تصاویر کندہ کرنے کا امتیاز حاصل ہے، یا کم از کم جنھوں نے ان پر نام کندہ کرنے شروع کیئے وہ ایشیائے کوچک کے یونانی تھے۔ لیکن اس امر کا کہ لدیوں نے ہی سکے کی ایجاد کی اتنا یقین نہیں ہے جتنا بعض سمجھتے ہیں۔ اگر سکہ صرف اس قیمتی دھات کے ٹکڑے کا نام ہے جس پر ایک خاص وزن سے تعین

باب ۱۷

داخل ہونے کے وقت وہ ایک سیدھی سادی، غیر مہذب، تنومند قوم تھی جسکے افراد کی تعداد مفتوحہ قوم سے کم تھی، اور جب اُس نے اس مفتوحہ ملک میں

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ اور استناد کے طور پر ٹھپا کر دیا گیا ہو، خواہ اس ٹکڑے کی ہندسی شکل کچھ ہی کیوں نہ ہو، تو ایسے سکّے تو ساتویں صدی ق م کے ابتدا میں قبرس میں بھی موجود تھے، اور کیوریوم میں جو طلائی چھلے ملے ہیں جن پر ساتویں صدی ق م سے ابتدائی حصّے سے شاہ ایتیانڈر کا نام کندہ ہے، وہ غالباً سکوں کے طور پر ہی استعمال ہوتے ہوں گے؛ ان چھلوں کا وزن ۹۴ء۴ گرین یا ایک مینا ہے (پیرو و شپی پی اے Perrot et Chipiez جلد ۳، ۲۸۹۔ ہم اس امر سے واقف ہیں کہ مصر میں چھلّے تول کر مبادلے کے لیئے استعمال کئے جاتے تھے، اور ملک اشوریہ میں سارگون کے محل میں سونے اور چاندی کے جو برتن دستیاب ہوئے ہیں اُن سے اس ملک کے معیار کا پتا چلتا ہے یعنی سونے کے چھلے کا وزن ۷ء۱۶ گرین اور چاندی کے چھلے کا وزن ۷ء۳۴ گرین؛ اور اگر سونے اور چاندی کا باہمی تناسب ۱: ۳ء۱۳ رکھا جائے تو سونے کا چھلّا ۵ مینا سے کا ہوا۔ اس کے بعد یونان میں اس مینا کا نام "یوبیائی معیار" پڑ گیا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایتیانڈر کے طلائی چھلوں پر تو تاریخ کندہ ہے، لیکن لِدوی سکّوں پر نہیں ہے تو ہمیں یہ فرض کرنے میں مطلق تامل نہیں ہوتا کہ مہردار طلائی چھلوں کا استعمال ایتیانڈر سے پہلے بھی ہوتا تھا، اور ہم بہرحال یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ اگر سکّہ انگشتری نما ہو سکتا ہے تو سکّہ ایجاد کرنے کا فخر لِدیہ والوں کو حاصل نہیں۔ لیکن اگر سکّوں کے لیئے دھات کے ٹکڑے ہونا لازمی ہے تو غالباً اس کی ایجاد کا سہرا لِدویوں ہی کے سر ہے۔ ہم اس حاشیے کو یونان کے معیار سکہ جات کی بابت چند مختصر یادداشتوں پر ختم کرتے ہیں جنہیں سے بعض کا اقتباس گارڈنر Gardner اور بعض کا امہوف Imhoof اور سکس Six کی کتابوں سے کیا گیا ہے۔ ابتداءً بیشتر حصۂ یونان میں اِی گینی معیار رائج تھا جو غالباً فینیقیہ میں مقرر کیا گیا تھا۔ یوبیائی معیار کی ابتدا بابل سے ہوئی، اور اس کا رواج اول تو ساموس میں ہوا لیکن رفتہ رفتہ اُسے دیگر اقطاع ملک نے بھی اختیار کر لیا، اور سولن نے جو قرضوں کی مقدار میں ۲۷ فی صدی کی کمی کر دی (Seisachtheia) وہ اور آئی گینی معیار کی جگہ یوبیائی معیار کی ترویج تقریباً ایک ہی زمانے کے واقعات ہیں۔ اسی زمانے کے قریب کورنتھ

بود و باش اختیار کرلی تو اس کے سامنے وہ مختلف النوع شاہراہیں کھل گئیں مفتوحہ قوم کی تہذیب وتمدن اُن کی تہذیب سے بہت اعلیٰ وارفع تھا، اور یہ سوال پیدا ہوا کہ ان کا تعلق اُس سے کس قسم کا ہوگا۔ اسپارٹیوں نے تو اس تمدن سے مطلقاً کنارہ کیا باوجودیکہ آرگوسیوں اور اُن کے حلیفوں نے اُس کو اپنا بنا لیا، لہٰذا ہم فی الجملہ یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ فاتحوں نے ان مقامات کی تہذیب کو جہاں وہ آکر آباد ہوئے تھے، جزوی طور پر اختیار کرلیا تھا۔ اُس وقت تک لقونوی تمدن نے کوئی خاص امتیاز پیدا نہیں کیا تھا اس لیئے اغلب امر یہ ہے کہ فاتحوں پر اس کا اثر ذرا کم ہی پڑا ہوگا، برعکس ازیں دوریانیوں کے عہد سے پیشتر ہی آرگولس یونانی تہذیب وتمدن کا مرکز رہ چکا تھا۔ اگر فیئی دون سے پہلے نہیں تو کم سے کم اُسکے عہد حکومت میں، اور بخود اُس کی وساطت سے دوریانی آرگوسیوں نے وہی حکمت عملی قائم رکھی جو ان سے پہلے اکائیائی آرگوسیوں کی تھی۔ فیئی دون کا نصب العین یہ تھا کہ جزیرہ نما پر سیادت حاصل کرے اور اس مقصد کے حصول کے لیئے اُس نے اولمپیائی کھیلوں سے کام نکالا۔ اُس کے تعلقات مشرقی ممالک کے ساتھ نہایت وسیع تھے، اور اس میں آرگوس کی مشرقی نوآبادیوں نے اپنے مادر وطن کی بہت کچھ مدد کی۔ شاید فیئی دون نے اوزان اور پیمانوں کی جو تنظیم کی اُس کی اصلی وجہ یہی تعلقات کی وسعت ہو۔ فیئی دون کو تخت آرگوس پر بیٹھنے کا قانونی حق حاصل تھا، لیکن اُس کی یہ خواہش نہ تھی کہ دوریانیوں کے آنے سے پہلے آرگوس کے گزشتہ فرماں رواؤں کی طرح اپنے اختیارات کو

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ اور ایتھنز نے بھی یوبیائی معیار ہی کو اپنے یہاں رواج دیا، لیکن سکّے کی اکائی یعنی اشتاتر کو مختلف حصوں میں تقسیم کردیا۔ اسی طرح اس ابتدائی زمانے میں سسلی نے بھی یوبیائی معیار اختیار کرلیا تھا، لیکن یہ درست نہیں ہے کہ سسلی کے بلدیات نے ایتھنز کا اتباع کرکے اپنے سکّے ویسے ہی ترتیب دیئے یا اٹیکائی پیمانے اختیار کیئے بعض کا یہ خیال تھا کہ ایتھنز کا مغربی ممالک پر عہد اولین ہی سے اثر پڑ گیا، اسکی مطلق کوئی سند نہیں ہے، اور حقیقت امر یہ ہے کہ سسلی نے اٹیکائی معیار نہیں بلکہ خود ایتھنز کی طرح یوبیائی معیار کو اختیار کیا تھا۔

باب ۱۲

محدود کر دے، بلکہ وہ ایشیائی حکمرانوں کی طرح، جن کے ساتھ اس کے تعلقات نہایت دیرینہ تھے، بالکل مطلق العنان ہونا چاہتا تھا، اسی لئے متقدمین کے نزدیک اس کی حیثیت بالکل کسی خود سر حاکم کی سی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ پیلوپونیزی دو ریاستوں کے جو دو مختلف النوع مقاصد نظر آتے ہیں ان میں سے ایک کا قائم مقام لیکر گوس اور دوسرے کا فئی دون تھا۔ باوجودیکہ فئی دون کی موت کے بعد کے واقعات کا یقین نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ملوکیت مسلسل قائم رہی۔ ہمارے پاس بہت سے ایسے آرگوسی بادشاہوں کے نام محفوظ ہیں جو بلاشبہ فئی دون کے بعد تخت نشین ہوئے ہوں گے، لیکن چونکہ ہم مختلف واقعات کا سنوں کی تعین مطلق نہیں کر سکتے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس ترتیب سے تخت نشین ہوئے ہوں گے۔ بہرحال یہ امر یقینی ہے کہ آرگوس نے فئی دون کے زمانے سے ترقی کی طرف جو قدم بڑھایا تھا وہ پیچھے ہٹنے لگا، اور اسے اسپارٹا اور دیگر یونانی ریاستوں کے بالمقابل اپنا وقار قائم رکھنے میں بہت کچھ دشواری پیش آئی، یعنی ایک طرف تو سکیون اور کورنتھ کے خودسروں نے وہاں کی عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی جس کے باعث جزیرہ نما کے شمالی حصے میں آرگوس کا وقار کم ہو گیا، اور دوسری جانب الی گینا روز بروز زیادہ آزادی کی طرف مائل نظر آنے لگا۔ ان ریاستوں کو تو آرگوس نے چھوڑ رکھا تھا،

لے Nic.Dam. جز ۵۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ فئی دون ایک کورنتھی مہم میں مارا گیا، لیکن میولر کا خیال ہے کہ یہ فئی دون خود سر آرگوس نہیں بلکہ وہ کورنتھی مقنن ہے جس کا تذکرہ ارسطاطالیس کی سیاسیات میں آگیا ہے۔ فئی دون کے ورثہ کی بابت زمانۂ حال کے مورخوں میں باہمی اختلاف ہے۔ پلاس Plass کے نزدیک اسکے بعد ڈیموکراتی داس تخت نشین ہوا، لیکن ٹوسولٹ (لاکے ڈیمون ۹۸) کا خیال ہے کہ اسکے بعد لاکے داس اور ڈونکر کی رائے میں ایراتوس سریر آرائے حکومت ہوا۔ واضح ہو کہ یہاں ڈونکر ہیروڈوٹس ۶، ۱۲۷ کا اتباع کرتا ہے۔

باب ۱

لیکن اسپارٹا کے درمیان حالت جنگ برابر قائم تھی، اور گو انھوں نے ساتویں صدی ق م میں اسپارٹا کو بمقام ہسیہ شکست دے دی لیکن اسکے بعد انھیں کسی لڑائی میں اس قدر نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ؎۵

مفصلۂ ذیل واقعے کی، جسے ہیروڈوٹس نے نقل کیا ہے، ایک خاص نوعیت ہے:- چھٹی صدی ق م کے وسط میں تھِریا کا ضلع اسپارٹیوں کے ہی قبضے میں تھا؛ آرگوسی اُسے لینے کی غرض سے ہر طرف سے بڑھے اور اُنکی مدافعت کی خاطر دوسری جانب سے اسپارٹیوں نے پیش قدمی کی۔ آخرالامر فریقین میں یہ طے پایا کہ دونوں کی طرف سے تین تین سو سپاہی آگے بڑھ کر لڑیں گے اور جو کچھ اس جنگ کا نتیجہ ہوگا اس پر فریقین قائم رہیں گے۔ اس خونریز لڑائی میں صرف تین جنگ جو یعنی ایک اسپارٹی اوتھریاداس اور دو آرگوسی یعنی السکے نور اور خرومیوس زندہ بچے۔ غالباً اوتھریاداس

؎۵ اسپارٹا اور آرگوس کے باہمی نقیض کیلئے پَوسانیاس ۳، ۷، ۲ اور ۳، ۲، ۲- پلوٹارک: Apoph. Lac: صفحہ ۲۳۱ میں شاہ پولی دوروس کی آرگوسیوں پر ایک فتح کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اسپارٹی اور آرگوسی سرحدی معرکوں کا سنوی تسلسل غیر معین ہے۔ پَوسانیاس (۲، ۲۴، ۷) جنگ ہسیہ کا ذکر کرتا ہے جس کی تاریخ ۶۶۹ق م فرض کرلی گئی ہے۔ اس نے ۳، ۷، ۵ میں جس لڑائی کا ذکر کیا ہے اسے ڈنکر (۵، ۴۳۵) یہی جنگ ہسیہ سمجھتا ہے، لیکن اس مفروضے میں بہت سی سنوی مشکلات حائل ہیں اور اس کا تصفیہ نہیں ہوا ہے۔

تین سو کی جنگ ہیروڈوٹس ۱، ۸۲؛ کریسوس کے زوال کے واقعات کی ہمعصر۔ اسٹرابو ۸، ۶، ۱۷؛ پَوسانیاس ۲، ۳۸، ۵۔ مقابلہ کیا جائے برسیان: جغرافیۂ یونان Bursian:Geogr. V.Gr. ۲، ۶۹- اگر اوتھریاداس خودکشی کا مرتکب ہوا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا یہ فعل بجائے ذی عزت ہونے کے کلا آبرو زیادہ تھا۔ کول مان: اوتھریاداس Kohlmann:Othryadas;Rh.M. سنہ ۱۸۷۴ء صفحہ ۴۶۳ وغیرہ۔

باب ۱۷ جب پڑا رہا جس سے آرگوسیوں کو اس کی موت کا دھوکا ہوا اور وہ اپنے پڑاؤ کی طرف شادیانے بجاتے ہوئے واپس چلے۔ اب اوتھریاداس نے اُٹھ کر آرگوسی مردوں کے ہتھیار اُتارے اور اُنھیں اسپارٹی پڑاؤ میں لے آیا۔ جب آرگوسی اور اسپارٹی واپس آئے تو فریقین نے فتح کا دعویٰ کیا جس پر دونوں میں از سر نو دست بدست لڑائی ہونے لگی اور بالآخر اسپارٹیوں کا ہی بول بالا رہا، اور اُن کا ضلع تھریا پر قبضہ ہوگیا۔ لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ آرگوس نہ تو اپنے حقوق سے دست بردار ہونے کے لیے آمادہ تھا نہ اسپارٹی فتح کو ہی تسلیم کرتا تھا، لہذا وہاں کے باشندوں نے یہ تصفیہ کیا کہ تھریا کی یاد تازہ رکھنے کی غرض سے جس وقت تک یہ ضلع فتح نہ ہو جائے اُس وقت تک آرگوسی مرد اپنے بال نہ کٹوایا کریں اور عورتیں زیورات پہننے سے باز رہیں۔

اسپارٹا اور آرگوس کے علاوہ دیگر پیلوپونیزی اضلاع کی ابتدا میں کچھ وقعت نہ تھی۔ کورنتھ کو جو کچھ بھی رتبہ حاصل تھا وہ سب اس کی تجارت کی بدولت تھا، اس کے علاوہ بعض ریاستوں نے اپنے خودسر حکمرانوں کی ماتحتی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے اُن کا بیان متعاقب کیا جائیگا۔ جزیرہ نمائے پیلوپونیز کا جغرافی مرکز آرکیڈیا ہے، اور یہ ایک ایسا ملک ہے جس کو مختلف پہاڑوں کے زنجیرے بیچ میں سے کاٹتے ہوئے دیگر حصص پیلوپونیز سے جدا کرتے ہیں۔ شمالی اور مشرقی ہمسایہ ممالک سے اس ملک کی صرف چند دروں کے ذریعے سے آمد و رفت ممکن ہے۔ جزیرہ نمائے پیلوپونیز کے اقطاع سے جو راستہ ہے وہ نہایت ڈھلوان اور دشوار گزار ہے اور صرف ایک راستہ نسبتاً صاف ہے یعنی وہ جو بحر ایونیہ سے دریائے الفیوس کی وادی میں ہو کر گزرتا ہے[۶]۔ واضح ہو کہ دور یانی حملۂ پیلوپونیز کے وقت آرکیڈیا مکمل طور پر

[۶] آرکیڈیا کے لیے شواب، "آرکیڈیا" شٹٹگارٹ ۷ : Schwab Arkadien; Stuttg. 1852 بر سیان: جغرافیۂ یونان ۲، ۱۷۸ وغیرہ، بوسولٹ ہر

باب ۱۷ فتح نہ ہو سکتا تھا، اس لئے کہ جب ملک کے فاتحوں نے زرخیز وادیوں اور خلیجی سواحل پر قبضہ کرلیا تو پھر پہاڑی علاقوں میں انھیں کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جو اُن کے لئے باعث کشش ہو۔ اس کے علاوہ چونکہ آرکیڈیا میں پہاڑی اقوام کی جملہ صفات مثلاً ہمت، مردانگی اور جنگجوئی موجود تھی اسلئے ووریانیوں نے اُن کو انھیں کے حال پر چھوڑ دینا مناسب سمجھا یہ بھی یاد رکھنا چاہئے آرکیڈی مملکت فروی نہ تھی بلکہ اُس کا ہر ایک پرگنہ آزاد تھا؛ بعض پرگنے تو ایسے تھے جن میں صرف گاؤں ہی گاؤں تھے اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جسے ملک کا حقیقی مرکز کہا جا سکے۔ یہ بات نہایت عجیب وغریب ہے کہ جملہ آرکیڈی شہر اونچے اونچے پہاڑوں کے قریب میں واقع تھے؛ اگر شمال کی جانب سے ان کا شمار کیا جائے تو جنوب و مشرق کی طرف مفصلۂ ذیل شہر تھے: تیپوفس، کلئی تور، فے نیوس، ستیم فالوس، اورخومینوس، مین تی نیا اور تگیہ؛ وسطی اور جنوبی آرکیڈیا میں میگالوپولس کی مستعمری تک کوئی اور شہر نہ تھا لیکن دریائے الفیوس کے جنوب میں، یعنی ملک کے جنوب و مشرقی جانب بعض مقامات ایسے تھے جن کی وقعت آرکیڈی افسانوں میں بہت کچھ پائی جاتی ہے مثلاً لیکوسورا جسے آرکیڈیا کا قدیم ترین بلدیہ شمار کیا جاتا تھا، اور ترائی زوس جس کا ذکر تاریخ مسینیہ کے ضمن میں آچکا ہے۔ بلاشبہ تاریخ آرکیڈیا میں ایسے واقعات ضرور پیش آئے ہوں گے جن سے ہم واقف نہیں ہیں۔ عام طور پر اس کے شہروں کی بنیاد نسبتاً زمانۂ قریب میں پڑی ہوگی۔ مثلاً مین تی نیہ کی بابت کہا جاتا ہے کہ اُسے دراصل آرگوسیوں نے شاید اسپارٹا کا مدمقابل بنانے کے لئے پانچ گاؤں ملاکر آباد کیا تھا؛ اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وشنیاتی زمانے میں الیوس ولد الفئی داس نے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ (۱) لکدمونی قوم Busolt: DieLake-de-monier (۱۱۱ وغیرہ)۔ واضح ہو کہ بوسولٹ نے آرکیڈیا کی ابتدائی تاریخ کی بابت جو نظریئے قائم کئے ہیں ان پر نیز سے Niese نے استدلالی اعتراضات کئے ہیں۔

مختلف پرگنوں کو یکجا کر کے تگیہ آباد کیا تھا، اور اس اتحاد کی نشانی "اتھینے الیا" کا بت خانہ بیان کیا جاتا ہے[57]۔ آرکیڈی ہمیشہ اپنے قدیم آبائی رسم و رواج اور حب موسیقی کی وجہ سے ممتاز تھے اور وہ اپنی جنگجویانہ عادات کا مظاہرہ سوئیزرستانیوں کی طرح دیگر ممالک کی فوج میں بھرتی ہو کر نہایت شوق سے کرتے تھے۔ سوئیزرستانیوں کی طرح آرکیڈیا میں بھی ابتدا ہی سے ہر ایک ضلع میں اتحاد کے جراثیم موجود تھے، لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اوائل تاریخ میں اس اتحاد کی شکل کیسی ہوگی۔ تاریخ میں آرکیڈی بادشاہوں کا ذکر سننے میں آتا ہے لیکن یہ امر صاف طور پر عیاں نہیں ہے کہ آیا تمام ملک اُن کے دست نگر تھا یا نہیں اور جنگ لیوکترا سے پہلے اصول وفاقیت کی تلاش بے سود ہے۔

آرکیڈیا کی مخصوص سیاسی حالت کی وجہ سے اسپارٹا جیسے ملک کو اُس پر تسلط حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی؛ اس کے علاوہ اسپارٹا کا آرکیڈی معاملات میں مداخلت کرنے کا ایک اور سبب بھی تھا، وہ یہ کہ بالائی وادی یوروتاس سے اولمپیا کو جو راستہ سب سے آسان گزرتا تھا وہ اسی ملک میں ہو کر گزرتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لیکرگوس کے ایک رشتہ دار خاریلاؤس نے ہی یوروتاس اور الفیوس کی درمیانی اراضی پر جسے آئی گیس کہتے تھے، قبضہ کر کے خاص تگیہ پر حملہ کر دیا۔ ہم اس سے پیشتر بتا چکے ہیں کہ اس نوع کے بیانات نہایت مشتبہ ہیں تیسویں اولمپیاد میں اسپارٹی مسینیہ پر قابض ہو چکے تھے، اس لئے وہ ضرور آرکیڈیا کے مغربی حصے پر بھی دانت لگا سکتے تھے اور اب انھوں نے اس کے

[57] شہر منتی نیا کی آبادی اِسٹرابو ۸، ۳۳۷۔ پریسیان ۲، ۲۰۹ کا خیال ہے کہ یہ اسکے مختلف گاؤں کا باہمی اتحاد پانچویں صدی ق م میں قطعی طور پر عمل میں آیا ہوگا، لیکن بُوسولٹ اسکی بابت اس قدر وثوق سے کوئی رائے قائم نہیں کرتا (لاکے ڈیمونیان" Busolt:Lak صفحہ ۱۲۵)، اور اسی کی رائے مجھے زیادہ صائب معلوم ہوتی ہے تگیہ کی ابتداء پیوسانیاس ۸، ۴۵، ۱۔

باب ۱۷

اقصائے جنوب و مغربی گوشے میں مداخلت کر کے فگالیا پر قبضہ کر لیا؛ لیکن انھیں اس مہم میں کما حقہ کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ اورس تھیئزیوں نے آرکیڈی قبیلے نے انھیں شکست دیدی۔[۵۸] دوسری جنگ مسینیہ میں چند قبیلوں نے ارسطقراطیس شاہ اورخومینوس کی ماتحتی میں مسینیوں کی مدد کی تھی۔ جس طرح دریائے یورو تاس کے بالائی حصے کے متوازی وادی الفیوس کو ایک راستہ نکلتا ہے بعینہٖ اسی طرح یوروتاس کے معاون اوئے نوس کے ذریعے سے انسان میدان تگیہ میں پہنچ جاتا ہے؛ اس ضلع میں اسپارٹیوں نے آرکیڈیوں سے وہ تمام ملک چھین لیا جو پہاڑوں کے جنوبی نشیب پر واقع ہونے کے باعث جغرافی اعتبار سے وادئ یوروتاس کا ہی ایک حصہ بن گیا ہے اور جس کے مشرقی حصے کو کاریائے اور مغربی حصے کو سکی رتیس کہتے ہیں۔ یہاں تک پہنچنے کے بعد انھیں اپنا قدم اور آگے بڑھانے کا موقع مل گیا۔ لیون اور ہیگیسکلیس کے عہد حکومت میں انھوں نے ڈیلفی کی کاہنہ سے دریافت کیا کہ آیا یہ ممکن ہے یا نہیں کہ وہ تمام ملک آرکیڈیا پر قبضہ کرلیں؛ اس کا انھیں نفی میں جواب ملا؛ لیکن ساتھ ہی جو الفاظ معبود ڈیلفی نے استعمال کیے اُن سے اُنھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ممکن ہے کہ وہ شہر تگیہ پر قبضہ کرسکیں؛ اور اُن کے دل اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ جب وہ تگیہ فتح کرنے کے لیے نکلے تو وہاں کے باشندوں کو گرفتار کرنے کی غرض سے زنجیریں بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ لیکن اس مہم کا نتیجہ کچھ اور ہی نکلا، یعنی خود اُنھیں کو ناکامی ہوئی اور بجائے اس کے کہ

---

[۵۸] آرکیڈیا میں اسپارٹی مہمات، پوسانیاس ۳، ۲، ۶: ۳، ۷، ۷، ۳: ۸، ۸، ۴۸، ۳، ۳: ۸، ۲، ۳۹۔ شہر اورخومینوس سے مسینی سرحد تک جو فاصلہ ہے اس سے یہ استدلال لازم نہیں آتا کہ دوسری جنگ مسینیہ میں تمام آرکیڈیا نے حصہ لیا ہوگا، لیکن کم از کم وہ قبیلے جو اُس سرحد کے قریب رہتے تھے وہ ضرور اس میں شامل ہوئے ہوں گے۔ ارسطقراطیس اور اُس کا بیٹا ارسطودیموس "وہ تقریباً تمام آرکیڈیا" پر حکومت کرتے تھے (diog: L.I,94)۔

وہ تگیائیوں کو گرفتار کریں، خود انھیں کی زنجیروں میں جکڑ کر انھیں تگیائیوں نے اپنی اراضی پر کام کرنے کو مجبور کیا۔ اس کے بعد اسکندر یداس اور ارسطون کے عہد حکومت میں اسپارٹیوں کی قسمت جاگ اٹھی، اور جب انھوں نے دلیفی سے استمزاج کیا تو انھیں یہ ہدایت ہوئی کہ اورس تیس کی ہڈیاں، جو تگیہ میں، اس مقام پر ملیں گی "جہاں ہوا کے تیز جھونکے چلتے ہوں اور جہاں سیدھی الٹی خبریں گونجتی ہوں"، فوراً وہاں سے ہٹالی جائیں۔ اب ہوا یہ کہ جب ایک مرتبہ تگیہ اور اسپارٹا میں التوائے جنگ ہوئی تو ایک سرآوردہ اسپارٹی مسمی لیخاس نے تگیہ کے ایک لہار کی زبانی یہ سنا کہ اُسے اپنے کھیت میں ایک تابوت دستیاب ہوا جو تقریباً نو گز طویل ہے۔ لیخاس یہ سنتے ہی تاڑ گیا کہ ہو نہ ہو یہ وہی تابوت ہے اس لیے کہ لہار کے اوزاروں میں سے وہی آواز نکلتی ہے جس کا ذکر ہدایت الہامی میں تھا، چنانچہ اُس نے فوراً کھیت پر قبضہ کیا اور تابوت کو اپنے ساتھ اسپارٹا لے آیا۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ تگیہ کو اسپارٹا کے ہاتھوں زک پر زک پہنچنے لگی، اور تگیہ مغلوب تو نہ ہو سکا لیکن اسپارٹیوں نے اُسے اپنے ساتھ ایسا محالفہ کرنے پر مجبور کیا جس کی رو سے تگیائی ہمیشہ کے لیے اسپارٹا کے نہایت وفادار حلیف بن گئے۔ انھیں ہمیشہ میدان جنگ میں اسپارٹی فوج کے میسرے پر رہنے کی اجازت ملتی تھی اور وہ اس اعزاز پر فخر کیا کرتے تھے۔ تگیائیوں کی طرح دیگر آرکیڈیوں نے بھی اسپارٹا کے ساتھ باہم محالفہ کرلیا۔[۹]

اب اسپارٹا کے ان تعلقات کا، جو شیبی الفیوس کے بلدیات کے ساتھ تھے، تذکرہ کرنا باقی ہے۔ یہاں پیزائیوں کے علاقے میں (جس کا غالباً کوئی خاص مرکز نہ تھا) ایک مقام پر اولمپیا کا میلا منعقد ہوا کرتا تھا۔ اس میلے کا تفصیل وار ذکر تو متعاقب کیا جائے گا، جہاں تک اس کی

---

۹ اسپارٹا، تگیہ، اورس تیس کا قصہ ہیروڈوٹس ۱، ۶۶ تا ۶۸ میں مذکور ہے۔

ابتدا کا تعلق ہے ہمیں کوئی معلومات حاصل نہیں۔ ہم سے یہ ضرور کہا گیا ہے کہ لیکرگوس اور ایفی توس ساکن ایلیس میں یہ قرارداد ہوئی تھی کہ اس میلے کے انعقاد کو ایک خاص معاہدے کے ذریعے سے محفوظ کر دیا جائے اور ایلیس کی اراضی ہمیشہ مامون و مصئون رہے۔ یہ آخری قرارداد نا قابل یقین معلوم ہوتی ہے، لیکن ساتھ ہی اغلب امر یہ ہے کہ نویں صدی ق م میں ایلیسیوں نے پیزائیوں پر اپنا اثر ضرور قائم کر لیا ہوگا۔ اولمپیا کے ہیرائیوم میں ایک تختی پر ایک نہایت قدیم نوشتہ تھا جس سے یہ استدلال کیا جاتا تھا کہ لیکرگوس (یعنی اسپارٹیوں) نے کسی زمانے میں ایلیسی معاملات میں مداخلت کی ہوگی، لیکن چونکہ اس تختی کی قدامت کی بابت کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی اس لیئے لیکرگوس (یعنی اسپارٹیوں) کی مداخلت کا قصہ بھی ازبس مشتبہ ہے۔ با اینہمہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آٹھویں صدی ق م میں اسپارٹیوں اور ایلیسیوں کے باہمی تعلقات دوستانہ ہوں گے اور اسپارٹی موخر الذکر کو اولمپیائی کھیلوں کے سربراہ کار سمجھتے ہوں گے۔ اب پیزائی اپنے فطری حقوق طلب کرنے کے لیئے کسی موقع کی تاک میں بیٹھے تھے اور انہیں یہ موقع فئی دون کے عہد میں ہاتھ لگ گیا لیکن ان کی کامیابی محض چندروزہ تھی۔ ایلیسیوں کو میلے کی صدارت نویں اولمپیاد جیسے قدیم زمانے میں ملی تھی! چونتیسویں اولمپیاد یعنی ۶۴۴ ق م میں پیزائی اپنا اقتدار از سر نو قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور پنتالیون کی سرکردگی میں جو بالآخر میلے کا صدر بنا یا گیا، انھوں نے مسینیوں کو مدد دی۔ اس محاربے میں مسینیوں کی شکست کے ساتھ ہی پیزائیوں کو بھی نیچا دیکھنا پڑا۔ اڑتالیسویں اولمپیاد میں پنتالیون کے بیٹے ڈیموفون نے پھر ازادی کی کوشش کی، لیکن ایلیسی فوراً پیزا پر چڑھ دوڑے اور بغاوت کو فرو کر دیا۔ اس کے بعد ہم خاص طور پر ڈیموفون کے بھائی پرحوس کی بغاوت، ڈیس لونتیوم کی پیزائی ضلع میں مداخلت اور سکی لوس اور ماکیس توس کی ضلع تری فالیا میں دست اندازی کے حالات پڑھتے ہیں۔

لیکن اس موقع پر بھی پیزائیوں کو ہی شکست ملی اور وہیں یونیتیوم کے بیشتر باشندے ایپی دامنوس اور اپولونیا بھاگ گئے جس سے ماکس توس اور سکی لوس کا ملک ایلیسیوں کے ہاتھ آیا۔ ان تمام اضلاع میں صرف لیپریوم ہی ایسا تھا جسے تھوڑی بہت آزادی حاصل رہی۔[۱۰]

پیلوپونیزی ریاستوں میں صرف شمالی علاقے کا ذکر باقی ہے، لیکن ان میں سے بحیثیت ایک ملک کے اکائیہ کا تاریخ یونان میں کوئی رتبہ نہیں ہے۔ یہ قوم سمندر اور پہاڑوں کے درمیانی علاقے میں سکونت پذیر تھی، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے میں کارساز فطرت کا مقتضا ہی یہ تھا کہ وہ ان اقوام کی طرف مطلق التفات نہ کر سکے جو پہاڑوں کے اس پار رہتی تھیں؛ بلکہ باد موافق چلنے پر صرف ان ساحلوں کی طرف اپنی کشتی حیات کا بادبان موڑ دے جہاں اُسے اس مقام سے بہتر اپنی کارگزاری کا موقع ملتا ہو۔ پولی بیوس کا بیان ہے کہ ابتدا میں اس قوم پر بادشاہ حکمران تھے جنمیں سے پہلے کا نام تِساؔمینوس اور آخری کا نام گی گیس تھا۔[۱۱] اس کے بعد کسی زمانے میں

---

[۱۰] اسپارٹا، اولمپیا، پیزائیوں اور ایلیسیوں کے باہمی تعلقات کیلئے دیکھو ای۔ کرتیوس کا مضمون "اسپارٹا و اولمپیا" E.Curtius:Sparta and Olympia رسالہ ہرمیس Hermes ۱۴، ۱۳۹ وغیرہ، اور گ۔ بوسولٹ: "تحقیقات تاریخ یونان" G. Busolt: Forshungen zur griechischen Geschichte جلد ۱، اور اُس کی کتاب "لکدمونیان" Lake daemonier جلد ۱۔ پیزائیوں کے کارہائے نمایاں کا ذکر پیوسانیاس ۶، ۲۲، ۲ میں آتا ہے۔ مقابلہ کرو استرابو ۸، ۳۵۵ پولوس افریقی کا اقتباس، یوسے بیوس کے وقائع جلد ۱ صفحہ ۱۹۸ میں دیا ہوا ہے، لیکن شہیونے Schoene اس سے اختلاف کرتا ہے۔ نیز مقابلہ کرو اُنگر Unger کا مضمون رسالہ فلولوگوس جلد ۲۸ سنہ ۱۸۶۹ میں۔

[۱۱] پولی بیوس ۲، ۴۱ کے افسانوں سے پتا چلتا ہے کہ تِسامینوس اکائیہ زندہ نہیں آیا، اور جب ہم اس پر غور کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ معلوم کرتے ہیں کہ علاوہ پولی بیوس کے کوئی اور مورخ گی گیس کی بابت

باب ۱۷

جس کا تعین نہیں کیا جا سکتا، ہر ایک بلدیہ بجائے خود بالکل آزاد ہو گیا، اور یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ اگر کوئی معاملہ ایسا ہو جس کا متعدد بلدیوں سے تعلق ہو تو اُس پر ائی گیوم والے زیوس اماریوس کے بت خانے میں مباحثہ ہو کر تصفیہ ہوا کرے۔ اکائیہ میں بارہ شہر تھے: یعنی ساحل پر مغرب سے مشرق کی طرف اوے نوس، پاترائے، ائی گیوم، ہلیکے، آئی گائے اور آئی گیرا؛ ساحل کے قریب دیمے، رھی پیس، بورا اور پیلینے؛ اور ساحل سے کچھ فاصلے پر فارائے اور ترٹی تائیا۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اکائیائیوں نے یونان کے لیئے بہت کچھ کیا۔ لیکن ان کا مید ان عمل پیلوپونیز کے بجائے ان نوآبادیوں میں تھا جو انھوں نے نشیبی اٹلی میں قائم کر لی تھیں۔

اب صرف ان ریاستوں کا ذکر باقی ہے جو اکائیہ سے مشرق کی طرف واقع تھیں اور جن میں سے تین خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں یعنی سکیون، کورنتھ اور میگارا؛ ان کا بیان اس وقت کیا جائیگا جب ہمارا سلسلۂ کلام اُس زمانے کے حالات تک پہنچ جائے گا جبکہ خود سر

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالتا، و نیز یہ دیکھتے ہیں کہ (استرابو ۳۸۴ کا اتباع کرتے ہوئے) چونکہ اس کا نام زاید از ضرورت لدوی الاصل معلوم ہوتا ہے اس وجہ سے "وگی گیس" کی جگہ بعض مورخ "اوگی گیس" پڑھتے ہیں اور اس "اوگی گیس" کی بابت بھی ہمیں مطلق کوئی معلومات نہیں، تو پھر گو اس حصۂ تاریخ یونان کا ماخذ پولی بیوس ہی کیوں نہ ہو، ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس دور کی دیگر روایات کی طرح یہ حصہ بھی نہایت مشتبہ ہے۔ ہیروڈوٹس (۱، ۱۴۵) بارہ شہروں کے نام شمار کرتا ہے۔ اماریوس کے لیئے (جیسے اکثر ہوماریوس کے نام سے پکارا جاتا ہے) فوکارٹ کا مضمون "جریدۂ آثاریات" Foucart: Rev. Arch. سنہ ۱۸۷۶ء صفحہ ۹۶ دیکھا جائے۔

حکمرانوں کے ماتحت ان ممالک کو انتہائی عروج حاصل ہوگیا؛
قبل اس کے کہ ہم اس عہد کے واقعات سمجھائیں ہم یونان کے اُس حصے کا ذکر کریں گے جہاں دوریانی قوم آباد نہ تھی، اور ان ادارات کا بھی جستہ جستہ بیان کریں گے جو یونانی قوم کے اتحاد کا باعث ہوے؛

باب سیزدہم

شمالی یونانی مملکتیں، خصوصاً تھسلی اور بیوتیہ؛

ہسیود

ہمارا یہ ارادہ نہیں ہے کہ یہاں ان ممالک کا بیان کریں جو تھسلی کے شمال میں واقع تھے اس لئے کہ زمانۂ مابعد تک وہ تاریخ یونان کے لئے کچھ زیادہ اہم ثابت نہیں ہوئے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بعید زمانے میں بھی ان کے باشندے بربریت لیئے ہوئے ہوں گے اسلیئے کہ ان کے قدیم سکوں پر، جو ہم تک پہنچے ہیں، یونانی حروف کندہ ہیں۔ یہ سکے صرف مقدونیہ کے ہی نہیں بلکہ تھریسی قبیلوں مثلاً بسالتائے ایدونیس اور سکی ای کے بھی ہیں، اور موخرالذکر قبیلے کا تو نام تک اس پر کندہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سب کا یہ خیال تھا کہ انہیں اہل یونانیوں میں کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوگا۔ ظاہر ہے کہ منجملہ دیگر اثرات کے ان اقوام پر ساحلی یونانی بلدیات کا بھی اثر پڑا ہوگا۔ بہر نہج اس عہد میں جس کا اسل وقعت ذکر کیا جارہا ہے، شمالی ممالک میں سے صرف تھسلی ہی کو تھوڑی بہت وقعت حاصل تھی؛

فی الجملہ تھسلی کو دریائے پے نیوس کی وادی کہنا بیجا نہ ہوگا اس لیئے کہ یہ دریا خوبصورت اور تنگ وادی ٹیمپے میں ہوکر سمندر کی جانب بہتا ہے اور اس کی وجہ سے تمام ملک گویا ایک عظیم الشان طاس بن گیا ہے جس کا نکاس صرف ایک طرف کو ہے اور جس کے ہر چہار طرف

نہایت بلند دیواریں حائل ہیں۔ چونکہ بعض زنجیرے اس میں ہو کر بھی گزرتے ہیں اس لیئے یہ ملک متعدد قدرتی حصوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ اس کے مغرب میں کوہ پنڈوس، اور مشرق میں اولمپس، اوسا اور پے لیون پہاڑ واقع ہیں اور ایک تیسرا زنجیرہ جس کو دریائے پے نیوس کاٹتا ہے اسی دریا کے متوازی شمال سے جنوب کی طرف کو جاتا ہے۔ لیکن یہ اس قدر بلند نہیں ہے جتنے مشرقی اور مغربی زنجیرے۔ اس کے مغرب میں بالائی تھسالوی میدان ہے جس کے دو حصے ہیں۔ شمالی حصے کو تو دریائے پے نیوس سیراب کرتا ہے اور جنوبی حصے میں ہو کر اس کے بڑے بڑے معاون دریا بہتے ہیں جن میں سب سے ممتاز اینی پیوس ہے۔ ابتدائی زمانے سے ہی تھسلی کے چار حصے سمجھے جاتے تھے یعنی ہستیائیوس، تھسالیوتس، پیلاسگیوتس اور فتیوتس، جن میں زمانہ مابعد میں ایک اور حصے یعنی مگنیتی ملک کا اضافہ ہوا۔ منجملہ ان کے ہستیائیوتس اور ہمسایہ پہاڑ ول سے تو دریائے پے نیوس نکلتا ہے، تھسالیوتس اینی پیوس اور دوسرے دریاؤں کا ضلع ہے جو جنوب سے نکل کر دریائے پے نیوس میں کو بہتے ہیں، فتیوتس میں پہاڑی علاقہ (اوتھریس) اور تھسالیوتس کے جنوبی ساحلی علاقے شامل ہیں، اور پیلاس گیوتس میں نشیبی پے نیوس کے میدان میں پائے جاتے ہیں جو وسطی زنجیرے کے مشرق میں واقع ہیں اور بوے بائس جھیل کی چاروں طرف کا علاقہ بھی اسی میں شامل ہے۔ رہی مگنیتی قوم، سو وہ پے لیون اور اوسا کے علاقے میں رہتی تھی۔ ہستیائیوتس کے اہم ترین مقامات گومفے، اتھومے، تریکا تھے (جن میں سے موخر الذکر میں اسکلے پیوس کا ایک خانہ واقع تھا)؛ اسی طرح تھسالیوتس کے بڑے بڑے شہر آرنے (کئے ریوم) اور فارسالوس، اور پیلاس گیوتس کے لارسا کرانون، فے رائے اور بگاسائے ہیں۔ واضح ہو کہ فتیوتس اور مگنیتستان میں کوئی باوقعت شہر نہ تھا۔

تھسلی کی ابتدائی تاریخ کی بابت ہمیں بہت ہی کم واقفیت ہے۔

باب ۱۱

ظاہر ہے کہ اس قوم کے ابوالآباء کا نام "تھسالوس" ہی بیان کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد الیوآس تخت پر بیٹھا۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ اس کا ایک بیٹا پرھوس محروم الارث قرار دیا جائے اور جانشین کے انتخاب کا کام فتشیہ کے سپرد کیا گیا۔ چونکہ الیوآس پرھوس کو انتخاب کا موقع ہی نہیں دینا چاہتا تھا اس لیئے اس نے اس نام کا کوئی پرچہ قرعے کے کلسے میں نہیں ڈالا، لیکن الیوآس کے بھائی نے پرھوس کے نام کا پرچہ ڈال دیا اور فتشیہ نے اسی کو نکال کر اسے الیوآس کا وارث قرار دیا۔ یہ امر نہایت درجہ مشتبہ ہے کہ آیا جس مرکزی حکومت کا تذکرہ اس قصے میں مضمر ہے ویسی حکومت کبھی تھسلی میں تھی بھی یا نہیں، اس لیے کہ تاریخی زمانے میں ہم یہاں چند اعیانی حکومتوں سے دوچار ہوتے ہیں جن کے ذی اقتدار طبقے سب کے سب ہم نسل تھے، اور جب کبھی کوئی جنگ یا کوئی اور قومی ضرورت پیش آتی تو اس کی صدارت ایک عہدہ دار مسمی تاگوس کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ ہمیں علم ہے کہ سنہ ۵ ق م تک یہ عہدہ دار صرف خاندان الیوآدائے میں سے منتخب ہوتا تھا اور یہ وہ خاندان تھا جو تھسلی کے اہم ترین شہروں یعنی فارسالوس اور لارسا میں ذی اقتدار تھا۔[1]

---

[1] الیوآس وغیرہ کے لیئے Plut. de am Frat. دیکھو الیوآسیوں پر وسٹرمان کا نہایت بسیط مضمون جو پاؤلی کے مجموعے جلد ۱، ۱ (۲) میں چھپا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ الیوآسیوں نے تمام تھسلی پر کسی زمانے میں حکومت کی تھی، اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ مابعد میں اس خاندان کے بعض افراد کے حوصلے اور آرزوئیں شاید بڑھی ہوئی ہونگی۔

بعض مخصوص حالات کے لیئے ارسطا طالیس: "سیاسیات"، ۲، ۶، ۲؛ ۷، ۱۱، ۲؛ طاسی ویدش ۲، ۱۰۱؛ ۴، ۷۸؛ زینوفون: "ہیلے نیکا"، ۶، ۱۸؛ پولی بوس ۳۰، ۱۸؛ اثنتر الیجہ ۴، ۳۴۰۔

فیتوتس کے رتبے کیلیئے ہیروڈوٹس ۷، ۳، ۱۹۶، ۱۹۸؛ زینوفون: "ہیلے نیکا" ۶، ۱، ۹۔

کثیر التعداد سواروں کیلیئے زینوفون: "ہیلے نیکا"، ۶، ۱، ۷۔

تھسالویوں نے ملک کے بیشتر حصے کو آپس میں تقسیم کر کے ان مفتوح اقوام کو جو ملک میں رہ گئے تھے، غلام بنا لیا۔ انھیں پینستائے کہتے تھے اور اُن کی حیثیت وہی تھی جو لکدمونی ہیلوتوں کی تھی۔ انھوں نے اپنی آزادی کو از سرِنو حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ یہ کوشش سب سے پہلے اُس وقت کی گئی جب تھسالوی فیثیوٹس کے اکائیائیوں مگنیتیس اور پرھے بی سے لڑ رہے تھے، اور آخر کار فریقین میں گفت و شنید کی شکل نکل آئی جس کی رو سے انھیں پینستائے نہیں بنایا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فیثیوٹی، مگنیتیس اور پرھے بی تینوں قبیلے انجمن ہمسائگاں (”امفک تیونی لیگ“) کے رکن تھے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں تھوڑی بہت آزادی ضرور حاصل ہوگی۔ تھسالویوں نے پہاڑی علاقہ ملک کے اصلی باشندوں کے لیے چھوڑ کر زرخیز میدان اپنے لیے مخصوص کر لیا جہاں انھوں نے گھوڑوں کی پرورش اور اُن کی افزائش نسل کے ذریعے سے بہت کچھ مال پیدا کر لیا۔ تھسلی کے اعیان و کبار کی بہادری اور خاطر مدارات ضرب المثل تھیں، اور موقع آنے پر وہ سیکڑوں سواروں کو لیکر خود میدان جنگ میں کود پڑنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ لیکن محاسن کے ساتھ ان میں اسراف کے مثالب بھی موجود تھے اور وہ شراب خواری، قمار بازی اور باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے بھی شہرۂ آفاق تھے۔ غرض یہ کہ اُن کی زندگی یورپ کے ازمنۂ وسطی کے امراء اعیان کی زندگی کے مماثل تھی۔

تھسلی سے وسطی یونان کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے ہمیں پہلے تو دہ نوبیا ملیس کی جمعوں نے تھسالویوں سے مخالفت کر لیا تھا، یعنی کوہ پنیدوس کے جنوبی ڈھال اور اوتھریس کی مغربی سمت میں دولوپی جو تھسلی اور ایپائروس کے درمیان میں حائل تھے؛ اینیانی یا اتیائی جن کا مستقر بھی پایا تھا اور جو دریائے سپرخوس کی وادی میں کوہ اوتھریس اور کوہ ایتا کے درمیانی علاقے میں رہتے تھے؛ اور مالیسی جو دریائے سپرخوس کے دہانے اور ایتا کے مشرقی نشیب پر دہانۂ تھرموپلی سے چاروں طرف

باب ۱۸

آباد تھے - ان میں سے کسی قبیلے کی بہت زیادہ اہمیت نہ تھی اور یہی اُن قوموں کی حالت تھی جنھیں لوکریسی کہتے تھے اور جو کوہ اتیا کے جنوب کی طرف اندرون ملک میں اور خلیج مالس سے آبنائے یوبیہ کے شمالی حصے تک ساحل یونان پر آباد تھے - ان لوکریسیوں کی دو شاخیں تھیں؛ ایک تو وہ جن کا نام تحینمس پہاڑ کی وجہ سے ایپکینمیدی پڑ گیا تھا، اور دوسرے وہ جو شہر اُوپس کی وجہ سے اُوپنتی انی کہلائے جاتے تھے - واضح ہو کہ ان دونوں علاقوں کے درمیان فوکس کی وہ اراضی حائل تھی جس میں بندرگاہ دافنوس واقع تھا، اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملک فوکس ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک یعنی آبنائے یوبیہ سے خلیج کورنتھ تک برابر چلا گیا تھا؛ اس کے جنوبی حصے میں کوہ پارناسوس اور ڈلفی کا ضلع شامل تھا، لیکن موخر الذکر ضلع کی سیاسی تنظیم اس سے جداگانہ تھی، اور خود فوکس بھی ایسی متعدد جمہوریتوں میں منقسم تھا جن کا مرکز فوکیئم، دولس اور پانوپس کے مغرب میں ڈلفی کی سڑک پر واقع تھا - اس قطعے کا بہترین حصہ وادی کیفی سوس تھا جس میں فوکس کے مشہور ترین شہر پھیلے ہوئے تھے؛ اور چونکہ اُن سے چل کر شہر ایلاتیا میں ہو کر وہ سڑک گزرتی تھی جو تھرموپلی کو وسطی یونان سے ملاتی تھی اسلیئے اس شہر کی ایک خاص حیثیت تھی - وادی کیفی سوس کے بالائی حصے میں ملک دورس واقع تھا جو نہ بڑا تھا اور نہ اس قدر زرخیز، بلکہ محض فاتحان پیلوپونیز کا جنم بھوم ہونے کی وجہ سے وہ نہایت باوقعت شمار کیا جاتا تھا - قدیم زمانے میں اس حصۂ ملک پر دریوپیوں کی عملداری تھی، لیکن جب دوریانیوں نے اس پر حملہ کیا تو انھوں نے اُسے خیرباد کہہ کر یوبیہ میں ستیرا اور کاریستوس، جزیرۂ کنیتھوس اور آرگولس میں ہرمیونے اور ازینے پر قبضہ کر لیا - اگر ہم نقشہ اپنے سامنے رکھ کر ان مقامات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ دریوپی خلیج مالس سے چل کر اقلیمی اراضی کو چھوڑتے ہوئے برّاعظم کے بالکل کونوں پر اور جزائر میں جاکر آباد ہو گئے - دورس کے جنوب میں

باب ۱۸

اوزولی لوکریوں کا ملک پڑتا ہے جو شمال کی جانب نہایت تنگ ہے، لیکن جنوب کی طرف ذرا وسیع ہو کر **خلیج کورنتھ** کے کنارے کا ایک اہم حصہ اپنے میں شامل کرتا ہوا **انئو پاکتوس** تک پھیل جاتا ہے۔ اس ضلع میں سب سے ذی حیثیت شہر **امفیسا** تھا جو اندرون ملک میں واقع تھا۔ **اوزولی لوکریوں** سے بجانب غرب **ایتولی** آباد تھے جنکا ملک **اپائیروس** کی سرحد سے لے کر **بحیرۂ ایونیہ** تک برابر چلا گیا تھا۔ یونانی افسانوں میں **ایتولیہ** کے بلدیات **پلیئورون** اور **کالیدون** کا ذکر بھی پڑھنے میں آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ یونان کے آخری عہد تک، جب **ایتولیوں** کو زمانے کے حالات میں ایک نہایت نمایاں کام کرنا پڑا، وہ صدیوں تک کم بیش ایک وحشیانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ **ایتولیہ** کے مشہور و معروف شہر ساحل کے قریب آباد تھے لیکن جو شہر بالآخر ملک کا مستقر بن گیا؛ یعنی **تھرموں** وہ اندرون ملک میں تھا۔ دریائے **آخے لاؤس** کے مغرب میں آخری یونانی ملک یعنی **اکارنانیہ** ملیگا جو تہذیب و تمدن میں **ایتولیہ** کے بالکل دوش بدوش تھا۔

مغرب کا حال بیان کرنے کے بعد مشرقی دیار یونان کا ذکر کرنا باقی ہے؛ اور ان میں سب سے پہلے جس ملک کا تذکرہ مناسب ہے وہ **بیوتیہ** ہے جو **دوریائی** حملے سے پیشتر یونانی تمدن کا ایک عظیم الشان مرکز تھا اور گو اسے مطعون کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ باایں ہمہ اسے یونانی تمدن کا مستقر ہونے کا ہمیشہ فخر حاصل رہا۔

بیوتیہ کے دو حصے ہیں جو دوسرے سے بہت کچھ متغائر ہیں؛ شمالی حصے کا مرکز **توکو پائس** جھیل اور وہ ندیاں جو اسے سیراب کرتی ہیں جنمیں سب سے بڑی ندی **کیفی سوس** ہے۔ اس کے اور پہاڑوں کے مابین ضلع **یوری پوس** اور **جنوبی بیوتیہ** حایل ہیں اور مغرب میں یہ **کوہ ہیلی کون** سے محدود ہے **جنوبی بیوتیہ** کا ڈھلاؤ دونوں سمندروں کی جانب ہے اور اس کی اور **اٹیکا** ئی و **میگارسی** سرحد پر **کوہ کیتھے رون** واقع ہے **شمالی بیوتیہ** کا

باب۹ کوئی اور شہر اور خومینوس کی برابری کی جرأت نہ کر سکتا تھا، اور گو ملک کے دونوں حصوں کی عین حد فاصل پرہی شہر تھبز آباد تھا لیکن چونکہ اس کی ندیاں شمال کی طرف کو بہتی تھیں اس لیئے یہی کہنا مناسب ہے کہ یہ بھی شمالی علاقے کا ہی حصہ تھا۔ درانحالیکہ شمالی بیوتیہ جانے کے لیئے صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی لیوبیہ کی طرف سے آبنائے خالکس ہو کر جاتا ہے۔ جنوبی بیوتیہ کے تعلقات بیرونی دنیا سے بہ نسبت شمالی بیوتیہ کے بہت زیادہ تھے اس لیئے کہ ایک تو اس کے دونوں طرف سمندر رہتا اور دوسرے اٹیکا کا بھی قرب تھا۔ واضح ہو کہ اسمائے "بیوتیہ" اور "یوبیہ" کا ماخذ ایک ہی ہے ؎

بیوتیہ کے فاتح شمال کی طرف سے غالباً وادیٔ کیفی سوس ہی ہو کر آئے ہوں گے، اور اغلب امر یہ ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے شہر خیرونیہ پر قبضہ کیا ہو گا۔ اس کے بعد غالباً اور خومینوس کو اپنے بائیں ہاتھ پر چھوڑتے ہوئے وہ کوپائس جھیل کے جنوب سے مشرق کی طرف چلے گئے ہوں گے، اور کورونیہ کے قریب، جسکے نزدیک ہی تھسالوی اتھینے ایتونیہ کا بت خانہ تھا، تھبز پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا ہو گا۔ بہر حال ہم اس امر سے پورے طور پر واقف ہیں کہ یہاں سے انھوں نے آگے بڑھ کر کوہ کیتھے رون تک تمام ملک پر قبضہ کر لیا۔ افسانوں کے بموجب کسی زمانے میں متحد بیوتی قوم کی حکومیت بادشاہوں کے سپرد تھی؛ اور بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں اوفلتاس تھسلی سے بیوتیہ لے گیا تھا، ساتھ ہی ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ اس اوفلتاس کا بیٹا داماسخ تھون تھبز کے تخت پر بیٹھا۔ ان افسانوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ تھبز دوسری پشت تک فتح نہ ہو سکا تھا؛ اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسی داماسخ تھون کے بیٹے زانتھوس نے اٹیکا پر چڑھائی کی، تو ہم فوراً یہ استدلال کرتے ہیں کہ انھوں نے فتح کی تیسری پشت میں مشرق کی طرف اپنے قدم بڑھائے ہوں گے۔ چونکہ اور خومینوس غالباً کم و بیش آزاد رہا اس لیئے اس کی فتح کا زمانہ ہماری حدود سے باہر ہے

باب ۱۸

جب فاتحوں نے ایک سے زیادہ بلدیات پر قبضہ کر لیا تو ملک کا رہا سہا اتفاق بھی خاک میں مل گیا؛ لیکن تھبز ہمیشہ سیادت و قیادت کا دعویدار رہا؛ بلکہ اُس کا یہ قول بھی تھا کہ دوسرے بیوتی شہروں اور خود پلاٹیہ کی بنیاد بھی اسی کے مستعمرین نے ڈالی تھی[۲] ۔

زمانۂ مابعد میں بیوتیہ کی تنظیم ایک نظام وفاقیہ کی سی تھی جس کی جماعت کارکن میں شہر تھبز کی جانب سے دو اور باقی بلدیات کی طرف سے ایک ایک بیوتارخ نشست کرتے تھے - ان شہروں میں اہم ترین بلدیات جنوب میں تناگرا، پلاٹیہ اور تھسپی اے؛ وسط میں ہیلیارتوس، کوروینیہ، لبادیا اور خیئرونیہ تھے؛ اور شہر اُورخومینوس یا اُرخومینوس علاوہ تھبز کے باقی تمام بلدیات سے افضل سمجھا جاتا تھا - سکّوں کے مطالعے سے ابتدائی بیوتی تاریخ پر نہایت خوش آیند روشنی پڑتی ہے[۳] - اور یہ امر پایۂ یقین کو پہنچ گیا ہے کہ اولین بیوتی سکّے جو غالباً ساتویں صدی ق م کے ہیں، اور خومینوس کے "دو اوبولی" ہیں جو ائی گینیا کے سکّوں کے تقریباً مشابہ ہیں اور بعض سکّے تو اُن کے بالکل ہی ہمشکل ہیں؛ یہاں تک کہ ان پر جو اُورخومینوس کا مخصوص نشان یعنی جو کی بال بنی ہوئی ہے اسے کچھ اس طرح پر کندہ کیا ہے کہ اس کی شکل ائی گینیا کے کچھوے کی سی ہو گئی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت دوسرے بیوتی شہروں کے دیگر ممالک سے

---

[۲] بیوتیہ کی ابتدائی تاریخ کے لیئے ڈنکر، ۵، ۲۲۲، جو مفصلۂ ذیل تواریخ کا اتباع کرتا ہے؛ پیوسانیاس ۹، ۱، ۲؛ پلوٹارک: "کیمون" ۱؛ پاؤلی کا مجموعہ ۱، ۲ (۲۰) -
تھبز کے دعاوی کے لیئے طوسی دیدش ۳، ۶۱، ۶۶ - آرکیڈیا، تھسلی اور اکائیہ کے بادشاہوں کی طرح اکائیہ کے حکمرانوں کا ذکر بھی مشتبہ ہے؛ -

[۳] بارکلے وی، ہیڈ: "بیوتی سکّوں کا سنوی تسلسل" Barolay V. Head: On the Chronologircal Sequence of the coins of Boeotia
لندن ۱۸۸۱ء؛ مجریدہ مسکوکیات، Num. Chronicle سلسلہ ۳، جلد ۱؛

باب ۱۸ اورخومینوس کے تعلقات زیادہ دیرینہ تھے، اور اس کے اور ائی گینا کے باہمی مخالفت کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جس کے مطابق اورخومینوس کو قدیم کالوری لیگ کا ایک رکن بیان کیا جاتا ہے۔ ان اورخومینوسی سکّوں کے ساتھ ساتھ کچھ تھوڑے زمانے کے بعد بیوتی وناقیہ کے سکّے بننے لگے، ان میں سے بعض ہم تک پہنچے ہیں، اور ان پر جو ڈھال بنی ہے اُس سے تو بیوتیہ مراد ہے اور حروف کسی نہ کسی شہر مثلاً تھیبز، ہالیارتوس یا تھناگرا کے ابتدائی حروف ہیں۔

بیوتیہ کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ اس ملک میں اس نظم کو عام مقبولیت کا درجہ حاصل ہوا جس کی بنیاد ایشیائے کوچک میں رکھی گئی تھی! گو اسمیں بھی شک نہیں کہ یہاں آکر اس کے انداز میں ذرا تبدیلی ہوگئی۔ ہسیود ساکن اشکرا بیوتیہ کا ہی رہنے والا تھا اور اُسے جو شہرت حاصل ہوئی جو شاید ہومر کی شہرت سے کچھ ہی کم ہوگی۔ اس کے اشعار پر قدیم وثنیاتی شاعری گویا ختم ہو جاتی ہے اور اس کے زمانے کی زندگی اور ماحول کا ایک مرقع ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اس کا خاندان دراصل کیمے واقع ایشیائے کوچک سے آیا تھا جہاں اس کا باپ صاحب جائداد تھا۔ باپ کے مرنے پر ہسیود اور اُس کا بھائی پرسیس وارث ٹھہرے، لیکن بے انصاف عادتوں کی مدد سے پرسیس نے ہسیود کو نقصان پہنچاکر خود جائداد پر قبضہ کرلیا۔ اس کی موت کا یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُسے لوکریسی بلادیہ منّو پاکتوس میں کسی نے قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا لیکن مچھلیاں اس کی نعش کو کنارے پر لے آئیں۔ متقدمین نے جن اشعار کو ہسیود کی طرف منسوب کیا ہے ان میں سے صرف چند ہی ہم تک پہنچے ہیں، اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جن اشعار کے سرنامے پر اُس کا نام لکھا ہو وہ یقیناً اُسی کے ہوں گے۔ اپنی نظم "اعمال و ایام" میں وہ انسانی زندگی کی بابت اپنی رائے ظاہر کرتا ہے اور دو قصوں یعنی "صندوق پانڈورہ" اور "چہار ازمنۂ عالم" کو بیان کرتے ہوئے (جو قصص قدیمیہ میں مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے ممتاز ہیں) وہ جہاز رانی

اور کشتکاری کے قواعد سے ہمیں مستفید کرتا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اُس نے ان دونوں پیشوں کا باہمی تعلق دکھایا ہے اور یہ فرض کر لیا ہے کہ جو شخص موسم بہار کی ابتدا تک زمین جوتیگا وہ بالالتزام اس کے بعد کے مہینوں میں تجارتی سفر کرکے ضرور بالضرور دولت کمائیگا۔ جس سے زرعی اور خوبینوس اور جزائرائی گینیا و کالوریا کا باہمی تعلق معلوم ہوتا ہے۔ ایک اور نظم جو ہسیود کی طرف منسوب کی جاتی ہے "آفرینش آلہہ" ہے جسمیں پیدائش عالم کے مسائل و رموز حل کرنے اور بڑے بڑے معبودوں کا باہمی تعلق دکھانے کی کوشش کی گئی ہے اور الٰہیات عمومی اور انفرادی استدلال کا گویا ایک مرکب تیار کیا ہے۔ ایک تیسری نظم جو اُسی کی بتائی جاتی ہے وہ "سپر ہرقل" ہے لیکن وہ اس قدر با وقعت نہیں ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اہم یہ امر ہے کہ متقدمین چند اور نظموں کو اس کی جانب منسوب کرتے تھے جن میں سورماؤں کے قصے خصوصاً چند خاص خاص عورتوں اور ایویائے کی فہرست تھی اور ان فہرستوں کی ابتدا میں اُن عورتوں کا نام رکھا گیا تھا جن کے بچے معبودوں سے پیدا ہوکر اپنی زندگی میں مشہور و معروف ہوئے۔ یہی یہ وہ ہے کہ تصیص اور یہ چار ہیلن اور اولاد ہیلن یعنی دوروس، ایولوس اور زوتھوس کے (جیکے بیٹوں کا نام اخائیوس اور ایون تھے) قصوں کی ابتدا تھی جو زمانہ مابعد میں اس قدر زبان زد عام ہوگئے ؛

بعض متقدمین کا خیال تھا کہ ہومر اور ہسیود ہی سے یونانی دیوتاؤں کی ابتدا ہوتی ہے ؛ یہ صرف اس حد تک درست ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کے سامنے سب سے پہلے انفرادی معبودوں کا مرقع پیش کیا اور اس رشتے کو ظاہر کیا جو اُن کے نزدیک اُن معبودوں کا آپس میں اور انسانوں کے ساتھ تھا۔ ہومر نے ان کا باہمی تعلق دکھایا اور یونانیوں کی نظر میں زیوس کی مجسمہ جیسی تصویر تھی جو ہومر نے اپنی قابل یادگار نظموں میں تیار کر دی تھی لیکن جب لوگ انھیں قابل لمس ہستیاں تصور کرنے لگے تو ان کی یہ خواہش ہوئی کہ انکے شجروں اور نسب ناموں سے بھی واقفیت حاصل کریں، اور اس خواہش کو

باب۱۵

ہسیود نے پورا کر کے گویا ہومر کی ایجاد کردہ معبودوں کو ایک حکمتی جامہ پہنا دیا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہومر اور ہسیود نے محض فروعات مذہب مہیا کیے، اور حق یہ ہے کہ یونانی مذہب کی تخلیق کے ذمہ دار شعرا نہیں ہیں بلکہ یہ مذہب دراصل اسی قوم کی جبلت اور خصلت کا ایک جزو تھا جس میں شعرا نے کچھ زیادہ تبدیلی نہیں کی۔ یونانی مذہب میں پہلے ہی سے انسانوں کو الوہی جامہ پہنانے کا مواد موجود تھا اور ہومر اور ہسیود نے یعنی ان تمام شعرا نے جن کی نظمیں اُن دو شاعروں کی طرف منسوب کی جاتی تھیں، صرف یہی کیا کہ اِن کیفیات کو جو پہلے ہی سے قوم کی جبلت و فطرت میں موجود تھیں، ترقی دے کر انھیں چلتی پھرتی ہنستی بولتی شخصیتوں کے سانچے میں ڈھلا دیا۔

باب نوزدہم

یونانیوں کا رشتۂ ارتباط باہمی۔

اِمفک تیونیز، فالگاہیں، کھیل۔

ہسیود پہلا شخص ہے جس نے اپنی قوم کے جملہ افراد کے ہم نسل ہونے کا اعلان کیا۔ اس نے اتحاد نسلی کا یہ نظریہ اپنے دل سے نہیں گھڑا ہوگا بلکہ امر واقعہ یہ ہوگا کہ اس نے عوام الناس کے حسیات اور خیالات کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر نظم کے پیرایے میں بیان کیا ہوگا لیکن ہمیں شبہہ نہیں کہ اس کے بعد عامۃ القوم کا مجموعی نام ہیلے نیس پڑ گیا۔ جن مدارج کو عبور کر کے یہ نام تمام یونانی قوم پر حاوی ہو گیا ان کا محض اندازہ ہی ممکن ہے۔ ہومری تصانیف[۱] میں ہیلاس کو اکی لیس کا وطن بتایا گیا ہے اور ہیلے نیس سے وہ قوم مراد لی گئی ہے جو فتیوتس میں رہتی تھی اور جو اکی لیس کے پیرو تھی۔ اس کے بعد ہم ایک اور قوم یعنی سیلوئی یا ہیلوئی سے دو چار ہوتے ہیں جو دودونا کے چاروں طرف آباد تھی اور جسے ارسطا طالیس کے بیان کے بموجب[۲] پہلے تو گری کوئی کہتے تھے لیکن بعد میں ان کا نام ہیلے نیس پڑ گیا۔ ہم پڑھتے ہیں کہ اکی لیس دودونا کے زیوس کے سامنے دست دعا بلند کرتا ہے؛ لیکن محض اس واقعے سے ہم لسانی اعتبار سے ذرا پیچھے کی طرف ہٹ جاتے ہیں۔ بہر حال ہمیں اس بات کا مطلق

---

[۱] ہومر: الیاڈ، ۱۶، ۵۹۴؛ ۲، ۶۸۳؛
[۲] گری کوئی اور ہیلے نیس: ارسطاطالیس "مابعد الطبیعیات"، ۱، ۳، ۳۹۔

باب ۱۹

علم نہیں کہ اکی ہلیس کی قوم کا نام تمام یونان پر کس طرح حاوی ہوگیا، اور ہمیں یہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ طوسی دیدیش اس قول سے کہ ہیلین اور اس کے بیٹے فیتیوتش میں اس قدر طاقتور ہوگئے کہ ہر قوم نے ان سے تحالف کی خواہش ظاہر کی جس کی وجہ سے دیگر اقوام یونان کا لقب بھی رفتہ رفتہ ہیلے نیس ہی ہوگیا، در اصل اس کی طبع آزمائی اور جدت طرازی ظاہر ہوتی ہے اور اس سے کسی خاص تاریخی واقعے کا ثبوت بہم نہیں پہنچتا[۳۱] ہومری تصانیف میں قدیم یونانیوں کو اکائیائی کے نام سے پکارا گیا ہے، پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان کا نام ہیلے نیس کیسے پڑ گیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ نسب ناموں کو سب سے پہلے ہسیودس نے منتظم کیا تھا، اور یہ بہت سی تبدیلیوں کے بعد مقبول عوام ہوئے تھے۔ ان نسب ناموں میں امفکتیون کو ہیلین کا بھائی بتایا گیا ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یونانی امفکتیونی لیگ (مجلس ہمسایگاں) اور ہیلے نیس کے نام کے مابین نہایت قریبی ارتباط و تعلق تصور کرتے تھے۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ منجملہ ان اقوام کے جو ابتداءً اس انجمن میں شریک تھیں، فیتوتی اکائیائی تو وسط ملک میں رہتے تھے اور جہاں تک ہماری معلومات کی دسترس ہے، انھیں اولین زمانے میں ہیلے نیس کہتے تھے، تو پھر یہ ایک فطری امر ہے کہ چونکہ فیتوتیوں کو ایک خاص قسم کی فوقیت حاصل تھی اس لیئے اس انجمن کے باقی ماندہ اراکین اپنے آپ کو ہیلے نیس کے نام سے مخاطب کرنا پسند کرتے ہوں گے۔ حتیٰ کہ یہ مشترک نام دوریانیوں کے ذریعے سے پیلوپونیز میں شائع ہوا، اور جب یونانیوں نے سرزمین ایشیا پر اپنی نو آبادیاں قائم کیں تو وہاں یہ پہلے سے بہت زیادہ عام ہوگیا، نیز چونکہ ہیلے نیس اور ایشیائیوں کے مابین ایک خاص قسم کا تخالف پایا جاتا تھا اسلیئے اُسے یہاں عام طور پر اختیار کر لیا گیا۔ ہیرو ڈوٹس کے نزدیک یونانیوں کی باہمی عزیز داری یا نسب کا

[۳۱] ہیلے نیس کے نام کے پھیلنے کے لیئے طوسی دیدیش ۱، ۳ ۔

یک جدی ہونا، مشترک مذہب اور زبان، اور ایک ہی طرح کے رسم و رواج اور عادات و اطوار، یہی وہ تمام امور ہیں جو یونانیوں میں مشترکاً پائے جاتے ہیں اور جن کی وجہ سے بالآخر وہ ایک متحد قوم بن گئے۔ اگر ہم ان کے یکجدی ہونے کے مفروضے پر نظر ڈالیں تو ہم اپنے اس خیال کے اظہار کرنے پر مجبور ہوں گے کہ متقدمین کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی وسیلہ نہ تھا کہ تمام یونانی ایک ہی مورث اعلیٰ کی اولاد سے ہیں، لہٰذا اگر وحدت نسلی کے لغوی معنے لیے جائیں تو اُس کی حیثیت محض ایک مفروضے سے زیادہ نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں خود متقدمین بھی صرف ڈوریانیوں، ایونیانیوں، اکائیائیوں اور ایولیائیوں ہی کو یک جدی بتاتے تھے، اور ان چار میں سے دو کے یعنی اکائیائی اور ایولیائی اقوام کے جو حدود بتائے گئے ہیں وہ نہایت درجہ مبہم ہیں۔ متقدمین کے اس خیال کی یہ سب قومیں ہم نسل تھیں، ایک افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں سمجھ میں آتی، لیکن اگر ان میں وہ قومیں بھی شامل کر لی جائیں جن کی مادری زبان صرف ایک ہی تھی تو ایسی حالت میں ضرور یہ نظریہ کچھ کارآمد ہو جائیگا۔ بہر حال ہم یہ فرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ جن قوموں کو ہیلینیس کا لقب دیا جاتا تھا ان کے افراد ایسی بولیاں بولتے تھے جنھیں خود یونانی ایک دوسرے کا ہم رشتہ تصور کرتے تھے۔ ان تمام اسباب کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہیروڈوٹس کے پہلے معیار کا ثبوت، یعنی یہ کہ جملہ یونانی ایک ہی مورث اعلیٰ کی اولاد تھے، ان ماخذوں سے نہیں دیا جا سکتا جن تک ہماری دسترس ہے، بلکہ ممکن ہے کہ خود ہیروڈوٹس اور اُس کے ہمعصروں کے پاس بھی اس نظریے کا کوئی ثبوت نہ ہو، اور وہ صرف اس عام اثر کو ملحوظ رکھنے پر قناعت کرتے ہوں جو کسی قوم کی زبان اور اُس کے رسم و رواج کا اُن کے قوائے ذہنیہ پر پڑتا ہے۔

ہیروڈوٹس نے وحدت نسلی کے علاوہ جو معیار قائم کئے ہیں وہ مشترک مذہب، یکساں رسم و رواج اور عادات و اطوار پر مشتمل ہیں۔ بلاشبہ جہاں تک ان امور کا تعلق ہے ہم ایک حد تک آسانی سے اُن اقوام کی بابت رائے قائم

باب ۹

کر سکتے ہیں جو اپنے آپ کو یونانی سمجھتے تھے؛ لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شمالی سرحدی علاقے ایشیائی یونانیوں اور ہمسایہ بربری قوموں کے عادات و اطوار کے مابین امتیاز کرنا تقریباً ناممکن ہے[۵۶]۔

یونانیوں کے مشترک مذہب پر یہاں دو مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالنی چاہیئے گو مختلف مقامات میں مختلف دیوتاؤں کے صفات میں ضرور کچھ نہ کچھ فرق پیدا ہو جاتا ہوگا، لیکن بلاشبہ جملہ بلاد یونان میں دیوتاؤں کے ایک ہی سلسلے کی پوجا کی جاتی تھی؛ مثلاً ہر یونانی کے نزدیک اولمپوس میں دیوتاؤں کا وہی سلسلہ آباد تھا اور ان امتیازات کا اثر، جن کا ذکر اس سے پیشتر کیا جا چکا ہے (مثلاً ایفی سوس اور ڈیلوس کے ارتمیس کے درمیان فرق) عوام الناس کے قوت مخیلہ پر نہیں پڑتا تھا۔ ایک طرف تو ایتھنز کے کسی باشندے کا اپولو دیوتا کی بابت تقریباً وہی اعتقاد تھا جو کسی باشندۂ اسپارٹا کا تھا۔ دوسری جانب یہ بھی ممکن تھا کہ چند مخصوص بت خانوں کا اثر، جنھیں یونانی خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس مملکت کے حدود کے باہر بھی ہو جن میں وہ قائم تھے، اور اس طرح یہ بت خانے تمام قوم یا کم از کم جزو قوم کے لیئے باعث ارتباط باہمی بن جاتے تھے، یہ دوسرا امر ہے جس کی طرف ہم ناظرین کرام کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کڑی جس سے ہمسایہ یونانی اقوام منسلک ہو گئیں ابتداءً صرف مشترک پوجا پر عموماً اور مخصوص بت خانوں کی خاص خاص قربانیوں پر خصوصاً

[۵۶] ہیروڈوٹس ۸، ۱۴۴ میں اُن ادارات کا ذکر ہے جو یونانیوں میں مشترک تھے طوسی ویدیش (۲، ۸۰) کی رائے ہے کہ ایپائیروسی بربری یعنی غیر یونانی تھے، لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اُن کے بعض حکمرانوں کے نام بالکل یونانی وضع قطع کے ہیں۔ ہیروڈوٹس کی تاریخ کے پڑھنے والے کے دل پر جو اثرات ہوتے ہیں ان میں سے یونانی اور بربری کا امتیاز بھی ہے؛ اس نے ان دونوں کے افعال کی جو تصویر کھینچی ہے، اور غیر یونانیوں کے ادارات اور طرز معاشرت کا جو حال بیان کیا ہے اُس سے ہم اس امر کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ باوجود یونانیوں کے جملہ نقائص کے ان میں اپنی ہمسایہ غیر یونانی اقوام سے کہیں زیادہ انسانیت کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔

مشتمل تھی۔ ان مشترک مذہبی رسوم کی وجہ سے مختلف دیار یونان کے مابین ایک طرح کا سیاسی رشتہ قائم ہوگیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ اس سے اثباتی نتائج مختلف مقامات پر مختلف ہوں گے[۵] اس کلیے کی مثال ان بت خانوں سے دی جاسکتی ہے جہاں یونان کے مختلف حصوں میں مختلف بلدیات کے شہری جمع ہوتے تھے، جیسے بیوتی شہر ہالیارتوس کے قلمرو میں اونخستوس کے مقام پر پوسئیڈون کا مندر، کورونتیہ کے علاقے میں اتھینے اِتونیا کا بتخانہ اور جزیرہ کالوریہ میں پوسئیڈون کی عبادت گاہ۔ ان میں سے موخر الذکر لیگ کا نام امفکٹیونی تھا، اور فی الحقیقت وہ ایک عہدیت تھی جس میں تروئزینے، ہرمیونے، ناؤپلیا، پرازی اے، اپی دوروس، ائی گنیا، ایتھنز اور بیوتی اورخومینوس شامل تھے زمانہ مابعد میں بلاد یونان کے دو بڑے بڑے بلدیات یعنی آرگوس اور اسپارٹا نے ناؤپلیا اور پرازی اے کی جگہ اس کی رکنیت قبول کرلی اسی طرح ایشیائے کوچک کے دوریائی اور ہمسایہ جزائر کے باشندے

---

۵ اونخستوس میں عبادت کا طریقہ، اسٹرابو ۹، ۲، ۳۳ - اتھینے اِتونیا کی پوجا، پوسانیاس ۹، ۳۴، ۱ - جزیرہ کالوریا، اسٹرابو ۸، ۶، ۱۴؛ ۱، کرتیوس (کالوریا کی بحری عہدیت E.Curtius Der See bund von Calauria "ہرمیس" ۱۰، ۷، ۳ وغیرہ) نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پہلے اس کا جو خیال تھا کہ بیوتی اورخومینوس اس عہدیت کا رکن تھا وہ غلط تھا، بلکہ فی الحقیقت آرکیڈی اورخومینوس اس میں شریک تھا۔ لیکن ہم اس سے قبل یہ دکھا چکے ہیں کہ بیوتی اورخومینوس اور ائی گینیا کے سکوں میں بہت کچھ ہم رنگی پائی جاتی ہے اتھینے اِتونیہ کی پوجا، راس تریوپیوم پر، ہیروڈوٹس ۱، ۴۴، ۱؛ راس میکالے پر، ہیروڈوٹس ۱، ۱۴۸؛ اسٹرابو ۱۴، ۳، ۳۳، ۶؛ ڈیلوس میں، طیوسی ویڈیس ۳، ۱۰۴، بلوٹارک Thes. ۲۱، پوسایناس ۸، ۴۸، ۲؛ ازمیس امارنتھیا اسٹرابو ۱۰، ۱، ۱۰؛ ۴۴ - ساميکون، اسٹرابو ۸، ۳، ۱۳ - مقابلہ کرو میولر: انجمن ہمسائگاں Mueller Amphiktioneen مجموعۂ یاؤلی ۱، (۲)،

باب ۹

ترلوپی اپولو کی پوجا کی غرض سے کنیدوس کی راس تریوپیوم پر اور ایشیائے کوچک کے بارہ آیونیائی بلدیات کے باشندے ہیلی کونی پوسیدون کی پرستش کے لیے ضلع پری اینے کی راس میکالے پر، جمع ہوتے۔ جزیرۂ دیلوس میں اپولو دیوتا کی جو پوجا کی جاتی تھی اسے بھی امفکت یونی کا لقب دیا گیا تھا جس کا صدر بلدیۂ ایتھنز تھا اور یہاں سے ہر سال ایک جہاز اپولو کے جشن عموم کی جاترا کی غرض سے دیلوس جایا کرتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ یوبیہ کے شہروں کا بھی ایک مذہبی مرکز ارتمیس اماز نتھیا کی اس زیارت گاہ میں تھا جو ایریتریا میں واقع تھی، اور اسی طرح تری فالیہ کے شہروں کا مرکز سامنیوم کی پہاڑی پر پوسئیدون کی عبادت گاہ میں واقع تھا لیکن یونانی قوم کی سب سے اہم مذہبی جمعیت وہ تھی جسے مخصوص طور پر انجمن ہمسائگاں یا امفکت یونی لیگ کا لقب دیا جاتا تھا[ت] جس کا مرکز پہلے تو انتھیلا والے دیمیتر کا بت خانہ تھا جو درۂ تھرموپلی کے قریب سمندر اور ایتہ کی چٹانوں کے درمیان واقع تھا لیکن کچھ زمانہ گزرنے پر یہ اپولو کے اس مشہور بت خانے کو منتقل ہو گیا جس کے لیے دیلفی مشہور ہے۔ اس لیگ میں بارہ قومیں شریک تھیں، یعنی پالسی، فیتوتی اکائیائی، اسکینیائی یا ایتوتی، دولوپیس، ماگنیتیس، پرہے بی، تھسالوی، لوکرسی، دوریائی، فوکسی، بیوتی اور ایونیائی؛ اس فہرست کو دیکھنے سے

ت امفکت یونی لیگ Schöm ۲ Abschn ۴، ۲۔ اراکین کی فہرست پئوسانیاس ۱۰، ۸، ۲۔ اور الشن خیلوس F.Leg ۱۱۶ سے بنائی جا سکتی ہے۔ اس انجمن کا حلف نامہ الشن خیلوس F.Leg ۱۱۵ میں دیا ہوا ہے جہاں چند الفاظ سے خاص طور پر دیلفی مراد ہے۔ تھرموپلی کی بابت ہیرودوٹس ۷، ۲۲۸، ۲۱۳۔ اسپارٹیوں کی تحریک پلوٹارک، تمسطاکلیس ۲۰ میلوس اور کیمونوس کے مابین تصفیہ لویا سفر آثاریات Lebas: Voy. Arch. جلد ۳ حاشیہ ۱۔ اسپارٹیوں پر جرمانہ، دیودوروس ۱۶، ۲۳، ۲۹ سکی روس کے دولوپیوں پر بحری قزاقی کی وجہ سے جرمانہ، پلوٹارک: ورِ کیمون ۸ -

معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایسی قومیں شامل تھیں جن کے اقتدار میں زمانۂ مابعد میں کمی بیشی پیدا ہو گئی، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس لیگ کی بنیاد اُس وقت ڈالی گئی ہوگی جب دوریانیوں نے جزیرہ نمائے پیلوپونیز کا بیشتر حصہ فتح نہیں کیا تھا، اور یہ کہ در اصل ابتداءً اس اتحاد میں تھسلی اور وسطی یونان کے ہی باشندے شامل ہوں گے اور وہ مملکتیں جو اس میں شریک ہوں گی سب کی سب پیلوپونیز کے شمال ہی میں واقع ہوں گی۔ مجالس لیگ میں جملہ اراکین کا رتبہ بالکل مساویانہ تھا اور ان میں شرکت کی غرض سے ہر مملکت کی طرف سے دو دو قائم مقام روانہ کئے جاتے تھے جنھیں ہیئرومیمونیس (نگران امور مقدسہ) کہتے تھے اور ان کے ساتھ پیلاگورائے بھی ہوتے تھے۔ اس مجلس کے جلسے سال میں دو مرتبہ، یعنی موسم بہار اور موسم خزاں میں انتھیلا اور ڈیلفی میں منعقد ہوتے تھے۔ اس لیگ کا مقصد صرف یہی نہ تھا کہ ان دو مقامات کی قربان گاہوں پر قربانی کی نگرانی رکھے بلکہ اس کے ذریعہ سے چند ایسے قواعد کی بھی حفاظت کی جاتی تھی جو مختلف اراکین کے باہمی تعلقات کا تعین کرنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ اگر وہ یہ اصول مدون کرتے کہ حلیف ریاستوں کے اپنی ہمیشہ امن وامان رہنا چاہیئے تو یہ بالکل ناممکن العمل ہوجاتا لہٰذا اس کی بجائے انھوں نے یہ کوشش کی کہ اگر جنگ چھڑ جائے تو فریقین چند ایسے قواعد کی پابندی کرنے پر مجبور ہوں جن کی بنیاد اصول انسانیت پر رکھی گئی ہو علاوہ ازیں لیگ کے سپرد خاص طور پر حرم ڈیلفی کی حفاظت بھی تھا، اور جب ۵۹۵ ق م، ۳۵۵ ق م، ۳۴۰ ق م اور ۲۸۰ ق م میں کریزائیوں، فوسیوں، امفسائیوں اور ایتولیوں نے علاقۂ ڈیلفی پر حملہ کر دیا اور وہاں کے مجاوروں پر سختیاں کر کے ان سے روپیہ وصول کرنا شروع کیا، تو ان چاروں موقعوں پر مجلس انجمن نے حملہ آوروں کے خلاف لڑائی ٹھان لی اور ان محاربات کو تاریخ یونان کی اصطلاح میں "مقدس جنگوں" کا لقب دیا گیا ہے "مجلس ہمسایگان" کی دیگر قراردادوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے یونانیوں کے مشترک احساسات کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا، لیکن

باب ۱۹ اُن کے اکثر و بیشتر معاملات میں مذہبی رنگ نمایاں ہوتا تھا۔ جب کبھی ڈلیفی میں وطن پرستی کے کسی شاندار مظاہرے کی یادگار قائم کرنے کا مسئلہ پیش ہوتا تھا تو اراکین انجمن حرم ڈلیفی کے محافظوں کے جامے میں نظر آتے تھے، اور دو امور سے معلوم ہوتا ہے یعنی ایک تو تھرموپلی میں عین اُس مقام پر یادگار نصب کرنے سے جہاں شہدا نے اپنی جانیں ملک کے نذر کی تھیں اور دوسرے غدار ایفیالتیس کے اخراج سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ضلع تھرموپلی دمیتر کے اس مندر کے قریب تھا جو انتھیلا میں واقع تھا لہذا اس پر مجلس امفکتیون کا خاص اثر تھا۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ جنگ پلاٹیہ کے بعد اسپارٹیوں نے یہ تحریک پیش کی کہ وہ یونانی ریاستیں جنھوں نے جنگ ایران میں کوئی حصہ نہیں لیا، اس "انجمن ہمسائگان" سے نکال دیجائیں، اور اس تحریک کو ہم اس انجمن کے اندرونی کاروبار کی ایک مثال کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ جب چند کمزور ریاستوں کے مابین کوئی تنازع پیدا ہو جاتا تو مجلس انجمن اُن کی پنچایت کرا دیتی، لیکن اگر فریقین میں سے کوئی طاقتور ہوتا تو وہ جنگ کو ہی ترجیح دیتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اسپارٹا نے دھوکا دیکر کاڈمیہ پر قبضہ کر لیا تو اس پر انجمن والوں نے جرمانہ کر دیا، اور اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانیوں میں بین قومی قانون تو ضرور تھا لیکن اس کا نفاذ صرف چیدہ چیدہ موقعوں پر ہی ممکن تھا۔ اس کے برعکس یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو کو مال غنیمت پر قبضہ رکھنے کا اختیار دے دیا جائے تو پھر رقمی جرمانہ بالکل بے سود ہوگا۔ امفکتیونی لیگ کے اقتدار کی بعینہٖ وہی کیفیت تھی جو اور دوسری وفاقی جمعیتوں کی ہوتی ہے جن کے اقتدار معین نہیں ہوتے؛ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک معمولی مسائل پیش آتے رہتے ہیں اُس وقت تک یہ اختیارات کم ہوتے ہیں، لیکن غیر معمولی موقعوں پر حوصلہ مند اور طاقتور اراکین اُن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان میں اضافہ کر لیتے ہیں:۔

یونان کے اتحاد کو ایک اور طرح بھی یعنی فالگاہوں کے ذریعے سے تقویت پہنچتی تھی جن میں سب سے مقتدر وہ فال گاہ تھی جو ڈلیفی میں واقع تھی

باب ۱۹

اور جو انجمن ہمسایگان کی نگرانی میں تھی[۵۷] مذہب کا جو اثر اس طرح یونانیوں کی اجتماعی زندگی پر پڑا وہ اصل میں ہومر کے بعد شروع ہوا اور دوریانی حملوں اور جنگ ہائے ایران کے درمیانی زمانے میں انتہائے عروج کو پہنچا۔ اس اثر کا اصلی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں ان بڑے بڑے جرائم کی بابت جو انسان سے سرزد ہوتے رہتے ہیں چند اہم نظریئے قائم ہوئے جن کا اثر ان فالگاہوں پر پڑا۔ ابتدا میں ارتکاب قتل ایک ایسا جرم تصور کیا جاتا تھا جس کا تعلق محض خاندان مقتول سے ہو اور اُس کی بابت جملہ کارروائی اُسی کے سپرد ہوتی تھی۔ یہ خیال کہ مذہب کے ذریعے سے قاتل پاداش جرم کو پہنچ سکتا تھا اسوقت تک

---

[۵۷] ڈیلفی کی فالگاہ کے لیئے دیکھو پریلر Preller کا مضمون پاؤلی کے مجموعے جلد ۲ میں جس کا واحد نقص یہ ہے کہ وہ اسے ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتا ہے گیوٹلنگ: "مقالۂ تاریخی" Geottling: Ges. Abh جلد ۲؛ شیومان Schoemaun جلد ۲ ص ۲۰۲، ۳ و ۱۱۵ ڈیلفی کے جغرافی حالات، برسیان: "تاریخ یونان" Bursian: G. von Gr. جلد ۱، ۱۷۰ وغیرہ؛ بیڈیکر۔ ہومر نے فیثوی اپولو کے لیئے جو حمد لکھی ہے اس میں ڈیلفی کے نام کی بجائے محض کریسا کے نام پر اکتفا کیا ہے۔ اس فالگاہ کے ابتدائی قابضوں کے لیے ائس خیلوس: یومنیس (ابتدا)۔ ابتدائی زمانے میں فالیں صرف ماہ بیوزیوس یا فیثیوس میں کھولی جاتی تھیں Plut. Qu.Gr ، ۹۔ اسپارٹا میں فیثوی پجاری ہیروڈوٹس ۶، ۵۷۔ افرد جیسر میں ڈیلفی کا اعزاز، میڈاس، ہیروڈوٹس ۱، ۱۴؛ لدیہ میں گی گیس کے عہد میں، ہیروڈوٹس ۱، ۱۳، ۱۴؛ الیاٹیس ۱، ۱۹؛ کریسوس کا مکمل قصہ بھی یہیں دیا ہوا ہے۔ ڈیلفی کی فالوں کے لیے گیوٹلنگ: "مقالۂ تاریخی" ۲ $\frac{۲۲۱}{۲۵۳}$۔ حال میں ڈیلفی میں جو مقامی انکشافات ہوئے ہیں اُن کی ابتدا اُکرتیوس نے کی اور فرانسیسی ماہرین خصوصًا ویشر Wescher اور فوکارٹ Foucart کے عہد تک برابر جاری رہی۔ ان سے اُس کے بعد کے عہد کی تاریخ کی بابت بہت کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں اور یونانی زندگی پر فی الجملہ بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ زمانۂ موجودہ میں فرانس کی طرف سے ڈیلفی کی کھدائی کا بہت کچھ کام ہوا ہے۔

باب ۱۹ کسی کے دماغ میں نہ آیا تھا۔ دورِ یانی حملے کے زمانے میں یہ خیال عام ہو گیا کہ قتل سے اُس کے مرتکب اور اُس کے اقارب کے ہاتھوں پر گویا کلنگ کا ٹیکا لگ جاتا ہے جو چند مخصوص رسوم کے بغیر نہیں چھوٹ سکتا؛ اور چونکہ اپولو دیوتا مجرموں اور قوائے الٰہیت زیوس یا "الاٰلٰہ" کے بیچ میں پڑکر فریقین میں مفاہمت کرانے کا مجاز سمجھا جاتا تھا اس لیے یہ رسوم اسی دیوتا کے پجاری خاص خاص مقامات پر ادا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اپولو خدائے برتر اور انسان کے درمیان ثالث یا شفیع سمجھا جانے لگا لیکن عملاً اُس کی شفاعت محض اس کام آتی تھی کہ وہ مختلف درخواست گزاروں کو اُن کے مفید مطلب اطلاعیں دیتا اور انھیں وہ طریقے بتاتا جن کے ذریعے سے وہ اپنے دلی مقاصد پورے کر سکیں۔ اس کا اہم ترین مستقر دیلفی میں تھا اور یہاں اُس کا اور خدائے عزّوجل کا تعلق نہایت اہتمام بالشان طور سے دکھایا جاتا تھا؛

فیثو کا مقدس حرم کوہ پارناسوس کے جنوبی دامن میں ایک نالے کے

---

۵ اپولو کے مذہب کا اس حد تک ایک خارجی پہلو تھا کہ وہ عام طور پر محض چند مخصوص رسموں کا خواہاں رہتا تھا۔ وہ اشخاص جن کے احساسات میں عمق اور گہرائی تھی انھوں نے یہ محسوس کر لیا کہ اگر انسان اپنے گناہوں کے تلوث سے آزاد ہونا چاہے تو اُسے چند خیالات اور عقائد کو اختیار کرنا پڑے گا؛ اور یہی "اسرار یونانی" کی ابتدا تھی۔

اپولو کی پوجا کا مرکز دیلوس بھی تھا جس کو اس کا فخر حاصل تھا کہ ایک طرف تو اس کا سلسلہ سے اور دوسری جانب ہیپر بوریا نیوں سے (جو شمال کی طرف ایک نہایت متقی اور پرہیزگار قوم تھی) تعلق ہے۔ مقابلہ کیا جائے ہیروڈوٹس ۴، ۳۴/۳۶؛ اس سلسلے میں اباریس اور ارسطیاس اپولو کے ترجمان کے جامہ میں ہمارے سامنے آتے ہیں (اری ماسپی، پروکونےسوس، میتاپونتوم)۔ اتھنز اور دیلوس کے مابین دیرینہ رسل و رسائل کا سلسلہ تھا۔
میری رائے میں ہیپر بوریانیوں، کارِسٹوس، تینوس، دیلوس کے راستے سے آئیں
لُطفہ، اریٹریا اور اتھنز کے باہمی خوشگوار تعلقات کا پتا چلتا ہے؛

کنارے پر واقع تھا جس کے منبع کے قریب سے مشہور چشمہ کاستالیا نہایت زور وشور سے نکلتا تھا۔ اس پہاڑ کی مغربی چٹان کے دامن پر اپولو کا بت خانہ تھا جس میں اومفالوس نامی نیم بیضوی شکل کا پتھر عین اُس مقام پر رکھا تھا جسے ناف دنیا کہتے تھے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں زیوس کے فرستادہ دو عقاب ایک مشرق سے اور ایک مغرب سے آکر مل گئے تھے ؛ اور ان عقابوں کے دو طلائی مجسمے اس پتھر کی دونوں جانب بنے ہوئے تھے۔ ادیتوم یا حرم خاص میں زمین کے اندر ایک شگاف تھا جس پر ایک تپائی استادہ تھی، اور اسی تپائی پر فتیہ یا اپولو کی پجارن اپنے فیصلے صادر کرتے وقت بیٹھتی تھی۔ ان فیصلوں کو ایک پجاری اس کے برابر کھڑا ہوا لکھتا جاتا تھا اور انھیں بعد میں اشعار کی شکل میں منظوم کیا جاتا تھا؛ اس پجاری کو پروفیتیس یا "ترجمان" کہتے تھے۔ اس فالگاہ کا تعلق پہلے تو گے دیبی سے تھا، لیکن پھر تھیمس سے ہوا اور بالآخر اپولو سے ہو گیا جس نے فیتو اژدہے کو اسی مقام پر مارا تھا؛ یہاں کے قریب ہی کے ساحل پر وہ ایک جہاز کو لایا تھا جسے کریٹی کھے رہے تھے، اور یہ وہی کریٹی تھے جنکے سپرد وہ اس عبادت گاہ کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ ابتدا میں تو فتیہ اپنے فیصلے صرف ایک مخصوص مہینے میں صادر کرتی تھی لیکن پھر اس کے لئے کوئی دن یا مہینہ مخصوص نہیں رہا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس فال گاہ پر لوگ صرف اپنے خانگی معاملات ہی لے کر نہ جاتے تھے بلکہ یہ مرجع خلائق بھی تھا جہاں مختلف مملکتیں قائم مقام بھیج کر اپنے مذہبی اور سیاسی معاملات کی بابت استفسار کرتی تھیں تمثیلاً اگر قانون سازی کی ضرورت پڑتی یا نو آبادی کے قیام کا مسئلہ پیش آتا تو یہ ازبس ضروری سمجھا جاتا کہ مجوزہ قانون یا اس مقام کی بابت جہاں نو آبادی قائم کرنے کا خیال ہے، دیوتا کا استمزاج کر لیا جائے؛

بلاشبہہ فال گو کا جواب اس قسم کا ہوتا تھا کہ اُس کی تاویل میں سائل کی عقل فہم و فراست درکار ہوتی تھی؛ اگر بالفرض ایسی کارروائیوں میں، جنکے کرنے کی

باب ۱۹ ہدایت کی جاتی، ناکامی ہوتی تو اُس کو جواب کی غلط تاویل پر محمول کیا جاتا تھا۔ بااینہمہ بت خانے کے مجاوروں کو معاملات یونان کا وسیع علم بھی درکار تھا تاکہ محض معنی کے فقدان کی وجہ سے جوابات لغو نہ سمجھے جائیں۔ ڈیلفی کے پجاریوں کے لیئے یہ بہت ضروری تھا کہ انھیں مختلف یونانی مملکتوں کے سیاسی حالات و واقعات سے بخوبی واقفیت حاصل ہو، اور چونکہ ڈیلفی میں مختلف بلاد یونان کے باشندے، خواہ بحیثیت قائم مقام کے خواہ اپنے خانگی معاملات لے کر آموجود ہوتے تھے، اس لیئے انھیں دیگر حصہ جات ملک کے حالات سے نسبتہً آسانی کے ساتھ معلومات حاصل کرنے کے وسیلے موجود تھے؛ نیز چونکہ بت خانوں کے چڑھاووں سے اُن کے خورد و نوش کا انتظام بھی ہو جاتا تھا اس لیئے انھیں مفصلۂ بالا امور پر غور کرنے کے لیئے کافی وقت ملتا تھا۔ یہ خیال نہایت عام ہے کہ بعض مسائل، مثلاً آبادکاری، کے ضمن میں انھوں نے تفصیلات پر پورا عبور حاصل کر لیا تھا یہاں تک کہ وہ جغرافی معلومات پر حاوی ہو کر نوآبادیوں کے لیئے خاص خاص موقعوں کا انتخاب بھی کرنے لگے، اور فی الحقیقت یہ مجاور ہی تھے جنھوں نے نوآبادیاں قائم کرنے میں مختلف بلاد یونان کی رہبری کی۔ ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ خیال محض غلط فہمی پر مبنی ہے اور اس میں بہت کم شبہہ کی گنجائش ہے کہ نوآبادیوں کے موقعوں کا تعین مادر بلد یا تارکان وطن کے مفاد کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا ہوگا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ پجارن نے مقام کا بھی تعین کر دیا؛ مثلاً اگر اُس نے اسپارٹا کو اپنے آبادکار مقام تارنتوم کی طرف یا کورنتھ کو مقام اورٹی گیا کی طرف روانہ کرنے کی ہدایت کی تو اس واقعے کی سب سے آسان تاویل یہ کی جاسکتی ہے کہ اسپارٹی اور کورنتھی پہلے ہی سے اس نتیجے پر پہنچ گئے ہوں گے کہ اُن مقامات پر بہ آسانی نوآبادیاں قائم ہو سکتی ہیں؛ اور انھوں نے فال گو سے محض یہ التجا کی ہوگی کہ وہ عوام کو اپنی اجازت سے مطلع کر دے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سائل اور مسئول دونوں کے لیئے یہی امر مفید مطلب تھا کہ حق اولیت دیوتا ہی کو حاصل ہو، اور یہی اصول مذہب کی

ماہیت کے عین مطابق ہے ۵۹

۵۹ فال گاہ ڈیلفی کا جو اثر یونانی آبادکاری پر تھا اُس کے لیئے اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم ہرمان Hermann کی اس رائے کی طرف رجوع ہوں جو اُس نے "مملکت قدیمہ" St.A ، ۵ ، ۵ ، ۷ میں ظاہر کی ہے جس کے مطابق آبادکار جماعتوں کو مختلف نوآبادیوں کی طرف رسمی حشم وخدم کے ساتھ بھیجا جاتا تھا جس میں ڈیلفی کا تصفیہ بھی شامل ہوتا تھا۔ آجکل عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فال گوئے ڈیلفی نہ صرف ذہنی اور مذہبی رہنمائی کرتا تھا بلکہ یونانی آبادکاروں کی رہبری بھی اُسی کے ذمے تھی۔ فال گو کے انفرادی فیصلوں کے علاوہ، جن میں نوآبادیوں کے مقامات کا تعین بھی ہوتا تھا، صرف ایک فقرہ ایسا ہے جس سے اس نظریئے کی تائید ہوتی ہے اور وہ سیسیرو Divin ۱، ۱، ۳ میں ہے سیسیرو دریافت کرتا ہے کہ "آخر یونان اپنی نوآبادیاں کس طرح ایولیہ، ایونیہ، ایشیا، سسلی اور اٹلی بغیر ڈیلفی یا دودونا یا امون کی اجازت کے بھیجی جاسکتی ہیں؟ اور وہ کونسی جنگ ہے جو یونانیوں نے بغیر دیوتاؤں کے استمزاج کے لڑی ہے؟" یہاں سیسیرو کے دوسرے سوال سے، جو جنگ کے متعلق ہے، پہلے سوال پر روشنی پڑتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے کوئی یونانی ریاست اس وقت تک میدان جنگ میں نہیں کودتی تھی جب تک وہ خود اپنے نفع ونقصان کا پورے طور پر اندازہ نہ کرے اسی طرح تاوقتیکہ موقع آبادکاری پر پورے طور سے غور نہ کرلیا جاتا تھا اُس وقت تک آبادکار اس مقام پر نہ جاتے تھے؛ اور بجنسہٖ جس طرح یونانی اور رومانی دونوں جنگ آزمائی سے پہلے دیوتاؤں سے نیک شگون لیا کرتے تھے اُسی طرح آبادکاری سے پہلے بھی وہ اسی قسم کے فالوں کے خواستگار ہوتے تھے۔ ہیروڈوٹس ۴، ۱۵۹ میں ایولو کی پجارن جملہ یونانیوں کو سرنہ جانے کی رائے دیتی ہے اُس زمانے میں لوگ بالکل اسی طرح فال گاہ جاکر رائے لیا کرتے تھے جیسے آجکل وہ مختلف معاملات کی بابت اخباروں میں سلسلہ جنبانی کرتے ہیں؛ مثلاً ہیروڈوٹس ۴، ۱۵۹ میں فال گو کی وہی کیفیت ہے جو زمانۂ حال کے مبالغہ آمیز لفاظوں کی ہوتی ہے، اور لوگوں کو گویا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر جلد درخواست نہ دوگے تو آخر میں مایوسی کا منھ دیکھنا پڑے گا! ظوسی ویدیش ۱، ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ نوآبادیوں کی کیفیت مشترک سرمایے والی شرکتوں کی ایسی تھی، اور کہا جاتا ہے کہ جب سرقوسہ آباد کیا گیا تو

باب ۱۹ خانگی معاملات کی بابت بھی مختلف فالگاہوں اور خصوصاً دیلفی کی فال گاہ کا

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ اس شرکت کا فی حصہ ایک ایک بیٹھی ٹکیہ کے معاوضے میں فروخت کیا گیا) علاوہ ازیں سیسیرو کے الفاظ سے وہ اہمیت ظاہر نہیں ہوتی جو دیلفی کو بعض مرتبہ دی جاتی ہے اس لیئے کہ اس میں دیلفی، دودونا اور لیبیہ کا نخلستان بالکل ہم پلہ بتایا گیا ہے، اور اگر دودونا اور آمون کا ماحصل وہی تھا جو دیلفی کا، تو پھر ظاہر ہے کہ اس کی کیفیت محض خانہ پری سے زائد نہ رہے گی نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آبادکاری کے مقامات کی بابت جو کچھ سیسیرو کے الفاظ سے ثابت نہیں ہوتا وہ فال گو کے انفرادی فیصلوں (مثلاً دیو دورس ۸) سے بھی ثابت ہونا ناممکن ہے، اس لیئے کہ یہ امر نہایت درجہ مشتبہ ہے کہ جن واقعات کا ان فیصلوں سے پتا لگتا ہے وہ اصلی ہیں یا ان کا بعد میں اختراع کیا گیا ہے۔ یہ امر قرین قیاس نہیں کہ فال گو کے جوابات بہ نسبت دیگر امور کے نوآبادیوں کے متعلق زیادہ صاف اور صریح ہوتے تھے۔ اگر بالفرض تارنتوم کے متعلق جو تفاول کیا گیا اس کے حالات صحیح بھی ہوں، بایں ہمہ ہمیں اس کی بابت منفصلۂ ذیل امور پر غور کرنا پڑیگا:۔ آٹھویں صدی ق م کے یونانی اطالوی ساحل سے اتنے ہی واقف ہوں گے جتنے ہم مغربی آفریقیہ کے ساحل سے واقف ہیں۔ جب فنثیہ نے یہ الفاظ اپنی زبان سے نکالے کہ "دو کرو تون یا تارنتوم میں جاکر آباد ہو یا ان پر اپنا علم آویزاں کر دو" تو ان مقامات کا تعین نہایت دشوار تھا۔ فالوں اور پیشگوئیوں میں جو التباس لفظی ہوتا ہے اس کی حقیقت ظاہر کرنا ہمارا مقصود نہیں؛ جس مقام پر پیشگوئی پوری اترتی ہے وہی ہوتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، اور اگر کوئی نقص رہ جاتا ہے تو اس کی فوراً یہ تاویل کی جاتی ہے کہ فال گو کے الفاظ کی صحیح تعبیر نہیں کی گئی۔ لیکن اگر کوئی نوآبادی ایسی فال کے ذریعے سے عمل میں آتی اور فال گو کے الفاظ صریح ہوتے تو اس کی کیفیت بالکل متغائر ہوتی اس لئے کہ محض اس فال کے ذریعے سے یہ مہم دائرۂ جواز میں آئی ہوگی بجنسہٖ اسیطرح پوپ سکندر ششم کے حکم کی وجہ ہسپانوی اور پرتگیزی نوآبادیوں کو بہت تقویت پہونچی سکندر ششم کے فیصلے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اسکے دربار میں جغرافیہ داں علما و فضلا کا جمگھٹ رہتا ہوگا، بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے کی آبادکار اقوام کسی نہ کسی مذہبی اجازت کے خواہاں ہوتی تھیں اور تمام اسی کی کیفیت یونان قدیم میں بھی سمجھ لینی چاہیئے:

باب ۱۹

استمزاج کیا جاتا تھا؛ مثلاً لیکرگوس نے جب اسپارٹا کے لیئے قوانین بنائے تو انھیں منظوری کے لیئے ڈیلفی میں پیش کیا؛ اسی طرح فتنیہ نے سولن کو حکم دیا کہ ایتھنز کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے، اور اُسی کے حکم سے زالیوکوس نے لوکری اپی زیفیری کے لیئے قوانین تیار کیئے۔ لیکن اس سے کوئی یہ نتیجہ نہیں نکالیگا کہ نفس قوانین ہذا کی ابتدا ڈیلفی کے مجاوروں نے کی ہوگی، بلکہ یہ بھی بعید از قیاس ہے کہ انھیں یہ علم ہوگا کہ ایتھنز اور لوکری میں کسی نئے قانون کی فی الواقع ضرورت بھی ہے یا نہیں، یا یہ کہ قانون سازی کے لیئے سولن اور زالیوکوس سے بہتر مقنن نہیں مل سکتے۔ ڈیلفی کی فالگاہ امور عامہ کے لیئے اعلیٰ ترین عدالت مرافعہ تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرط بھی سمجھنی چاہیئے کہ اول تو معاملۂ زیر بحث صرف اُسی وقت پیش ہو سکتا تھا جب یہاں کے مجاور اس کا پیش کرنا مناسب تصور کرتے تھے، اور درخواست گزار کے لیئے یہ لازمی نہ تھا کہ وہ فال کے بموجب عمل کرے۔ بہر حال اس کی نوعیت ایک عدالت کی مانند تھی اور اُسے قانون سازی کے اختیارات مطلقاً حاصل نہ تھے، گو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ بعض مرتبہ وہ ایسے امور میں بھی رائے زنی کرتا تھا جو امر زیر بحث سے غیر متعلق ہوتے تھے[۱]۔ مثلاً اسپارٹا

---

[۱] فتنیہ کا فرض تھا کہ اہم امور کی (جن میں خانگی معاملات بھی شامل تھے) مذہب کی طرف سے اجازت دے۔ گو یہ اجازت ان الفاظ میں دی جاتی تھی کہ "فال گوئے ڈیلفی نے ایسا حکم دیا ہے"، لیکن اگر ہم اس فقرے کے لغوی معنے لیں تو یقیناً ہم نہایت فاش غلطی کے مرتکب ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پریلر Preller نے اپنے اس مضمون میں جس کا اوپر اقتباس دیا گیا ہے، اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ کلس تھنیس کے قبیلوں کے نام ڈیلفی کے حکم کے مطابق رکھے گئے تھے (پیُوسانیاس ۱۰، ۱۰) کہتا ہے کہ ان کی توثیق زبانی الفاظ کے ذریعے سے کی جاتی تھی) درانحالیکہ یہ امر بالکل صریح ہے کہ کلس تھنیس کی حکمت عملی کا اختراع جس میں اس کی غیر اہم تدابیر بھی شامل ہیں، اُس نے اور اُس کے ایتھنزی دوستوں نے ہی کیا ہوگا؛ اس واقعے کو متقی اور پرہیزگار ہیروڈوٹس نے بھی تسلیم کر لیا ہے (۵، ۶۶) کہ واضح ہو کہ ہر ایک معاملے میں ڈیلفی کے اجازت نامے کی نوعیت بالکل حکم نامے کی سی ہوتی تھی ÷۔

اور فال گاہ ڈیلفی کے تعلقات نہایت دیرینہ تھے لہذا باہمی تنازعات کو دور کرنے کی غرض سے اسپارٹا میں ایک خاص عدالت قائم تھی جس میں دو عہدہ دار نشست کرتے تھے جنھیں "فیثویاں" کہتے تھے علاوہ ازیں یونانیوں اور غیر یونانیوں دونوں میں ڈیلفی کی شہرت تھی مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ میداس اور گی گیس کے بعید زمانے میں اور ان کے بعد مرمنادی خاندان شاہی کے عہد میں افروجی اور لِدوی دونوں قومیں اپنی استدعائیں پیش کرتی ہیں؛ نیز عہد خاندان ٹارکوئین میں رومانی بھی اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ الغرض ان تمام باتوں سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ابتدائی زمانے سے ہی یونانی تہذیب و تمدن کا بیرونی اقوام پر معتد بہ اثر پڑ رہا تھا اور ہر جگہ فال گاہ ڈیلفی کو یونانی مذہبی خیالات کا ایک وقیع اور مستند قایم مقام سمجھا جاتا تھا۔[1] ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب کبھی اس کے فیصلے اخلاقی پہلو لیے ہوتے تھے تو ان کا اثر اعتدال کی طرف مائل ہوتا تھا، اور یہ صفت یونانی ذہنیات کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے کہ اس میں انتہاپسندی کا غلبہ کبھی نہیں رہا۔ ڈیلفی نے یونانی مذہب کی جو نگرانی کی اُس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کی وجہ سے یہاں کے مسلمہ قومی دیوتا غیر ملکی معبودوں کے حملے سے بچ گئے؛ اور اس کی خاص توجہ سے توحید باری تعالیٰ کا اعلےٰ و ارفع تخیل محض ارباب پرستی کی بدولت تیرہ و تاریک نہیں ہو سکا؛ یعنی بجائے اس کے کہ یونانی اپولو کو خودمختار معبود تصور کریں وہ اسے زیوس کا نفس ناطقہ اور اس کی مرضی کا ترجمان حقیقی ماننے پر اکتفا کرتے تھے۔ جب موقع ملا تو ڈیلفی والوں نے بعض اخلاقی مسائل کے شیوع میں خاص حصہ لیا، مثلاً قتل کے کفارے کا طریقہ اور بدلا لینے کی ممانعت دونوں تعزیری مسائل کا

[1] درانحالیکہ ڈیلفی میں یونانی اور غیر یونانی دونوں اپنی اپنی اغراض لے کر آتے تھے، اولمپیا میں کوئی غیر یونانی گھسنے بھی نہ پاتا تھا۔ اسی وجہ سے جس معنی کر کے اولمپیا یونانیوں کے لیے باعث اتحاد و اتفاق تھا، ڈیلفی نہ تھا۔ لہذا جس وقت ہم ڈیلفی کی فال گاہ کی تنقید کے لیے بیٹھیں تو یہ امر نظرانداز نہ کرنا چاہیے۔

نفاذ اسی کے احکام کے ذریعے سے ہوا تھا۔ اس کے صدر دروازے پر چند چھوٹے چھوٹے فقرے کندہ تھے جن کا اثر یونانیوں کی اجتماعی زندگی پر پڑتا تھا۔ انہیں سے ایک فقرہ "خود کو پہچانو" اور دوسرا "حد سے تجاوز نہ کرنا" تھا جنہیں۔ انہیں سے بعض فقرے تو یونان کے سات عقلا کی طرف اور بعض محض نچلے لوگوں کی طرف منسوب کیئے جاتے تھے۔ جن حقیقی خصوصیات قوم کا ان کہاوتوں سے اظہار ہوتا تھا ان میں سے شاید سب سے ممتاز وہ تھی جس میں حد سے تجاوز نہ کرنے کی ہدایت تھی اس لیے کہ ڈیلفی کی فالوں کا عام رجحان ہمیشہ اعتدال پسندی کی طرف رہتا تھا اور یہ اثر ان کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبے پر پڑ گیا۔ آخر میں ہمیں یہ بھی کہنا ہے کہ ڈیلفی نے آٹھویں، ساتویں اور چھٹی صدی ق م تک تمدن میں معتدبہ اضافہ کیا[۱۲]۔ ان اسباب کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈیلفی کے اثر کا میلان اعتدال کی جانب تھا، یعنی جو امور اخلاقاً برے ہوتے یا جن میں تعصبانہ انداز پایا جاتا ان کی ممانعت کی جاتی تھی۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ اس فال گاہ کے ذریعے سے قوم کے دماغوں میں ترقی پذیر خیالات پیدا ہوتے تھے یا اس کے ذریعے سے نئے راستوں کا انکشاف ہوتا تھا بعض مصنفوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ تاریخ یونان کے بعض خاص خاص عہدوں میں ڈیلفی تقریباً تمام بڑے بڑے اور اہم ترین امور میں رہبری کرتا تھا، یعنی اسی کے ذریعے سے یونانیوں کو انکی جنتری، فن راہ سازی اور دوریانی طرز تعمیر سکھایا گیا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہیں سے

۱۲ه گروتیوس ("تاریخ یونان" ا (۴) ۴۷۲) کہتا ہے کہ چونکہ وہ اپولو کے دربار میں ایک عورت کے ذریعے سے کل کام انجام کو پہنچتا تھا اس وجہ سے طبقۂ اناث کی وقعت اور عزت میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔" ہمارا خیال ہے کہ اگر اپولو کے اس اثر کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تاہم پینے لوپے، انڈروماخے، اور نوزی کا آ کی جو وقعت ہے وہ دوریانی ترک وطن کے بعد کی بیشتر عورتوں سے زیادہ ہے، چنانچہ دوریانی ترک وطن کے زمانے میں اپولو کا اثر اپنے معراج کمال کو پہنچ چکا تھا۔ کم از کم کاساندرا کی حکایت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ افسانے سے ان واقعات کا ثبوت نہیں ملتا جن کا گروتیوس کے مفصلۂ بالا الفاظ سے پتا چلتا ہے۔

باب ۱۹ وہ مسائل نکلے تھے جو فیثاغورس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ اغلب امر یہ ہے کہ ڈیلفی کے پجاریوں نے اپنا اثر ان امور میں سے بعض پر ضرور ڈالا ہوگا مثلاً اُنھوں نے یقیناً اپنی توجہ بعض یونانی ریاستوں کے طرز تقویم کی طرف مبذول کی ہوگی اور خود ان کا مفاد اس امر کا مقتضی تھا کہ اُن کے بت کدے کے قرب و جوار کی سڑکیں عمدہ حالت میں رکھی جائیں۔ لیکن اس اثر کی نوعیت کلیتہً مقامی تھی، اور اس کا نہ تو اس وقت تک کوئی ثبوت دیا گیا اور نہ یہ ظن غالب ہی ہے کہ انھوں نے دوریانی طرز تعمیر پر کوئی قطعی اثر ڈالا ہو بلکہ نہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ انھوں نے یونانی طرز تعمیر میں کوئی خاص دلچسپی لی ہو؛ اس کے برعکس ڈیلفی کے بت خانے کی ضروریات اس درجہ لاثانی اور عجیب و غریب تھیں کہ ان کی وجہ سے وہاں کے پجاریوں کو معمولی مندروں کی طرز تعمیر یا ان کی صحیح اور متناسب ترتیب میں کوئی دلچسپی پیدا نہ ہوتی ہوگی۔ اس ضمن میں آخری بات یہ کہنی ہے کہ متقدمین کے خیال کے بموجب فیثاغورس خدائے ڈیلفی کا پیامبر تھا (معاذ اللہ) جس پر اس معبود کے الہام ہوا کرتے تھے، مگر غالباً یہ فیثاغورس کے نام کی ایک محض خیالی تعبیر تھی اور اس کی تائید میں ہم کسی اور واقعے سے واقف نہیں ہیں۔

اب ڈیلفی کے پجاریوں کے اُس حیطۂ اختیار کو لیجیے جس کے تحت اُن کی طرف عظیم الشان اور بڑا آفرین تخیلات کی تخلیق منسوب کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں دو واقعات کی توجیہ نہایت دشوار ہے۔ ڈیلفی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، اور اُس کے پجاریوں کا انتخاب بعض مخصوص جماعتوں یا انجمنوں کی طرح جملہ مقامات اور جملہ اقوام کے افراد سے نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس میں جو کچھ بھی قابلیت یا اہلیت تھی وہ سب موروثی تھی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس جماعت کو اس قدر عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی ہو۔ دوسرے یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے کہ ان میں سے ایک شخص بھی اپنا ذاتی اقتدار اور شہرت کو بڑھانے کی طرف مائل نہیں ہوا بلکہ اُس کے برعکس ہر ایک کے منھ سے یہی صدا نکلتی تھی کہ کم از کم میں نے تو ان تخیلات کی

باب ۱۹

ابتدا کی نہیں[۱۳] ۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ تخلیقی قابلیت کسی خاص دیہاتی رقبے کا حصہ نہیں ہوتی، اور جب کوئی قابل شخص تماشا گاہ عالم پر نمودار ہوتا ہے تو وہ

۱۳؎ ۱، گرتیوس (۱، ۴۴۶۴) نے ان دونوں اعتراضات کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے لیکن ان کے خلاف کوئی دلیل پیش نہیں کی ۔ اس کا بیان ہے کہ فال گاہ کے پجاری مستدعی سے اعتراف گناہ کرا لیتے تھے، لیکن جس فقرے سے وہ یہ استدلال کرتا ہے اسکا تعلق "ساموتھریسی اسرار" سے ہے جس کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ صفحہ ۴۴۶ سے گرتیوس اُس اثر پر بحث کرتا ہے جو ڈیلفی کا مختلف اطراف وجوانب کے ملک پر تھا۔ یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے مفصلۂ ذیل ملخص کو مد نظر رکھ کر ہر ایک امر پر فرداً فرداً بحث کی جائے۔ صفحہ ۴۴۷ پر وہ کہتا ہے کہ "یونانی مہینوں کا تعین اپولو کی فال گاہ کے ذریعے سے ہی ہوا تھا" لیکن اس سے زیادہ درست اور صحیح یہ بیان ہوگا کہ شمسی اور قمری سال میں جو تفاوت تھا اُسے ڈیلفی کے فیصلوں کے ذریعے سے درست کیا جاتا تھا۔ صفحہ ۴۴۸ پر گرتیوس کہتا ہے کہ ڈیلفی نے ہی سب سے پہلے سڑکیں تعمیر کرائیں۔ صفحہ ۴۴۹ پر وہ یہ کہہ چکا ہے کہ فنیقیوں نے "تباہ کن پہاڑی چشموں کا زور توڑا، پشتے بنائے اور یونان میں سب سے پہلے سڑکیں تعمیر کیں"، لیکن صفحہ ۴۴۸ پر اس کے برعکس اس کا قول ہے کہ "سڑکوں اور پلوں کے بنانے کے فن کی ابتدا جن سے ذریعے سے پہاڑی چشموں کی قوت ٹوٹ جاتی تھی، دراصل قومی حرم گاہوں سے نکلا تھا جن میں سب سے ممتاز ڈیلفی کا بت خانہ ہے"۔ ہمارے نزدیک ان دونوں نظریوں میں سے کسی کا ثبوت نہیں دیا گیا۔ "مجموعہ نوشتہ جات یونان" Corp.Ins.Gr. جلد ۱، ۱۶۸۸ کے مطابق بلاشبہہ یہ مجلس امفکتیون کا فرض تھا کہ بعض سڑکوں اور پلوں کی نگرانی رکھیں، اور اغلب یہ ہے کہ یہ ڈیلفی کے راستے میں ہوں گے؛ لیکن اس سے گرتیوس کے نظریئے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اور نہ اسکا یہ خیال ہی ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ میلے میں شرکت کے لئے جاتے تھے، خصوصاً جو لوگ رتھ دوڑ میں شریک ہوتے تھے انھیں گاڑیوں کی سڑک کی ضرورت رہتی ہوگی۔ اول تو گاڑیوں کی سڑک معمولی تجارت اور بیوپار کے لیئے بھی ضروری تھی، اور دوسرے ہمیں معلوم ہے کہ چھٹی صدی ق م تک ڈیلفی میں گاڑیوں کی دوڑ کی ابتدا نہیں ہوئی تھی ۔

باب ۱۹ بہت جلد اپنی قابلیت کو تسلیم کرا لیتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ڈیلفی کے پجاریوں سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس سے پہلے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ آبادکاری کے میدان میں فال گاہ کسی قسم کی رہبری نہیں کرتی تھی اور نہ اُس کے احکام میں کوئی خاص فراست پائی جاتی تھی اس لیے کُرتیوس کا یہ قول کہ "وہ آبادکاری پر ڈیلفی کا جو اثر تھا وہی اُس کی سب سے بڑی اور سب سے دیرپا خدمت ملک تھی"، بالکل بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔ چہار سالہ عیدوں کی چہل پہل کے ساتھ تجارتی میلے بھی ہوتے تھے؛ اس سے کُرتیوس یہ استدلال کرتا ہے کہ "وہ علاوہ ملطہ اور ڈیلفی کے حرموں کے ڈیلوسی بت خانہ) ساموسی ہیرائیوم، اور ایفی سوس کے ارتی میزیوم کے ذریعے سے بیرونی تجارت اور رسل و رسائل کا بازار گرم رہتا تھا"، (صفحہ ۴۸۰)۔ ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اس قسم کی تجارت کو مذہب سے کوئی تقویت نہیں پہنچی، اور ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ لفظ Ausgangspunkt "موقع برآمد" سے اصلی مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ وینس کے کنیسا مرقس، جنوا کے کینسا جرجیس، اور فلورنس کے کنیساء یوحنا کو کوئی وینسیوں، جنوائیوں اور فلورنساویوں کے "تجارت کے موقع برآمد" نہیں بتاتا؛ لیکن ہمیں یہ معلوم ہے کہ جہاں کہیں وینسی جاتے وہاں وہ بالالتزام "شفنت مرقس کے نام کا ایک گرجا بعینہ اسی طرح تعمیر کرتے جیسے ملطی جہاں کہیں جاتے ضرور ڈیلفی کے نام کا ایک بت خانہ بناتے محض اس وجہ سے کہ جنوا والوں نے اپنی بنک کا نام "شفنت جرجیس بنک"، اور نیپلز والوں نے اپنی بنک کا نام "شفنت یعقوب بنک" رکھا تھا، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان بلدیات کی تجارت کو مذہبی احساس کی وجہ سے کوئی تقویت پہنچی ہوگی۔ جب "نیپلز" کے کنیساء روح القدس" کی آمدنی بہت بڑھ گئی تو اُس نے ایک بنک کی بنیاد ڈالی جس سے صرف اپنا ہی نہیں بلکہ عوام کا فائدہ بھی مقصود تھا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سود کے سوالات حل کرنے سے بحری تجارت میں ہاتھ ڈالنا کہیں دشوار تر ہے، اور حلقۂ مسیحی کے افراد بھی عرصۂ دراز تک بحری تجارت کو جاری نہ رکھ سکے۔ ان تمام اسباب کو ملحوظ رکھ کر ہمارا خیال ہے کہ دیگر امور کی طرح بحری تجارت کے میدان میں بھی اپولو کے پجاریوں نے قوم کی مطلق رہبری نہیں کی۔ مفصلۂ بالا تنقید کے بعد ہم کُرتیوس کے اس قول پر (صفحہ ۴۸۰) کوئی اعتراض

۱۹ وہ تمام افعال سرزد ہوتے تھے جو اُن کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں، تو پھر انھیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نہیں کرتے کہ یونانی بت خانوں میں لین دین کے سلسلے قائم تھے۔ صفحہ ۴۹۳ پر وہ تحریر کے استعمال پر بحث کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اُس کی ابتدا ضروریات کی غرض سے بت خانوں میں ہوئی ہوگی؛ لیکن یہاں بھی دیلفی کو دیگر مقدس مقامات میں کوئی امتیاز حاصل نہ تھا۔ گرُتیوس کو اس امر کا اقرار ہے کہ دیلفی کی "مرتب کردہ تاریخ" دراصل حقیقی واقعات کی قطع و برید کرنے کے بعد مرتب کی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے (صفحہ ۴۹۸) "بقائے ابدی" کے مسئلے کی ابتدا دیلفی سے ہی ہوئی؛ لیکن اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاتا کہ دیگر مقامات سے پہلے یہاں اُس کی ابتدا ہوئی ہوگی، اور جو تصویر پولیگنوتوس نے کھینچی ہے وہ پانچویں صدی ق م سے قدیم تر نہیں ہے۔ گرُتیوس کہتا ہے کہ دیلفی کی فال گاہ میں یونان کے سات بڑے بڑے عاقلوں کی گویا کہ ایک اعیانیت جمع ہوگئی تھی، اور اُن کے اقوال، جو بت خانے کے صدر دروازے پر کندہ تھے، دیلفی کی عقلمندی اور فراست کے ممتاز ترین نشانات سمجھے جاتے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر بالفرض یہ اقوال انھیں عاقلوں کے تھے جن کی طرف وہ منسوب کیئے جاتے تھے بایںہمہ وہ اُنھیں کے فکر و تخیل، اور اُس عہد کے جملہ میلانات اور رجحانات کا نتیجہ تھا جن کا دیلفی یا اُس کی پجارن سے مطلق کوئی تعلق نہ تھا۔ صفحہ ۵۰۲ پر گرُتیوس کہتا ہے کہ وہ لیکر گوس کی طرح فیثاغورس کی فراست کا ماخذ بھی فلثیہ ہی تھی جس کی وجہ سے اس فلسفی کا نام فیثاغورس پڑ گیا، اور وہ پجارن جس کی نسبت ان مسائل کا ودیعت کرنا بیان کیا جاتا ہے اس کا نام "تمسطا کلیہ تھا"۔ باوجود ہیرو ڈوٹس کے بیان (۱، ۶۵) کے ہمارے نزدیک لیکر گوس نے اپنی تعلیم کا بیشتر حصہ فلثیہ سے اخذ نہیں کیا اور زمانہ حال کے دیگر مصنفوں کی طرح ہمارے خیال کے بموجب بھی تمسطا کلیہ کی بابت جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سب کا سب خود ساختہ ہے؛ نیز ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تمسطا کلیہ کی ملاقات سے پہلے ہی فیثاغورس کا یہ نام کیسے تھا، ورنہ ہمیں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ ابتدا میں اس کا کچھ اور نام ہوگا (جس کا ہمیں علم نہیں)۔ صفحہ ۵۰۷ پر دوریائی طرز تعمیر کا تعلق بھی دیلفی سے دکھایا گیا ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا۔

باب ۱۹

یونان کے فرماں روا بننے میں ہرگز دیر نہ لگتی، اور ہم تاریخ یونان میں ایسی مذہبی حکومت کا حال پڑھتے جس کا فی الحقیقت مطلق وجود نہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ اس کے برعکس بہت سے عناصر ایسے پائے جاتے ہیں جن کی وجہ اس کا تعلق کورنتھ سے معلوم ہوتا ہے۔ "عمال مقدس کا حکم تھا کہ دوریانی مملکت میں خانگی مکانات کے دروازے اور چھتیں کلہاڑی اور آرے سے بنائے جائیں،" لیکن اسے لیکرگوس کے قوانین کا ایک جزو تصور کر کے محض اسپارٹا تک محدود کر دیا گیا ہے صفحہ ۵۰۷ پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ "دوریانی طرز تعمیر کے ارتقا اور توسیع کا یقینی تعلق اس حرم کے ساتھ تھا جس نے دوریانی مملکتوں کی بنیاد رکھی،" لیکن محض اس بیان سے کچھ ثابت نہیں ہوتا یہ ایک بالکل فطری امر تھا کہ پجاری مختلف بت خانوں کے باہمی تناسب کا تعین کریں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ عام طور پر ہر ایک بت کدے کی تعمیر کی نگرانی کرتے ہوں گے۔ صفحہ ۵۲۷ پر کرٹیوس کہتا ہے کہ "ہیسیوڈ کے خیالات محض ڈیلفی کے پجاریوں کے تخیلات پر مشتمل ہیں۔" اگر ہم ان مشہور معروف اقوال کو نظر انداز کر دیں جن کا تعلق دراصل زمانہ مابعد سے تھا، اور جن کا اختراع پجاریوں نے نہیں بلکہ "مجلس ہمسائگاں" نے کیا تھا، تو پھر پجاریوں کے خیالات کا معلوم کرنا نہایت دشوار ہوگا۔ صفحہ ۵۳۸ پر کرٹیوس اپنی رائے کا ملخص بیان کرتا ہے کہ نویں صدی ق م سے یونان نے جو کچھ ترقی کی "خواہ مذہبی اور اخلاقی خیال آفرینیوں کے میدان میں ہو، خواہ موسیقی اور شاعری کے زمرے میں یا سیاسیات، تعمیرات اور سنگ تراشی کے شعبوں میں، غرض زندگی کے ہر ایک محکمے میں یونانیوں نے جو کچھ ترقی کی اس کا مبداء اور ماخذ ڈیلفی کا بت خانہ ہی تھا۔" ہم ان امور کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔ صفحہ ۵۳۹ پر کرٹیوس کہتا ہے کہ کلس تھینیس خود سر حکمران سکیون کے عہد سے ڈیلفی کے طرز عمل میں ایک بدیہی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور اب اس میں موقع و محل کے لحاظ سے حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے،" لیکن کلس تھینیس چھٹی صدی ق م کے ابتدائی حصے میں تھا، اور یہ وہی زمانہ ہے جب فال گاہ ڈیلفی کے نوشتے ایک حد تک محض افسانوں کے میدان سے نکل جاتے ہیں، اور ڈیلفی میں ہفت عقلائے یونان جمع ہو جاتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ سب "محض" "حیلہ ساز موقتی" طرز عمل کا نتیجہ تھا؟ بدیں وجوہ یہ کہیں زیادہ صحیح ہوگا کہ ڈیلفی کے

ڈیلفی نے جو حصہ لیا تھا اُس کی کبھی کوئی قابل لحاظ مخالفت نہیں ہوئی جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ان میں کوئی ممتاز قابلیت نہ تھی۔ جو لوگ ہمیشہ اپنی خدمات دوسروں کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں اُن میں عام طور پر نہایت معمولی قابلیت ہوتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کی تعریف و توصیف میں ہر شخص رطب اللسان رہتا ہے۔ ڈیلفی سے ہر مملکت کے تعلقات اچھے تھے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رہبری کرنے کی بجائے فال گو ان تمام امور کو مذہبی جامہ پہنانے پر قناعت کرتا تھا جن کی مستدعی خواہش کرتے تھے۔ اگر بعض مرتبہ ڈیلفی کی جانب سے کسی خاص مملکت کی خواہشات کی مخالفت بھی ہوتی تو وہ صرف فال گاہ کا اثر قائم رکھنے کے لیئے ہوتی۔ بعض مرتبہ ایسی باہمی سازشوں کا انکشاف ہو جاتا جن کا نتیجہ نام نہاد کلمات ربانی کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا، یا کم از کم لوگوں کو گمان ہوتا کہ ان سازشوں کا انکشاف ہو گیا ہے؛ لیکن ایسے نازک موقعوں سے نکلنے کا طریقہ بھی پجاری خوب اچھی طرح جانتے تھے، اور بوقت ضرورت خود بڑا پجارن فیثیہ تک کو بھینٹ چڑھا دیا جاتا۔ لطف یہ ہے کہ جب جنگ

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ اثرات کے نظریے کو چھوڑ کر اس کے واقعی کارناموں پر نظر ڈالی جائے؛ اور ہم نے اس کتاب میں یہی کیا ہے۔ کیا ہمارے اس خیال سے کہ یونانیوں کے بڑے بڑے کارہائے نمایاں دراصل اُن کے بڑے بڑے مفکروں اور گیانیوں نے کیئے تھے، اُن کی قابلیت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا اور کیا یہ نظریہ درست ہے کہ یونان نے دو سو سال تک جو کچھ ترقی کی اس کا مبداء وہ عقیم پجاریوں کا ایک گروہ تھا جو ہمیشہ قوم کے نام احکام صادر کیا کرتا اور جو کچھ قوم کرتی اُسے تقویت پہنچایا کرتا؟ یورپ کے ازمنۂ وسطیٰ میں بھی اس سے کہیں زیادہ تنوع پایا جاتا ہے۔ ہم ہرگز فال گاہ ڈیلفی کے اقتدار کے منکر نہیں ہیں لیکن ہم یقیناً اس سے انکار کرنا اپنا فرض تصور کرتے ہیں کہ اس کے پجاری فہم و فراست میں اوروں سے بالا تر تھے اور مختلف معاملات کی ابتدا انہیں سے ہوتی تھی۔ اس مختصر تنقید کی یہاں اسلیئے ضرورت پیش آئی کہ گرنٹوس کی نہایت وقیع اور مستند کتاب کے وہ فقرے جو صفحہ ۳۸۵ سے شروع ہوتے ہیں، اگر صحت پر مبنی ہیں تو اُن سے ہماری رائے کی بالکلیہ تکذیب ہوتی ہے:۔

باب ۱۹ ایران کی ابتدا میں فال گاہ والوں نے ایرانیوں سے مل کر آرگوسیوں اور کریٹیوں کو غیر جانبدار رہنے کی ترغیب دی، جو یونانی مفاد کیلئے نہایت درجہ مضرت رساں تھی، اور اتھینز کو بھی لڑائی میں شامل ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کی تو بھی اُس کی عزت اور وقار میں انجام کا کوئی فرق نہیں آیا۔[۱] جنگ کے آخری دور میں اُس نے

---

[۱] شیومان Schoemann فال گاہ پر الزام لگانے سے انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ (۲، ۴۴) ایرانیوں کی صریح فوقیت اور برتری کی وجہ سے ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے گریز ممکن نہ تھا، اور یہ یاد دلاتا ہے کہ جب قسمت نے پلٹا کھایا تو ڈیلفی نے قومی جھنڈا بلند کرنے میں مدد دی۔ لیکن اس سے پجاریوں کے مکر و فریب کے علاوہ کچھ ظاہر نہیں ہوتا اور وہ کسی حالت میں اخلاقاً معذور نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ فالگاہ ڈیلفی کی جا اور بیجا اس قدر تعریف کی جاتی ہے، اور لوگوں کی آنکھوں پر کچھ ایسی پٹی بندھی ہے کہ عمدہ سے عمدہ تصانیف میں بھی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے قومی مقاصد کی پشت پناہی کی، درانحالیکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ ان اسباب کی بنا پر ہمارے نزدیک اُس کے خلاف جو نظریہ ہے اُس پر زور ڈالنے کی بہت ضرورت ہے، اور یہاں ہماری خواہش ہے کہ ایک خاص امر کی جانب خاص توجہ دلائیں۔ زمانۂ حال کے خیال کے مطابق جس کا نہایت وقیع موئید گیوٹلنگ (Goettling) ہے (جو کچھوے اور بھیڑ کے گوشت کے قصے تک سے جو کریسوس کو دیا گیا تھا، فالگاہ کے عمق اور فطری عقلمندی پر زور دیتا ہے)، پجاری نہایت عالم و فاضل تھے، اور اگر اُس کا استدلال صحیح ہے تو پھر اُن کی ذہانت اور فطانت کے بعد اُن کا مکر و فریب اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اگر یونانیوں کا ہر ایک فعل ان پجاریوں کے جغرافی اور اعدادی معلومات کا نتیجہ تھا تو پھر یہ کہنا کہ جو کچھ وہ کہتے تھے معبود کی طرف سے ہوتا تھا، بڑا بھاری دھوکا تھا؛ اگر پجاری مستدعی کے اشاروں کی بنا پر ان ناقابل فہم آوازوں کو جو غشیہ کی زبان سے نکلتی تھیں، قابل ادراک جامہ پہنا دیتا تھا، تو اکثر و بیشتر صورتوں میں وہ اپنے آپ کو صحیح معنوں میں دیوتاؤں کا ملہم علیہ سمجھ سکتا تھا چونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ انھیں غیر معمولی علم حاصل تھا اس لئے مناسب ہے کہ اُسکے فرض کرنے سے اُنکے خصائص میں جو اخلاقی پستی نظر آنے لگتی ہے اُس سے ہم باز رہیں۔

یہ بھانپ لیا تھا کہ آخر کار یونانیوں ہی کو فتح ہوگی، اور اب وہ بلا تامل محبان وطن سے مل گئے۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود فال گاہ والوں کو قومی مقاصد سے مطلق دل چسپی نہ تھی، بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر فی الجملہ وہ یونانیوں کی مخصوص فال گاہ تھی تو بربری اقوام بھی اُس سے اسی قدر فائدہ اُٹھا سکتی تھیں۔

ڈیلفی کا تعلق اُس زنجیر کی تیسری کڑی سے بھی تھا جو یونانیوں کو ایک رشتے میں منسلک کرتی تھی، اور یہ قومی کھیل تھے جو تعداد میں چار تھے یعنی اولمپیائی، فیثوی، نِمیائی اور خاکنائی۔ ان کے علاوہ دیگر مشہور مقامات پر بھی عیدیں منائی جاتی تھیں لیکن اُن کی حیثیت محض مقامی تھی۔ یونانیوں کی زندگی میں یہ کھیل اُن کی قومی خصوصیات کی وجہ سے خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ہر یونانی اپنے شہر والوں کی تعریف و توصیف کرنے کا خواہاں تھا، اور اُس کی فطری آرزو اور حوصلے کا یہی تقاضا تھا کہ وہ اپنے آپ کو عامۃ الناس سے ممتاز ثابت کرے اور قوم کی نگاہ میں اُسے دوسروں پر فوقیت حاصل ہو۔ اسکے نزدیک اپنے آپ کو بڑھانے کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ مقابلۂ عامہ میں وہ دوسروں کو نیچا دکھائے۔ ان مقابلوں کو یونانی تہذیب و تمدن کے ارتقا میں جو عظیم الشان رتبہ حاصل تھا اُس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ناٹک نگار شعرا کے انعامی مقابلوں کی وجہ سے جو ایتھنز میں ہوا کرتے تھے، ڈرامہ اور سرود یہ کی ترقی میں بہت بڑا ہیجان پیدا ہوا۔

اولمپیائی کھیل ہیرائیوں کے حرم موسومہ اولمپیا میں منعقد ہوتے تھے[۵ل]

ﮨ ان اجتماعوں Panegyris کے لیئے دیکھو الیسقراطیس: "پانے گیرس" ۳۴ وغیرہ۔ جرمانیوں نے اولمپیا میں ۱۸۷۵ع سے ۱۸۸۱ع میں جو کھدائیاں کی ہیں اُن کی وجہ سے وہاں کے متعدد ایوانات برآمد ہو گئے ہیں۔ یہ کھدائیاں در اصل اَگرتیوس کی تحریروں کی وجہ سے عمل میں آئیں، ان کھدائیوں اور مختلف انکشافوں کے لیئے جملہ معلومات سرکاری روئداد اولمپیا کی کھدائیاں Ausgrabungem zu Olmpia میں ملینگی جو پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ مفصلۂ ذیل کتاب اسی موضوع پر پہلی تصنیف ہے

باب ۱۹

جو دریائے الفیوس پر ساحل سمندر سے خط مستقیم پر سات میل پر اور دریا کے کنارے کنارے دس میل کے فاصلے پر اس مقام پر واقع تھا جہاں ایک اور ندی (جس کا نام کلادیوس تھا) شمال کی طرف سے آکر الفیوس میں مل جاتی ہے۔ بعض یونانیوں کی رائے تھی کہ اس میلے کی ابتدا ہرقل نے کی بعض کہتے تھے کہ اس کا سہرا پیلوپس کے سر ہے اور بعض کا خیال تھا کہ پیزا کے موروثی سورما پیروس نے اس کا آغاز کیا ہوگا۔ ان تینوں میں سب سے زیادہ جس شخص کو اولمپیا میں عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا وہ پیلوپس تھا؛ اور چونکہ اس کی بابت یہ خیال تھا کہ وہی بیشتر حصہ پیلوپونیز کے ان حکمرانوں کا مورث اعلیٰ تھا جنھیں ہرقلیوں نے بیدخل کر دیا تھا اس لیئے غالباً اس کا مذہب ہرقل کے مذہب سے قدیم تر ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اولمپیا کا کوئی حصہ ہرقل کے نام پر وقف نہ تھا اسی لیئے زمانہ مابعد تک اولمپیا کے میلے کا موجد ہرقل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہم یہ فرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ میلا لیکرگوس کے اس میں از سر نو روح پھونکنے سے عرصۂ دراز پہلے سے قائم ہوگا۔ اسی زمانے میں ایلس پیزائیوں کے ماتحت تھا اور اس پر ایفی توس حکمراں تھا جسے فال گاہ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ میلے کا احیا کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیئے اس نے لیکرگوس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جسمیں مختلف معلومات کو نہایت بسیط اور باترتیب پیرایے میں جمع کر دیا گیا ہے: "اولمپیا و اطراف" مع نقشہ جات، مرتبہ کاؤپرٹ وڈورپ فیلڈ Olympia und Umgegend زیر ادارت کُرتیوس و آڈلر Curtius und Adler برلن ۱۸۸۲ء۔ جریدۂ آثاریات، عنوان "عید اولمپیا اور اس کا رتبہ" Olympia, das Fest und seine Staett مصنفۂ بیوٹی شر Boettischer برلن ۱۸۸۳ء میں بہت سی تصاویر اور بیڈیکر Baedecker کا ترتیب دیا ہوا خلاصہ بھی نہایت نفیس ہے۔ ہم اس مقام پر ایسے اقتباسات نہیں دے سکتے جن سے وہ بے شمار مسائل سمجھ میں آسکیں جو ان کھدائیوں کی وجہ سے زیر بحث آگئے ہیں یا جن کا اب تصفیہ ہو گیا ہے:۔

مل کر یہ طے کیا کہ جب تک عید کی چہل پہل جاری رہے اُس وقت تک اُن مملکتوں کے باہمی جنگ و جدال بالکل موقوف ہو جائیں جو اس میں حصہ لیں۔ یہ قصہ تو روایات پر مبنی ہے؛ دوسری صدی عیسوی میں پوسانیاس کے زمانے میں ہیرائیوم کے اندر ایک گھیرا رکھا ہوا تھا جس پر الیفی توس اور لیکرگوس کے نام مندرج تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اولمپیائی کھیلوں کی بقا و بہبودی کے معاملات میں اسپارٹا بہت دلچسپی ظاہر کرتا تھا، اور اغلب امر یہ ہے کہ وہ اُس کے محافظ ہونے کی نیم دفتری حیثیت کو سیاسی اغراض کے لیئے استعمال کرتا ہوگا۔ زمانہ مابعد میں ایلیسی مسلسل امن اور اپنے ملک کے محفوظ و مصئون ہونے کا برابر مطالبہ کرتے رہے لیکن ان کی اس آواز پر مطلق توجہ نہ کی گئی، بلکہ اس کے برعکس صرف میلے کے دوران میں امن و امان قائم رہتا اور اگر کوئی شخص ان زائرین کو کچھ نقصان پہونچاتا جو اولمپیا میں آتے تھے تو اُسے رقمی جرمانہ ادا کرنا ہوتا۔ ابتدا میں تو اُس میں صرف ہمسایہ اقوام حصہ لیتی تھیں، لیکن امتداد زمانہ سے ان قوموں کی تعداد جو اس میں شریک ہوتی تھیں، بڑھتی گئی اور رفتہ رفتہ ہر ایک یونانی قوم اس میں حصہ لینے لگی۔

دیگر اہم تہواروں اور عیدوں کی طرح مختلف مملکتیں اپنے وفد اولمپیائی میلوں کے موقع پر بھی بھیجتی تھیں۔ یہ میلا ہر چوتھے سال یوم اطول النہار کے بعد دوسرے بدر کے قریب لگتا تھا، اور ابتدا میں اس میں زیوس اور دوسرے دیوتاؤں کے نام کی قربانیوں کو باقی تمام امور سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، لیکن رفتہ رفتہ ان سے وہ مقابلے کی بازیاں بڑھ گئیں جو دیوتاؤں کے اعزاز میں لگائی جاتی تھیں۔ سب سے قدیم بازی جو عرصۂ دراز تک تنہا جاری رہی معمولی پیدل آدمیوں کی دوڑ تھی جو دوڑ گاہ میں (جس کا طول ۶۰۰ اولمپیائی قدم تھا) ہوا کرتی تھی؛ جو شخص اس دوڑ میں اول آتا اُسی کے نام پر اس مخصوص اولمپیاد کا نام رکھا جاتا اور یہی اس سال کے جملہ کھیلوں کا میری قرار پاتا تھا لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اولمپیاوی سنوی شمار اور ان جملہ معلومات کا سلسلہ سنہ ۷۷۶ ق م سے پیشتر شروع نہیں ہوتا اور یہ وہ سال ہے جب کوروئے بس

باب ۱۹ میری تھا، لیکن اولمپیاد کو سوی شمار کے معیار بنانے کا سہرا تمائیوس ساکن تورومے نیوم کے سر ہے جس نے تیسری صدی ق م میں اس رواج کی ابتدا کی۔ اٹھارھویں اولمپیاد میں معمولی پیدل دوڑ میں اس پنجگانہ بازی کا اضافہ ہوا جس میں کودنا، دوڑنا، گھیر اپھینکنا، نیزہ بازی، اور کشتی گیری شامل تھی؛ اس کے علاوہ پہلوانوں کا علیحدہ دنگل بھی ہونے لگا تیئیسویں اولمپیاد میں گھونسہ بازی شروع ہوئی اور پچیسویں میں محض نمائشی اغراض سے گاڑی دوڑ کی ابتدا کی گئی جو دوڑ گاہ کے جنوب اسی کے متوازی اسپ میدان میں منعقد ہوتی تھی۔ پیدل دوڑ سے میری کی تیز قدمی اور پنجگانہ بازی سے اسکی قوت اور حلت پھرت کا امتحان ہوتا تھا، لیکن گاڑیوں کی دوڑ سے صرف جیتنے والے کی دولت وثروت کا اندازہ ہوتا تھا اس لیئے کہ گاڑی بان کی بجائے گاڑی اور گھوڑوں کا مالک جیتتا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ چوکڑی کے اخراجات کے متحمل صرف امیر ہی ہو سکتے ہیں۔ اس دوڑ میں اکثر خود سر حکمران حصہ لیتے تھے اور درباری شعرا اُن کی تعریف وتوصیف کے طومار باندھ دیتے تھے۔ الغرض شہرت کا ایک حصہ جو ذاتی جدوجہد کے لیئے وقف ہونا چاہیئے، اس شخص کی ملک سمجھا جاتا تھا جس کے پاس علاوہ دولت کے کچھ نہ ہوتا۔ گاڑی دوڑ میں محض میری کی ہی شہرت نہ ہوتی بلکہ اُس کی مادر بلد کا بھی حصہ ہوتا، اور بعض مرتبہ تو چوکڑی کا مالک محض چاپلوسی یا خوشامد کی غرض سے خانۂ مالکانہ کے اندر کسی اور کا نام اندراج کرا دیتا یا بجائے اپنے شہر کے کسی اور بلدیئے کا نام لکھا دیتا۔ یہ واقعہ ہے کہ ایسی صریح لغوگوئی کے ذریعے سے لوگ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتے تھے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی نہایت سادہ لوحی سے اپنی شہرت پر نہایت محظوظ ومسرور ہوتے تھے۔

کھیلوں کے کارکنوں اور عادیوں کو ہیلانودکائے کہتے تھے جنھیں ایلیسی نامزد کرتے تھے اور اِن بازیوں کو باکرہ لڑکیاں، غیر ملکی باشندے اور غلام بھی دیکھ سکتے تھے۔ ان مقابلوں سے جو جرمانے وصول ہوتے تھے اُنکے ذریعے سے زیوس کے مجسمے یا زانیس ڈھال کر حرم کے اندر رکھ دیا جاتا تھا،

اور میری کو جنگلی زیتون کے اُس درخت کا ایک گھیرا بطور انعام کے دیا جاتا تھا جسے ہرقل نے اولمپیا میں بویا تھا۔ جب میری اپنے وطن مالوف کو واپس جاتا تو وہاں اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور اُس کی بیحد عزت کی جاتی۔ وہ ایک گاڑی میں بیٹھ کر، جس میں چار سبزہ گھوڑے جُتے ہوتے، اپنے دوستوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوتا، اور اپنا فاتحانہ گھیرا شہر کے افضل ترین حرم پر چڑھا دیتا۔ تماشا گاہ میں اس کے لیئے ایک معزز جگہ مخصوص ہوتی اور اکثر اُس کے بلدیئے کی طرف سے اُس کے خور و نوش کا انتظام کر دیا جاتا۔ بعض جگہ اُسے رقمی انعام بھی دیا جاتا اور اسپارٹا میں میدان جنگ کے لیئے اُس کے واسطے خود بادشاہ کے قرب میں ایک جگہ مختص ہوتی۔ انسٹھویں یا اکسٹھویں اولمپیاد کے بعد میریوں کو یہ اجازت مل گئی کہ اگر چاہیں تو اولمپیا کے مجسمے نصب کریں، لیکن انھیں خود اپنی شبیہ کے مجسمے تیار کرانے کی صرف اُس وقت اجازت دی جاتی تھی جب وہ تین مقابلوں میں مسلسل اول آتے تھے۔

چونکہ مختلف اطراف و اکناف یونان کے باشندے جوق جوق ان میلوں میں جمع ہوتے اس لیئے زمانہ مابعد میں مصنف اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہاں اپنی تصانیف عوام کے سامنے پیش کرتے۔ مثلاً ہیروڈوٹس کی بابت کہا جاتا ہے کہ اُس نے اپنی تاریخ کا ایک حصہ یہاں پڑھ کر سنایا تھا، اور گورگیاس نے اپنی اولمپیائی تقریر اسی موقع پر کی تھی۔ یہی وہ مجمع تھا جہاں آکر خطاب اپنے کمالات کے جوہر دکھاتے اور نقاش اپنے بنائے ہوئے مجسمے رکھ کر لوگوں کو محظوظ کرتے۔ تمسطاکلیس کی طرح جو باوقار شہری اولمپیا جاتے تو وہاں عوام الناس انھیں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ خوش آمدید کہتے اور وہ اپنے اس جوشیلے استقبال کو اپنی وطن پرستانہ کارروائیوں کا بہترین صلہ تصور کرتے۔

اولمپیائی میلے کا یونان کی زندگی کے میدان میں جو رتبہ تھا وہ ہماری دانست میں اہم ترین اور عجیب ترین تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پیدل دوڑ میں جو شخص اول رہتا وہی میری قرار پاتا اس لیئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محض جسمانی قوت کی بجائے تیزی اور پھرتی کو ہی اعزاز و اکرام کا مستحق قرار دیا جاتا تھا۔ یہ بات یونانی قوم کے

باب ۱۹

خصائص میں داخل تھی کہ وہ محض جسمانی قوت سے کبھی متاثر نہ ہوتے تھے پیدل دوڑ میں کامیابی کے یہ معنی تھے کہ فاتح کی جسمانی بناوٹ میں ایک خاص تناسب ضرور ہوگا۔ کامیاب امیدواروں کی جو عزت کی جاتی تھی اُس کا مذہب سے بھی ایک خاص تعلق تھا اس لیئے کہ ورزش کے ذریعے سے بدن کو مضبوط و طاقتور بنانا محض زیوس کی عظمت و توقیر کے لیئے تھا، اور اس طرح اولمپیا کے واسطے سے مذہب کی خاطر حسن وجمال کی تلاش یونانی تعلیم کا ایک خاص عنصر بن گئی، جس کے اساس میں تناسب اعضا اور خوبصورتی داخل کرلی گئی۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ ان کھیلوں سے یونان کے فنون لطیفہ میں سب سے مکمل فن کو براہ راست مدد ملی؛ وہ اس طرح کہ ان کھیلوں میں برہنہ بدن کی نمائش ہوتی تھی، اور سنگ تراش اسی برہنگی کے مجسمے تیار کرتے تھے، لہذا یونان کے نقاشوں کو یہ موقع ملا کہ وہ انسان کی فطری کیفیت اور اُس کے خوبصورت اور تنومند جسم کی تشکیل کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ انسان کے چہرے کی نقل اُتارنے میں ذرا کچے تھے، لیکن چونکہ جسم کی تشکیل کی مشق کے ساتھ ہی چہرے کی نقل اُتارنے کی مشق بھی لازمی تھی اسلیئے اس خامی سے فن پیکر پذیری کی محض ابتدائی حالت ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ حرج واقع نہ ہوتا تھا۔

اولمپیا میں یوں کے مجسموں کے علاوہ ہر قسم کے چڑھاووں سے بھرا ہوا تھا جن کی ایک خاص فنّی حیثیت تھی، اور مختلف مقدس ایوانوں کی تعمیر کے سبب سے فن تعمیر اور مذہبی اور آرائشی سنگ تراشی کو بہت کچھ تقویت پہنچی تھی الغرض رفتہ رفتہ یہ مقام ایک عظیم الشان عجائب خانے کے مماثل ہوگیا۔ زمانہ حال تک جو کچھ معلومات ہمیں حاصل تھیں ان سب کا ماخذ وہ مفصل سفر نامہ تھا جو پئوسانیاس نے بلاد یونان کے سفر کی یادگار کے طور پر چھوڑا تھا؛ لیکن پچھلے چند سالوں میں ماہرین آثاریات کی دیرینہ آرزو بالآخر پوری ہوئی اور کھدائیوں کے ذریعے سے اولمپیائی میلوں کا محل وقوع عریاں کردیا گیا؛ اس کیلیئے فن تاریخ ارکرتیوس کا رہین منت ہے جن کے ذریعے سے جرمانیوں نے یہ عظیم الشان کام انجام دیا۔

اولمپیا کا سب سے اہم حصہ آلتس یعنی مقدس باغیچہ تھا جس کے مشرق میں اکھاڑے اور میدان مثلاً دوڑ گاہ اور اسپ میدان واقع تھے آلتس کو آلسوس بھی کہتے تھے، اور یہ دریائے الفیوس کے شمال اور کلادیوس ندی کے مشرق میں دونوں کے سنگم پر کرونوس پہاڑی کے جنوبی دامن میں واقع تھا۔ ابتدا میں اس باغیچے کے درختوں کی ٹہنیوں پر چڑھاوے لٹکا دیئے جاتے تھے، اور اس کے سایہ دار درختوں کے بیچ میں سیدھے سادے بے ترشے پتھروں کی قربان گاہیں بنی تھیں، جن پر قربان کردہ جانوروں کی راکھ ڈالی جاتی تھی؛ لیکن رفتہ رفتہ وہاں ہیرا، زیوس اور ام الارباب کے نام پر بڑے بڑے مندر بن گئے اور ان کے ساتھ ساتھ پیلوپس اور ہپوڈامیا کے نام پر چھوٹے چھوٹے احاطے بھی بنا دیئے گئے۔ اس مقدس حرم کے عین وسط میں زیوس کی عظیم الشان قربان گاہ تھی، اور شمالی چبوترے پر متعدد خزانے اور چھوٹے چھوٹے حرم تھے جنھیں مختلف بلدیات نے اپنے چڑھاووں اور پیش کشوں کو محفوظ رکھنے کے لیے تعمیر کیا تھا؛ ان میں سے ہم سکیون، سرقوسہ، ایپی دامنوس، بیزنطہ، سیبارس، سیرینہ، سلی نوس، میتاپونتوم، میگارا، اور گیلا کے ایوانوں کی شناخت کر سکتے ہیں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ان دس خزانوں میں سے بیزنطہ کا خزانہ تو گویا ایک مشرقی نوآبادی کے متعلق تھا، سیرینہ ایک افریقی شہر تھا، اور اسی طرح ایپی دامنوس الریائی، میتاپونتوم اور سیبارس اطالوی بلدیات، اور سرقوسہ، سلی نوس اور گیلا سسلی کی نوآبادیاں تھیں؛ گویا کہ صرف سکیون اور میگارا ہی ایسے بلدیات ہیں جو یورپی یونان سے متعلق تھے۔ اس فہرست میں دیار مغربی کو ایک نمایاں فوقیت حاصل ہے اور یونان کے ساتھ انکا جو تعلق تھا وہ اس دلچسپی سے صاف ظاہر ہوتا ہے جو وہ اولمپیا میں لیتے تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اولمپیا کا منہ مغرب کی طرف کو ہے، الفیوس مغرب ہی کو بہتا ہوا گویا کہ سسلی میں دریائے اورتی گیا کی شکل میں از سر نو نمودار ہوتا ہے؛ اور سسلی والوں کو اولمپیائی کھیلوں سے جو دلچسپی تھی وہ اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے سکوں پر چوکڑی کی شبیہ کندہ تھی۔ ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اولمپیا مثل ایک زنجیر کے تھا جو یونان کو مغربی نوآبادیوں سے منسلک کرتی تھی۔

باب ۱۶ یہ امر بھی خاص طور پر غور کے قابل ہے کہ سیبارس اور میتاپونتوم کے علاوہ جتنے خزانے اولمپیا میں تھے وہ سب دوریانی بلدیات سے متعلق تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولمپیا اور دوریانی قوم کا باہمی تعلق نہایت خاص قسم کا تھا[۵۱۶]:۔

فیثوی کھیلوں کی وقعت اولمپیائی کھیلوں سے ذرا کم تھی[۵۱۷]۔ پہلی مقدس جنگ سے قبل ہر آٹھویں سال بربط بازوں کا ایک مقابلہ دیلفی میں ہوا کرتا تھا اور اس میں اپولو دیوتا کی حمد گائی جاتی تھی۔ جب اس جنگ کی وجہ سے میدان کریسیا معبود دیلفی کی ملکیت ہو گیا تو اڑتالیسویں اولمپیاد کے تیسرے سال اولمپیا کی طرح ورزشی مقابلوں کا اضافہ کیا گیا اور یہ مقابلہ ہر آٹھویں سال کی بجائے ہر چوتھے سال میدان میں منعقد ہونے لگا۔ لیکن اس کے بعد بھی اس اجتماع میں سب سے اہم واقعہ فیثوی اپولو کی حمد ہی جسے بانسری پر بجایا جاتا تھا۔ اس مقابلے کے پنچ کو "مجلس ہمسائیگان" مقرر کرتی تھی اور اول آنیوالے کو سدا بہار کا ایک گھیر بطور انعام دیا جاتا تھا:۔

رنمیائی کھیل[۵۱۸] رنمیا نامی ایک سنسان جنگلی وادی میں منعقد ہوتے تھے جو ایک چھوٹے سے آرگوسی گاؤں مسمی کلیونائے کی اراضی میں واقع تھی۔ ابتداءً اس موقع پر سورما آرخے موروس یا اوفیلتیس کے اعزاز میں ایک عید منائی جاتی تھی؛ ازاں بعد اس میں زیوس کی پوجا کا اضافہ کیا گیا اور اکیانویں اولمپیاد سے اس میں ورزشی کھیل بھی شامل کر دیئے گئے۔ اس عید کا انتظام و انصرام اول تو کلیونائے والوں کے ذمے اور پھر عام طور پر آرگوسیوں کے

---

۵۱۶ غالباً خود سر حکمرانوں کے حوصلوں اور آرزوؤں کی وجہ سے ان خزانوں کی ظاہری شان و شوکت میں بہت اضافہ ہو گیا ہو گا:۔

۵۱۷ فیثوی کھیلوں کے لئے استرابو ۹، ۴۲۱؛ پوسانیاس ۱۰، ۷ وغیرہ؛ شیومبرگ ۲، ۵، ۶ وغیرہ:۔

۵۱۸ استرابو ۸، ۳۷۷؛ پوسانیاس ۲، ۱۵؛ شیومبرگ ۲، ۶۷:۔

سپرد ہوگیا، اور یہ چار سال میں دو مرتبہ یعنی ایک مرتبہ موسم گرما میں اور ایک مرتبہ موسم سرما میں منائی جاتی تھی۔ اس میں ڈیلفی کی طرح جسمانی ورزش، چابک سواری، اور موسیقی میں بازی لگائی جاتی تھی اور جو شخص کامیاب ہوتا اُسے اجمود کے پتوں کا ایک گھیرا دیا جاتا تھا۔ علاوہ تین ستونوں کے جو اس وقت تک استادہ ہیں، نمیا کے بت خانے کا باقی ماندہ حصہ زلزلوں کی وجہ سے گر گیا ہے اور آج بھی اُس کے اُفتادہ فیل پائے زمین پر قطار در قطار پڑے دکھائی دیتے ہیں۔

چوتھا عظیم الشان قومی میلا خاکنائی کھیلوں کے زمانے میں لگایا جاتا تھا جو[۱۹] خاکنائے کورنتھ پر اول تو ملی کرٹیس اور پھر پوسیڈون کے اعزاز میں (جسے تھیسیوس نے یہاں کا رکھشک دیو مقرر کیا تھا) منعقد ہوتے تھے۔ تاریخی زمانے میں ان کھیلوں نے جو صورت اختیار کر لی تھی وہ فیشوی یا نمیائی کھیلوں کے زمانے (یعنی ۵۸۶ قم یا ۵۸۲ ق م) سے برابر جاری تھی۔ یہ ورزش، چابک سواری، اور موسیقی پر مشتمل تھے اور انعام کے طور پر پہلے تو اجمود کی مالا اور پھر صنوبر کا ہار دیا جاتا تھا۔ ان کھیلوں میں جو دو ریائی سرزمین پر منعقد ہوتے تھے، ایتھنزی خاص طور پر حصہ لیتے تھے اور جو ایتھنزی اول آتا تھا اُسے بلدیۂ ایتھنز اپنے خزانے سے ایک سو درہم بطور انعام کے ادا کرتا تھا۔

ان چاروں عیدوں کا خاص اثر یہ پڑا کہ دنیا کے سامنے یونانی اپنے مذہب کی خاطر متحد و متفق اپنے رسم و رواج پر عمل پیرا، اپنی جسمانی اور ذہنی ترقی کے لیئے کوشاں نظر آنے لگے، اور انمیں یہ خاص بات پیدا ہوگئی کہ اُنکی ریاستوں کے درمیان کیسی ہی جنگ زرگری کیوں نہ ہو رہی ہو لیکن کم از کم سال کے ایک حصے میں تو وہ ضرور ہی آپس میں امن و امان قائم کر لیتے تھے۔

---

۱۹ خاکنائی کھیلوں کے لیئے پوسانیاس ۱، ۴۴، ۱۱، ۲، ۱، ۲، پلوٹارک:

باب بستم

یونانی مملکتوں کا ارتقا: ملوکیت، اعیانیت، مقنن اور خودسر

ہم نے انیسویں باب میں ان حالتوں کا شمار کیا ہے جن میں یونانیوں کے باہمی اختلاط و ارتباط کے میلانات کی تشکیل ہوئی اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ انھوں نے ان اشتہائے اتحاد کو خود اپنی ہی خوشی سے تسلیم کر لیا تھا ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی کبھی ایسی سلطنت قائم کرنے کی خواہش نہیں ہوئی جس میں تمام چھوٹی چھوٹی مملکتیں شامل ہو جائیں؛ بلکہ اس کے برعکس ان کا تخیل صرف ایسی مملکت تک محدود تھا جہاں اراضی متعلقہ کا مرکز ایک محدود شہر ہو اور اس میں یا تو جملہ شہری رہتے ہوں ورنہ کم از کم اس میں اتنی گنجائش ہو کہ بیرونی حملے کے وقت وہ تمام شہریوں کے لیئے مامن بن سکے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یونانی مملکت کی حقیقت ایک کم و بیش ارتقا شدہ بلدیئے سے زیادہ نہ تھی[1] ممکن تھا کہ بعض مرتبہ متعدد ابلدیات

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ تھے سیوس، ۲۵، جہاں لفظ "ڈیمدریا" (آقتدار صدارتی) سے یہ مراد نہیں کہ ایتھنزیوں کو باقی ماندہ اشخاص پر کوئی خاص فوقیت حاصل تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر وقت کو یہ اختیار حاصل تھا۔ از سر نو تنظیم کی تاریخ کے لیئے ڈنکر Dunoker ۶، ۵۷ اور شیو مبرگ ۲، ۸۶ کا مطالعہ کیا جائے۔

[1] ایک کتاب جس میں نہایت شرح و بسط اور عمق کے ساتھ اپنے مختص موضوع پر گویا قیقہ

کے مابین اس قدر تعلق پیدا ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کی حفاظت کو اپنا فرض عین تصور کرنے لگیں، مثلاً جب کوئی قبیلہ کسی ملک کو فتح کر کے مفتوحہ اراضی پر جگہ جگہ اپنی نوآبادیاں قائم کر لیتا تھا تو ایسی صورت میں ان نوآبادیوں کا باہمی تعلق ناگزیر ہوتا اور ان کا یہ احساس بھی لابدی تھا کہ وقت پڑے تو ایک دوسرے کی حفاظت کرنا اُن کا فرض ہے؛ مثلاً ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ بیوتیہ کی فاتح قوم میں باہمی اتفاق و اتحاد زمانہ مابعد تک قائم رہا اور ان میں بھی اسی قسم کے جذبات پیدا ہو گئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی کیفیت ان اضلاع کی بھی تھی جن کی فتح کی بابت ہمیں مطلق کچھ معلومات حاصل نہیں ہیں، جیسے ایتولیہ، فوکس وغیرہ۔ عام طور پر وہ کڑی جو ایسے اضلاع کو باہمدگر منسلک کرتی تھی بالکل ڈھیلی ڈھالی ہوتی؛ اور یہ محض شغل بیکاری ہوگا اگر ہم ان قواعد و قوانین کو دریافت کرنا چاہیں جو اُن کے باہمی تعلقات کے تعین کے لئے بنائے گئے ہوں گے اور جن کے ذریعے سے اُن کے افعال عامہ کی نگرانی کی جاتی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بعید زمانے کی زندگی کے حالات کچھ ایسے تھے کہ اُن کے واسطے تحریری قوانین ضروری نہ سمجھے جاتے، اور خانگی امور کی طرح افعال و اقوال عامہ کے میدان میں بھی قاعدہ سازی شاذ تھی[۲]۔ ان اسباب کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یونان میں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) کر لیا ہے، فیوسٹل دی کولانژ کی تصنیف "بلدیہ قدیمہ" Fustel de Coulanges: La cite antique (آٹھویں نویں اشاعت) ہے۔ اس کتاب میں مختلف واقعات کو ایک جدید نظریے کی روشنی میں دکھایا گیا ہے نیز فاؤلر Fowler کی کتاب بھی، جس کا اس سے پہلے حوالہ دیا گیا ہے، دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر بہترین تصنیف ہے اور اس میں اس کے مصنف کے فلسفیانہ خیالات صاف نظر آتے ہیں۔ تفصیل کے لئے گلبرٹ: "مملکت قدیمہ" Gilbert: St. Alt جلد ۲ کا مطالعہ کیا جائے:

[۲] ان مختلف اتحادوں اور لیگوں کیلئے دیکھو شومان "یونان قدیم" Schoemann: Gr, Alt

باب ۲۰ مملکت اور بلدیہ دونوں ایک ہی شئے کے دو مختلف نام تھے اور ان دونوں کا اظہار لفظ "پولس" سے کیا جاتا تھا۔ پولس نہ صرف "مملکت یعنی شہریوں کے مجموعے کا نام تھا بلکہ اس سے قلعہ بند، فصیل دار شہر بھی مراد لیا جاتا تھا جو نہ صرف مملکت کا مستقر تھا بلکہ اسی مرکز کے ذریعے سے مملکت کی حفاظت بھی کی جاتی تھی۔ ساتھ ہی ہر مملکت کا دار و مدار کلیتہً خود اپنے وسائل پر تھا، اور اگر اسے اپنے شہریوں کے لیئے بیرونی امداد کی ضرورت پڑتی تو (یونانیوں کے زعم میں) اس کی خود مختاری اور آزادی میں فرق آجاتا۔ اس زمانے کی ضروریات زندگی نہایت مختصر تھیں، اور اگر بلدیے کے متعلق اتنی اراضی ہوتی کہ اس کے ذریعے سے شہریوں کو معمولی روٹی سالن مل جاتا تو یہ بالکل کافی سمجھا جاتا تھا؛ اسی سبب سے یونانی مملکتوں کا رقبہ نہایت مختصر ہوتا تھا۔ عام طور پر شہری اپنے اپنے مکان اپنے کاشتکاری مقطعوں کے قریب ہی بنا لیتے، لیکن چونکہ انھیں لٹیروں کا کھٹکا اور آفات سماوی کا خطرہ لگا رہتا تھا اس لیے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے زیادہ فاصلے پر رہیں۔ اسی لیئے ہر مملکت میں صدر بلدہ کے علاوہ "کومائے" یا گاؤں بھی ہوتے تھے۔ بعض مرتبہ مستقر مملکت، جو عام طور پر "پولس" کہلاتا تھا، قلعہ بند شہر ہونے کی بجائے اسپارٹا کی طرح متعدد "کومائے" کا مجموعہ ہوتا اور اس کی بابت یہ کہا جاتا کہ وہ مختلف "کومائے" کے اختلاط سے بنا ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کسی ضلع میں صرف گاؤں ہی گاؤں ہوں اور کوئی ایسا مستقل سیاسی مرکز نہ ہو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ۲، ۶، ۷ وغیرہ، اور و، فیشر: "مکتوبات مختصر" W. Vischer: Kleine Schriften (جلد ۱، لائپزگ، ۱۸۷۸ء) جہاں مختلف مملکتوں اور لیگوں کے قیام یا تمرکز اور وفاقیہ سازی کی بابت بہت کچھ مواد ہے۔ یونان میں ایسی جمہوریتیں بھی تھیں جن کا کوئی صدر مقام نہ تھا، مثلاً فوکس، لوکرس، اکارنانیہ، ایتولیہ، اور اکائیہ۔ تھسلی کی تنظیم ان سب سے زیادہ خود ساختہ تھی، اور بیوتیہ کا صدر مقام قلعہ بند شہر تھیبز تھا۔

باب ۲۰

جیسے فصیل دار شہر کا لقب دیا جا سکے اور جس کی قلعہ بندی انسان کے ہاتھ سے نہ ہوئی ہو بلکہ ذرائع حفاظت محض قدرتی ہوں؛ ایسی مملکت میں مشترکہ امور پر بحث و تمحیص کرنے کے لئے کسی مناسب و موزوں مقام کا انتخاب کر لیا جاتا تھا اور اس تمام آبادی کو ”منتشر القریٰ“ کا لقب دیا جاتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ یہ کیفیت صرف اُن قوموں کی تھی جن کی تہذیب و تمدن کا پایہ زیادہ بلند نہ تھا، جیسے آرکیڈیہ اور اکارنانیہ۔ ان ممالک میں بھی ان قریوں کو جن میں بیرونی حملہ آور کی مدافعت کی اہمیت نسبتہً زیادہ ہوتی ایک طرح سے ”بلدہ“ کا لقب دیا جا سکتا تھا۔ اگر مفصلۂ بالا تعریفات کے مطالعے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ اس کے بجائے اس کے کہ نفس مضمون پر روشنی پڑے پہلے سے بھی زیادہ تاریکی پیدا ہو گئی ہے، تو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یونانی زندگی کا انحصار حکمتی اصول پر نہ تھا، بلکہ اس کی بجائے ممکن ہے کہ نوع بنوع حقیقت و واقعات کے اظہار کے لئے حکمتی تخیلات اس درجہ غیر موزوں ہوں کہ ایک ہی لفظ کو مختلف معنے پہنائے جا سکیں۔ اس سے زیادہ کوئی بات آسان نہیں کہ مختلف اصطلاحات کی اہمیت حد سے بڑھا دی جائے۔[۳]

---

۳ ان امور پر اے۔ کوہن کی تصنیف: ”زمانۂ قدیمہ میں بلدیات کا قیام“ A.Kuhn:Ueber die Entstehung der Staedte der Alten، (لائپزگ ۱۸۷۸ء) کا مطالعہ سود مند ہوگا، لیکن یہ یاد رہے کہ اس تصنیف میں مصنف نے تنظیم پر ضرورت سے زیادہ زور دیا ہے۔ اس وقت تک اس امر کا کافی لحاظ نہیں کیا گیا کہ الفاظ ”کاتا کوماس“ کے دو مختلف معنے ہیں یعنی جب کل قوم کا ذکر ہو تو اُس کے ایک معنے ہوتے ہیں اور جب صرف ایک بلدیے کا تذکرہ کیا جائے تو دوسرے معنے لئے جاتے ہیں۔ اگر کسی آبادی کا کوئی خاص سیاسی مرکز نہیں تو اُسے ”منتشر القریٰ“ کا لقب دیا جاتا ہے؛ لیکن ممکن ہے کہ بعض گاؤں قلعہ بند ہوں، اور ایسی صورت میں وہ صحیح معنے میں ”بلدیات“ کہلائے جانے کے مستحق ہوں گے۔ مقابلہ کیا جائے طوسی دیدیش ۳، ۹۴؛ ۳، ۹۷؛ طوسی دیدیش ۱، ۱۰۔

باب ۲

ہمارا یہ خیال اصولاً درست معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح یونانیوں کے نزدیک اُن کے باہمی ارتباط و اتحاد کا اظہار مشترک مذہب اور یکساں رسم و رواج کی شکل میں ہوتا تھا اسی طرح وہ بعض خاص قسم کے امور عامّہ کو بھی مختص طور پر یونانی سمجھتے ہوں گے، جیسے دوسرے الفاظ میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ یہاں کی مملکتوں کے دستور اس ملک کی قومی خصائص کے مطابق ہوں گے۔ لیکن اس موقع پر بھی ہمیں محض اصولوں پر ضرورت سے زیادہ زور نہ دینا اور الفاظ کو حد سے زیادہ وقیع نہ سمجھنا چاہیئے۔ ہم جانتے ہیں کہ یونانیوں کے ذہن میں بلدیہ محض چند افراد کے مجموعے سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا جس میں ہر شہری مادّی طور پر امور عامّہ میں حصہ لے سکتا تھا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مملکت کا رقبہ بہر نوع معتدل ہی ہوگا)؛ اسی طرح ان کے نزدیک ایک عمدہ دستور کے معنے یہ تھے کہ ہر ایک شہری امور عامّہ کی کارفرمائی میں (بذات خود) شریک ہو سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں تخیّلات کا ایک دوسرے سے نہایت قریبی تعلق ہے۔ ایک طرف تو کسی بڑے رقبے والی مملکت میں کسی شخص واحد کی سیادت کا یہ سبب ہو سکتا ہے کہ ایسی مملکت میں عوام الناس کو

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ کہا گیا ہے کہ چونکہ شہر اسپارٹا میں مکانات کے مختلف مجموعے قلعہ بند نہ تھے اس لیئے اُسے "منتشر الاجزاء ("وکاتا کوماس")" کہتے تھے؛ اور جب تک شہر سپرنا کے فصیل نہ تھی اُس وقت تک اُسے بھی اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔ ہیرڈوٹس (۱، ۱۷۰) کہتا ہے کہ جب تک ایونیائی قصبوں میں کوئی مشترک مرکزی عدالت نہ ہوتا تھا اُس وقت تک وہ "دیموئے" ہی میں شمار ہوتے تھے۔ ہمارا اپنا خیال ہے کہ یونانی لفظ "کوما ئے" (ایونیائی "دیموئے") اور "پولیس" (بلدیات) کو مترادف کے طور سے استعمال کرتے تھے؛ اور یہ ممکن ہے کہ ایک مقام کو ایک معنے کرکے "کومے" کہا جاتا ہو اور دوسرے معنے میں "پولیس"۔ اسی قسم کی معنوی بحث و کشاد کی ایک مثال لفظ "پارٹی لیوس" سے ملتی ہے جس سے یونانی زبان میں متعدد معنے لیئے جاتے تھے؛ اور یہ دراصل رومانی اوارات سے واقفیت ہی ہے جس کے سبب سے ہم اس لفظ کے معنے میں ضرورت سے زیادہ قطعیت پیدا کر دیتے ہیں۔

امور عامہ پر نظر غائر ڈالنے کا موقع نہیں ملتا، اور چونکہ انھیں پر مملکت کی حفاظت کا دار و مدار ہے اس لئے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ تمام شہری مل کر اسکی کماحقہ نگرانی کریں۔ ساتھ ہی ہم جانتے ہیں کہ یونان جیسے ملک میں مطلق العنان ملوکیت نہ صرف بے کار بلکہ نقصان رساں بھی ثابت ہوئی[۴] یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر عام قاعدے کے مطابق یونانیوں کی ہر مملکت میں شہریوں کو امور عامہ کی بابت رائے دینے کا اختیار حاصل تھا،[۵] اور یہ طرز عمل مختلف النوع حکومتوں میں روا رکھا جاتا تھا۔ متقدمین کا یہ خاص شیوہ تھا کہ وہ اپنی توجہ حکومت کی ان اقسام پر غور کرنے کی طرف مبذول کرتے رہتے، اور آج کل بھی مملکت کی جو تقسیم ملوکیتوں، اعیانیتوں اور عمومیتوں میں کی جاتی ہے اُن کی بنیاد انھیں متفکروں کے نظریوں پر ہے جن کا سرتاج ارسطاطالیس تھا۔ یہ موقع اس تقسیم کی حکمتی قیمت کے اندازے اور ان اصطلاحات کی صحیح تعریف کا نہیں ہے، لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ ملوکیت یا شاہی، اعیانیت اور عمومیت کے تخیلات کی کوئی جداگانہ اہمیت نہیں ہیں، اور خود متقدمین کی تحریریں بھی ان اصطلاحات کی تعریفوں میں متحد و متفق نہیں ہیں۔[۶] بہر نہج یونانی زندگی ان

---

[۴] یہی وجہ ہے کہ اپیائرس اور مقدونیہ میں ملوکیت قائم رہ سکی۔ وہ اقوام جنھیں اندرونی اتحاد کے احساس کے ساتھ نسبتاً ادنیٰ درجے کا ہوتا اور شہریوں کی تعداد کم ہوتے ہوئے رقبہ وسیع ہوتا وہاں موروثی ملوکیت نہایت مناسب تھی۔

[۵] بہر حال اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ کسی باضابطہ منتظم قوم کو قانون سازی کے اختیارات بالالتزام حاصل ہوں گے خواہ اُس میں عمومیت کا رواج ہی کیوں نہ ہو۔ اس ضمن میں ہمارے خیالات کلیتہً رومانی ادارات سے ماخوذ ہیں جو یونانی ادارات سے متغائر تھے۔ یونانی تاریخوں میں اس واقعے پر کماحقہٗ زور نہیں ڈالا گیا۔ یونانیوں کو آزادی تقریر (یا دوسرے الفاظ میں مساوات حق تقریر) بیحد محبوب تھی لیکن اس کے ذریعے سے خودسری کی مخالفت کی بجائے اعیانیت کی مخالفت کیجاتی تھی (ہیروڈوٹس ۵، ۷۸)۔

[۶] ہمارے نزدیک یہاں صرف یہ یاد رکھنا کافی ہے کہ تھے سیوس کو ایتھنز کا دستور کا

باب ۱۰ تینوں قسموں میں سے ہر ایک کے مطابق تھی۔ اس کے علاوہ تقریباً ہر ایک یونانی ریاست کے دستور کا ارتقا ایک ہی طرح ہوا، اور جو مستثنیات ہمیں نظر آتی ہیں اُن کا فرق صرف ظاہری تھا۔ ہر جگہ ابتدا میں ملوکیت کا دور دورہ تھا، اس کے بعد اعیانیت قائم ہوئی اور آخر میں عمومیت کا رواج ہوا۔ اس کلیے کے برعکس جب تک اسپارٹا آزاد رہا وہاں مسلسل ملوکیت قائم رہی؛ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یونان میں اسپارٹا کی شخصیت اور اُس کی ملوکیت کی وضع قطع بالکل جداگانہ تھی، چنانچہ اس کتاب میں بھی اس کی تاریخ پر بالکل علیحدہ بحث کی گئی ہے ۵؎

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بانی خیال کیا جاتا تھا، بایںہمہ اُس زمانے میں اُس ادارے کا جس کا زمانہ مابعد میں عمومیت نام پڑ گیا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جب لوگ تھے سیوس کی "عمومیت" کا ذکر کرتے تھے تو در اصل لفظ "دیموس" "یا عمومیم" سے ان کا مطلب ذی اختیار شہریوں کے اس مجموعے سے ہوتا تھا جو اعیانیت کے حائل تھا یقابلہ کیا جائے پلوٹارک: "تھے سیوس" ۲۵، جہاں تھے سیوس کی عمومیت کا ایسے پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے جس سے اسکا اعیانی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ہیروڈوٹس ۶، ۱۳۱ میں کلس تھنیس کو "عمومیت آفرین" کا لقب دیا گیا ہے درانحالیکہ بجائے کسی قسم کے نئے حقوق برتنے کے اس نے صرف "دیموس" کی ازسرِنو تقسیم کر دی ؛ ۔

۵؎ اگر کوئی شخص یونانی سیاسی نظاموں کا اُن کے نظری مقاصد کے اعتبار سے مطالعہ کرنا چاہے تو اُس کی مدد کے لیئے ہمارے نزدیک ارسطاطالیس کی "سیاسیات" سے بہتر کوئی کتاب نہیں ملیگی، اور ہمیں اس کا ازحد تاسف ہے کہ یونان کے دساتیر کے موضوع پر اُس کی جو تصنیف تھی وہ مفقود ہو چکی ہے۔ میولر نے اپنی تصنیف جلد ۲ میں اس کے اجزا جمع کیئے ہیں۔ ہرمان اور شیومان Hemann & Schoemann کی تصانیف متعلقہ قدیم ممالک یونان Gr. Staatsalterthuemer میں یونان کے مختلف دساتیر کی خصوصیات کا جو ذکر کیا ہے اُس سے اس وقت بھی زمانۂ حالیہ کے خیالات پر اثر پڑتا ہے۔ مختلف طرز ہائے حکومت کی عمدہ تنقید کی خواہش ہو تو شیفلے کی "محیط المحیط سیاسیات"

سب سے پہلے ہم یونانی مملکتوں میں شاہی طرز کے رواج کا بیان کرینگے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ آرگوس کے پہلے بادشاہ کا نام تھے نوس تھا؟ اسی خاندان شاہی کا آخری فرماں روا ملتاس ہوا جس کے زمانے کا تعین صحت کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا؛ اس کے بعد ایک اور خاندان تخت پر بیٹھا اور بالآخر شاہی اقتدار محض نام کا رہ گیا۔ کورنتھ میں الی تیس کے وارثوں نے آٹھویں صدی ق م کے وسط تک حکومت کی، پھر اس کی جگہ اعیانی گروہ برسر اقتدار رہا۔ اس صدی میں اوکسی لوس کا بیٹا الیس میں حکمران تھا۔ دوسری جنگ مسینیہ میں ارسطوقراطیس شاہ اور خومینوس کا نام پڑھنے میں آتا ہے؛ وہ مسینیوں کے خلاف غداری کرتا ہے اور آخر کار لڑائی میں کام آتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کودروس کی موت کے بعد ایتھنز میں ملوکیت کا خاتمہ ہو گیا، اسی طرح تھبز میں بھی روایتی نہ انتھوس کے بعد ہم کسی اور بادشاہ کے نام سے دوچار نہیں ہوتے۔ شمالی یونان میں ایپائروس والوں نے ایاکوسیوں کے خاندان کی حقیقی ملوکیت کو قائم رکھ کر اپنا تعلق قدیم روایات سے جتایا۔ اس کے برعکس تھسلی، جس کی قسمت یونان اور اس کی ترقی کے ساتھ وابستہ تھی۔ ملوکیت اور اعیانیت

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ Sehaeffe:Encyklopaedie der Staatslehre (ٹیوبنگن ۸۰-۱۸۷۶ء) صفحہ ۲۷۳/۳۲۶ کا مطالعہ کیا جائے۔ مختلف یونانی مملکتوں میں ملوکیت کے قیام کے لئے شیومان جلد ۱ اور گلبرٹ Gilbert جلد ۲ خاص طور پر دیکھنا چاہیئے۔

۸۰۰ق م کے قریب آرگوس میں بادشاہ، ہیروڈوٹس ۷، ۱۴۹۔ آرکیڈیا: دیکھو بوسولٹ: لکدمونیان" Busolt: Die Lakedaemonier جلد ۱ ہسیود: "افعال و ایام" ,Hes. Of. et.D (۳۸) میں جن بادشاہوں کا ذکر ہے وہ دراصل صرف بزرگان عوام تھے۔ تھسلی میں بادشاہ، پندار: پیتھیاس Pind:Pyth ۱۰، ۳ ہیروڈوٹس ۷، ۶۔ الیونانی بلدیات کے بادشاہ، بیان مسلسل ۴۴ Conn. narr ہیو کلیس خیوس میں Plut.mul Virt. ۳، تارنتوم میں، ہیروڈوٹس ۳، ۱۳۶۔

باب ۱۲ کے درمیان ڈگمگا رہی تھی، اور گو آخر کار اعیانی گروہ کو ہی غلبہ حاصل ہو گیا۔ یا اپنہ مختلف بلدیات میں شاہی خطاب کی مخالفت نہیں کی گئی۔ مقدونیہ میں ہر قلیوں کی ملوکیت قائم رہتی ہے۔ ایشیا کی ایولیائی قوم میں اور رس میں کے خاندان کے حکمران عنیقی لوس کی اولاد حکمرانی کرتی ہے، اور ایونیائی نو آبادیوں میں سے تیوس کی بلاشبہ ابتدا میں سرآرائے حکومت نظر آتے ہیں۔ ایرتھیرائے میں ایک خاندان (معبازی لیوسیان) کو اختیارات حکمرانی حاصل تھے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ارکین کسی زمانے میں خاندان شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ ساموس اور خیوس میں بھی بادشاہوں کا ذکر سننے میں آتا ہے۔ دو دوریائی نو آبادیوں یعنی یالی سوس اور ہالی کارناسوس میں بادشاہتیں نظر آتی ہیں۔ قبرص میں بھی ملوکیت قائم تھی، اور عرصہ دراز تک سرینہ (شمالی افریقہ) میں (جسے تھیرائیوں نے ساتویں صدی ق م میں آباد کیا تھا)، بادشاہ حکومت کرتے رہے جن کی بابت تاریخوں میں بہت کچھ معلومات پائی جاتی ہیں لیکن چونکہ وہ ایک حد تک مشرقی طرز پر حکومت کرتے تھے اس لئے ان تاریخوں میں ہمیشہ ان کے موافق مواد نہیں ملتا۔ ہمیں مغربی نو آبادیوں کی بابت بہت کم کہنا ہے۔ دار یوش ہستاس پیس کے عہد تک تارنتوم میں ایک بادشاہ کا ذکر پڑھنے میں آتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سسلی میں غاصب اور خود ساختہ حکمرانوں کو بھی بادشاہ کا لقب مل جاتا تھا لیکن انکی حالت قدیم بادشاہوں کی کیفیت سے بالکل متغائر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ نو آبادیاں اُس وقت قائم ہوئی تھیں جب خود یونان میں ملوکیت کو زوال ہو رہا تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ادارہ ملوکیت کا رفتہ رفتہ کیوں خاتمہ ہو گیا۔ چونکہ متقدمین نے اُس کے خارجی اسباب پر زور دیا ہے اس لیے ہمیں اندرونی اور خارجی اسباب کے مابین امتیاز کرنا پڑیگا۔ انکے بیان کے مطابق

---

۵۸ ہیرو ڈوٹس (۴ $\frac{161}{162}$) کا وہ فقرہ نہایت پرلطف معلومات ہیں جنکے مطابق مین ٹی نتیہ کا ڈیمو ناکس یا تُوس کو دو اراضی اور ہندی اجاریوں پر پورا اقتدار دیتا ہے، اور آرخی لوخس جو اپنے آباؤ اجداد کے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے۔

ملوکیت اس لیئے زوال پذیر ہوئی کہ بادشاہ خود سر بن کر یا تو عیش و آرام میں پڑ گئے ورنہ اپنی رعایا پر جبر و تشدد کرنے لگے ؎۹ یہ بالکل ممکن ہے کہ بہت سے مواقع پر انھیں اسباب کی وجہ سے تہیج پیدا ہوا ہو لیکن حقیقی اسباب کہیں زیادہ عمیق تھے۔ قدیم یونانی بادشاہوں کی حیثیت محض بڑے بھائیوں جیسی تھی اور جب تک بادشاہ قناعت سے اپنی زندگی بسر کرتے رہے اُس وقت تک معاملات روبراہ رہے۔ لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ جو کام اُنھیں تفویض کیا گیا اُس تک اُن کا لائحہء عمل محدود نہیں رہا؛ مثلاً اگر بالفرض وہ سپہ سالار اعظم بننا چاہتے تو خواہ کتنی ہی خوش اسلوبی سے وہ تمام معاملات انجام کو پہنچاتے اور مظالم سے گریز کرتے، پھر بھی امرا اپنے حقوق کی حفاظت کے لیئے متحد و متفق ہو جاتے اور اپنے بچاؤ کی خاطر بادشاہ کے عہدے کا ہی خاتمہ کر دیتے۔ ؎۱۰ جب ہم ایتھنز کی تاریخ پر غور کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بعض مرتبہ ارتقائی دور میں اس کا تعین نہایت دشوار رہتا ہے کہ دستور کی بنیاد ملوکیت پر ہے یا اعیانیت پر؟

اس مسئلے کو کوئی خاص وقت نہیں ہے کہ اس دوسری شکل کو، جس کے ذریعے سے

؎۹ ملوکیت کے انخلاع کی فوری وجہ، پولی بیوس ۶، ۴، ۷، ۸ و ۷، ۶ تا ۹۔ افلاطون:۔ کتاب النوامیس ۳، ۶۹۰؛ ارسطاطالیس: سیاسیات ۵، ۸، ۲۲، ۲۳؛

؎۱۰ خاندان میں اقتدار ابوی کی بنا مذہب پر ہے۔ جہاں کہیں پہلے قبیلے، نسل اور مملکت ("پولس") کی تشکیل ہوئی وہاں عامل اعلےٰ کے اقتدار کی بنیاد صرف یہ ہے کہ اُسے مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے سرگروہوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مطلق العنانی کی جڑ پکڑنے کی ایک وجہ بیرونی ممالک کی فتوحات بھی ہے؛

اس مسئلے کے لیئے کہ آیا ایسی قوم میں جس کے جملہ افراد یک جدی ہوں یا ان میں باہمی عزیزداری ہو وہاں اعیانیت قائم ہو سکتی ہے یا نہیں، رسالہ "اخبار عالم" Allgemeine Zeitung ۱۸۸۵ء میں براؤن ویسباڈن Braun-Wiesb کا مضمون کروتیہ پر، جو ممکن ہے کہ مطالعہ "تاریخ یونان" کے لیئے بھی مفید ثابت ہو۔

باب ۷

صدیوں تک یونان پر حکومت ہوتی رہی، اعیانیت کا لقب دیا جائے یا عدیدیت کا؛ لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ عدیدیت تھی تو بھی یہ خراب قسم کی نہ تھی۔ یہ قدرتی بات تھی کہ وہ امراجن کے ہاتھ میں ملوکیت کے زوال کے بعد عنان حکومت آگئی، ضابطۂ عامہ کے متعلق چند ایسے قواعد بنائیں جن کا فقدان ان کے نزدیک ملوکیت کے زوال کا باعث ہوا تھا۔ اس طرح ملوکیت کے زوال کے بعد مملکت کی حالت پہلے سے زیادہ باضابطہ اور آئینی ہوگئی لیکن نئے وساتیر کی تفصیل کی بابت ہم رائے زنی وراشکل سے کرسکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ہم ان مقامات کا شمار کریں جن میں (متقدمین کے بیانات کے مطابق) اعیانیت کا دور دورہ رہا تھا، لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ بیانات محض جزوی حالت میں ہم تک پہنچے ہیں، جن میں نہ تو اعیانیتوں کی ابتدا کا ذکر ہے اور نہ اُن کی مدت قیام کا۔ بدیں سبب ہمیں اس مقام پر محض عام تبصرے پر قناعت کرنی پڑے گی، اور چونکہ تاریخ ایتھنز کا ہمیں زیادہ علم ہے اس لیے ہم تفصیل کے لیے ناظرین کی توجہ اُسکی طرف مبذول کرتے ہیں۔

جن بلدیات میں اعیانی طرز پر حکومت کی جاتی تھی وہاں جملہ سیاسی اختیارات چند ممتاز خاندانوں کے ساتھ وابستہ ہوا کرتے تھے جنہیں نبیل الاصل بھی کہا جاسکتا ہے۔ نبیل ہونے کی شرط یہ تھی کہ کسی قطعۂ اراضی پر قدیم زمانے سے قبضہ چلا آتا ہو، اور عام قاعدے کے مطابق ایسے خاندانوں کی ابتدا بڑے بڑے سورماؤں یا دیوتاؤں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن ناموں سے یہ خاندان پکارے جاتے تھے اُن کا تعلق بجائے ان مشہور سورماؤں اور دیوتاؤں کے زمانہ مابعد کے نسبتاً غیر معروف افراد سے ہوتا تھا؛ مثلاً متی لنہ میں منیتھی لوسی خاندان تھا جن کا بیان تھا کہ اُن کا مورث اعلیٰ اینیتھی لوس ولد اورس تیس ہے، اسی لیے اگر وہ اپنے آپ کو تنتالوسی کہتے تو بھی بجا نہ ہوتا۔ کورنتھ کے باکھوسی خاندان کے افراد یہ کہتے تھے کہ اُن کا مورث اعلیٰ باکھوس ہرقل کی نسل سے ہے لیکن ان کا نام ہرقلی نہیں بلکہ باکھوس تھا۔ الکبیاڈیس یوری ساکیسی قوم کا ایک فرد تھا لیکن خود یوری ساکیس ایاکوس کی اولاد سے تھا

اس لیئے اگر اس قوم کا نام ایاکوسی ہوتا تو اس میں اعیانیت کی جھلک ذرا زیادہ پائی جاتی۔ شاہان اسپارٹا اپنے آپ کو آگسی اور یوری پونی کہتے تھے، اور زمانۂ مابعد میں ان کا تعلق یورس تھنیس اور پروکلیس کے ذریعے سے ہرقل کے ساتھ قائم کیا گیا تھا۔ اکثر و بیشتر خاندانی نام غیر معلوم اشخاص کے ناموں کی مناسبت سے رکھے گئے تھے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ مابعد میں نبیل اور سربرآوردہ خاندانوں کے حوصلہ مند افراد نے اپنے شجروں میں مشہور آفاق سورماؤں کے نام اضافہ کر کے اپنے حوصلوں کو پورا کیا۔

ارسطاطالیس کہتا ہے[۱] کہ چونکہ فوجی اقتدار کا دار و مدار سواروں پر تھا اس لیئے ملوکیت کے زوال کے بعد ابتداً میں مبارز طبقے کے افراد ہی برسر حکومت ہو گئے۔ شاید بہت سے مقامات پر یہی ہوا ہو، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر مقام پر بادشاہوں کی جگہ مبارزوں کو سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ اول تو گھوڑوں کی پرورش ملک کے ہر حصے میں نہیں ہو سکتی تھی، اور ان مقامات میں بھی جہاں میدان ہونے کی وجہ سے گھوڑے پالے جاتے تھے۔ یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ باشندے سواروں کو ہی اہم ترین آلۂ مخاصمت بنائیں مثلاً علی العموم دوریائی پیدل فوج پر زیادہ زور دیتے تھے، اور یونان کے عنفوان شباب کے دور میں اس کی افواج کی قوت و سطوت کا مرکز بھاری ہتھیار والے سپاہیوں کی پلٹنیں تھیں۔ بہر حال بہت سے اضلاع ایسے بھی تھے جہاں شہریوں کے ذی اختیار طبقے کو "ہپائس" یعنی سوار یا مبارز کا لقب دیا جاتا تھا۔ اسکے علاوہ ہم بعض دیگر خطابوں (مثلاً "اصحاب فربہ") سے بھی دو چار ہوتے ہیں جو ذی اقتدار جماعت کو عوام الناس نے دیئے۔ نیز جب اُن کے اقتدار کی بابت جھگڑے پڑنے شروع ہوئے تو وہ خود اپنے آپ کو ایسے اعزازی خطاب دینے لگے جو اُن کے مخالفوں کو ناپسند ہوتے، مثلاً "بہترین"، یا "اعیان" (جس سے لفظ "اعیانیت" نکلا ہے) "خوبصورت"، "نیک"، "معزز"

---

[۱] ارسطاطالیس (سیاسیات، ۴، ۱۰، ۹) کا بیان ہے کہ پہلے اعیانی حکام مبارز ہی تھے۔

"تاموری" ("گنوری موسے" = لاطینی "نوبیلیز")۔ بلا شبہ ایسے خاندانوں کے سرگروہ مجلس مباحثہ میں شریک ہوتے اور عمال کا تقرر کرتے تھے۔

تاریخ کے مختلف عہدوں میں عوام کے طبقوں کی کچھ ایک ہی کیفیت نظر آتی ہے۔ ہر جگہ وہ مختلف قبیلوں میں منقسم تھے جن میں بہت سی برادریاں یا اکثم شامل ہوتے تھے۔ ابتدا میں خاندان ہی مذہبی اور قانونی مقاصد کے لیے ناقابل تقسیم ادارہ سمجھا جاتا تھا، اور اکثم متعدد خاندانوں کے مجموعے کا نام تھا۔ ہم بہت سے قبیلوں اور ان کی تعداد سے بھی واقف ہیں، مثلاً دوریانیوں میں ہیلیس، دیمانیس اور پامفیلیس قبیلوں کے نام سننے میں آتے ہیں۔ بعض دوریائی ریاستوں میں ان سے بھی زیادہ تعداد نظر آتی ہے، مثلاً کورنتھ میں ہمیں آٹھ قبیلوں کے نام معلوم ہیں جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی حیثیت محض مقامی تھی۔ یہاں ہمارے سامنے ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا حل ذرا مشکل ہے؛ وہ یہ کہ جن قبائل کا ہمیں علم ہے ان میں سے کس کس کی حیثیت محض مقامی تھی۔ بہ نسبت دیگر ریاستوں کے ہم اٹیکا کی تاریخ سے زیادہ واقف ہیں، لیکن یہاں بھی یہ مسئلہ ویسا ہی پیچیدہ نظر آتا ہے۔ اس امر کا بھی عام طور سے تعین نہیں کیا جا سکتا کہ ان قبیلوں اور اصول اعیانیت میں کیا خاص تعلق تھا۔ ممکن ہے کہ جملہ قبائل کے حقوق مساویانہ ہوں یا بعض کے حقوق دوسروں سے زیادہ ہوں، یا مختلف قبائل کے افراد کے حقوق میں مساوات نہ پائی جاتی ہو؛ بہر حال اس مسئلے پر ایتھنز کی تاریخ کے مطالعے سے بھی ہماری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

باوجودیکہ اعیانیت ان ممتاز خاندانوں کی حکومت تھی جن کے اراکین عامۃ القوم کے افراد سے تعداد میں کم تھے، لیکن ان اصولوں میں، جن کی بنا پر کسی خاص خاندان کو حکومت میں حصہ لینے کا حق حاصل ہو جاتا، بست و کشاد کی بہت کچھ گنجائش تھی۔ اس کے لیے عام طور پر خاندانی قدامت اور قبضۂ اراضی کافی سمجھے جاتے تھے، لیکن بعض مرتبہ محض قبضۂ اراضی سے بھی سیاسی حقوق پیدا ہو جاتے اور اس کے بعد جلد یا بدیر ایسے نسب ناموں کے ذریعے سے، جن کا اختراع کرنا

ایسا زیادہ مشکل نہ تھا، نودولتے خاندان بھی اپنے صحیح النسب ہونے کا ثبوت فراہم کر لیتے تھے۔ اس طریقے سے تقریباً ہر ایک امیر آدمی یہ دعویٰ کرنے لگا کہ اُسے امور عامہ میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے اور جہاں تہاں اعیانیت کی جگہ اماریت (یعنی امیر آدمیوں کی حکومت) قائم ہونے کی وجہ سے اعیانیت میں سقم پیدا ہونے لگا۔ یہ ضروری نہیں کہ دولت، خصوصاً جب اس کی بنیاد تجارت پر ہو، لازماً کسی شخص کے بعد اُس کے ورثا کے پاس ہی پہنچے، اور جب وہ اغیار کے قبضے میں جانے لگے گی تو مسلسل توریث جائداد، جو اعیانیت کا جزو لاینفک ہے، مفقود ہو جائیگا۔ الغرض امتداد زمانہ سے اعیانیت کا خود بخود خاتمہ ہونے لگا اور اُس کی حالت اسقدر سقیم ہوگئی کہ پہلے ہی حملے سے اس کا زوال یقینی ہوگیا۔ اُس کے زوال کے اسباب پر غور کرنیکے وقت ہمیں چاہیئے ہم اندرونی اور خارجی اسباب کے مابین امتیاز کریں۔ خارجی اسباب میں سے ایک پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، وہ یہ کہ رفتہ رفتہ اعیانیوں میں تدمّغ پیدا ہونے لگا یعنی وہ اپنی ذاتی خواہشات کو قانون کا رتبہ دینے لگے اور دیگر شہریوں کے حقوق کو ٹھکرانے لگے۔ شلاً متی لنہ کے پنتھی لوسیوں کی بابت کہا جاتا تھا کہ وہ سڑکوں پر ڈنڈے لیکر نکلتے اور اگر شاہراہ پر اُنھیں کوئی ایسا شخص ملتا جس کے افعال اُنھیں ناپسند ہوتے تو وہ بلاتکلف اُس کے ڈنڈا رسید کر دیتے[۱۲] اس کے علاوہ خود اعیانیوں کے باہمی قضیوں سے اُن کے دشمنوں کو تقویت پہنچی اور اُنکے افراد مختلف جنگوں میں بھی کام آئے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ مفصلۂ بالا اسباب سے اُنکے دشمنوں کو غلبہ ضرور حاصل ہوا، مگر اُن کے زوال کا اصلی سبب یہ تھا کہ جن طبقوں کو حکومت میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تھی وہ ہمیشہ بےچینی پھیلاتے رہتے تھے، خصوصاً وہ شہری جو دولت و تعلیم میں برسر اقتدار فریق کے ہم پلہ تھے۔ اگر اعیانیت کے معنی یہ ہیں کہ صرف چند ہی اشخاص کو سیاسی اختیارات حاصل ہوں گے تو یہ طرز حکومت صرف اسی حالت میں حق بجانب ہوتا ہے جہاں مختلف طبقوں میں دولت و تمدن

[۱۲] ارسطاطالیس: "سیاسیات" ۵، ۸، ۱۳۔

باب ۲ کا فرق بیّن ہو، لیکن جہاں تعلیمی مساوات ہو گی وہاں مساوات حقوق بھی لازمی ہے۔ بدیں وجہ جن طبقوں کو کمتر حقوق حاصل ہوتے ہیں اُن کی بے چینی بالکل قانون قدرت کے مطابق ہوتی ہے، اور اگر تعلیم میں (یونان کی طرح سے) ترقی ہو تو ظاہر ہے کہ اعیانیت کے ساتھ ہی ساتھ اُس کے زوال کے جراثیم بھی موجود رہتے ہیں:

ملوکیت اور اعیانیت کے خاتمے پر عمومیت کا دور شروع ہوتا ہے۔ بہ نسبت ملوکیت کے اعیانیت کے ارباب حل و عقد کو مغلوب کرنا زیادہ دشوار ہوتا ہے اس لیے کہ وہ بغیر پورے طور پر جھگڑا کیے ہوئے ہتھیار نہیں ڈالتے اور اس جھگڑے کا نتیجہ مختلف مقامات پر یکساں نہیں ہوتا۔ بہرحال ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ ذی اقتدار طبقے کو قطعی طور پر کامیابی حاصل ہونے کی وجہ سے حالت ماسبق بدستور قائم رہی ہو، ورنہ پھر سیاسی ترقی مسدود ہو جانا یقینی ہے اور یہ یونان قدیم میں نہایت درجہ دشوار تھا۔ لیکن اس کے یہ معنے نہ لینے چاہئیں کہ عوام کو فیصلہ کن غلبہ حاصل ہو جاتا ہو گا اور حکومت کی شکل نہایت سہولت کے ساتھ اعیانی سے بدل کر عمومی ہو جاتی ہو گی۔ عام کلیے کے مطابق جنگ ایران سے پہلے یونان کی حالت ایسی نہ تھی کہ عمومیت آسانی سے قائم ہو جائے۔ باہمی جھگڑے کے بعد عام طور پر چند اصلاحات کے ذریعے سے بے چین جماعت کی اشک شوئی کر دی جاتی تھی لیکن سیاسی تنظیم میں کوئی انقلاب نہیں کیا جاتا تھا: اس اصلاح کے کئی طریقے تھے مثلاً قانون سازی کے ذریعے سے تبدیلیاں، خودسرانہ حکومت کا عروج اور نوآبادیوں کا قیام:

جب کبھی ذی اقتدار حکام اور اس جماعت کے مابین جھگڑے پیدا ہو جاتے تھے جو اپنے آپ کو مکمل یا جزوی سیاسی مساوات کا اہل سمجھتے تھے، تو عام طور پر اس کی ثالثی ایسے لوگوں کے سپرد کر دی جاتی تھی جو اپنی ذاتی وجاہت و فراست کے سبب سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ یونانی فطرت اور اس زمانے کی خصوصیات کے یہ مقتضی تھا کہ ذاتی اقتدار کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے، اسی لیے قانون سازی کا کام ہمیشہ ایک شخص واحد کے سپرد کر دیا جاتا اور اس کی تحریکات کو ہمیشہ

تسلیم کرلیا جاتا تھا۔ شومیٔ قسمت سے اس قسم کے قوانین کی بابت ہمیں مفصل معلومات حاصل نہیں، اور اکثر وبیشتر حالات میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو تبدیلیاں اس طرح کی گئیں اُن سے کسی نئے دستور کی ترویج ہوئی یا محض چند نئے قواعد مرتب کرنے پر ہی اکتفا کیا گیا؛ لیکن یہ امتیازات اگرچہ نظریہ سازی کے میدان میں وسیع ہوں، کم از کم عملاً ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا مقنن لیکرگوس تھا جس کی بابت ہم اس سے پہلے بہت کچھ بحث کر چکے ہیں؛ اور جو مقنن یونان کی تاریخ میں سب سے اہم شمار کیا جاتا ہے وہ سولن تھا جسکا عنقریب بیان کیا جائیگا۔ لیکن سولن کے زمانے سے پہلے بھی بعض مقامات پر مقنن گزرے ہیں، مثلاً لوکریس کا زالیوکوس اور کتانے کا خارونداس ہم اسی طرح فِلولائوس ساکن کورنتھ نے تھبز کے لیئے اور دیموناکس ساکن مَن تی نیہ نے سرنہ کے لیئے قوانین مرتب کیے[۱۳] پتاکوس ساکن متی لینہ جسے ائی سِمنے تیس یا "مرتب مطلق" کا لقب دیا گیا تھا، سولن کا ہمعصر تھا۔ یہ خطاب ان لوگوں کو دیا جاتا تھا جنھیں باہمی نزاعات کے زمانے میں اعلیٰ ترین اختیارات خواہ زندگی بھر کو، ورنہ ایک مدت محدود کے لیئے دیئے جاتے تھے[۱۴] اور اس دوران میں وہ مملکت کے مطلق العنان حاکم تصور کیئے جاتے تھے۔ اس مدت کے بعد اُن کا طرز عمل خود اُن کے حالات اور واقعات ماحول پر مبنی

۱۳؎ ملکیوں سے زیادہ غیر ملکی غیر جانبدار سمجھے جاتے تھے۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ اگر کسی ملک کے قوانین وہیں کے باشندے مرتب کریں گے تو وہ لازماً جانبداری برتیں گے؛ اسی لیئے حتی المقدور اس سے گریز کرنا ہی مناسب سمجھا جاتا تھا۔ در اصل یہی خیال ہے جسکی بنا پر ازمنہ متوسطہ میں اٹلی کی ریاستوں میں بیرونی حکمران ("پودستا") مقرر کئے جاتے تھے، مثلاً فلورنس میں کاتالانو اور لودِرنگو دانتی: "جہنم" Dante : Inferno ۲۲؛

۱۴؎ "ائی سِمنے تائی" کے لیئے ہرمان: "مملکت قدیمہ" Hermann : St. A. ۶۳؛ پلاس: "خود سرانہ حکومت" Plass : Tyrannis ۱، ۱۵۱۔ بعض مقامات پر ائی سِمنے تائی مستقل عہدہ دار تھے؛

باب ۲۰ ہوتا تھا، لیکن کم از کم اپنے مدت عہدہ کے دوران میں تو اُنکی حیثیت رومن "آمر مطلق" کی علیسی ہوتی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ائی سمنے تیس مقنن اور خودسر حاکم کی درمیانی کڑی تھی، یعنی شہری تو اُسے مقنن سمجھتے تھے اور وہ بالکل خودسر حاکم کی طرح شہریوں پر حکومت کرتا تھا۔

یونانی سیاسی زندگی کے عجائبات میں سے خودسرانہ حکومت بھی ہے۔[۱۰]

[۱۰] پلاس: "قدیم یونان میں خودسری کے دو عہد" Plass: Die Tyrannis in ihren beiden Perioden bei den alten Griechen (بریمن ۱۸۵۲ء) ایک نہایت کارآمد کتاب ہے، اور جب مصنف اس میں خودسری کا بیان کرتا ہے تو اس سے صرف ایک جگہ لغزش ہوتی ہے، یعنی جہاں وہ متقدمین کے چند بیانات پر بحث کرتے ہوئے ابتدائی اور آخری زمانے کی خودسری میں تفریق کرتا ہے اور ابتدائی خودسری کو ایک ایسا ہیولی قرار دیتا ہے جو اُس کے نزدیک اُس گڑبڑ اور طوائف الملوکی کا لازمی نتیجہ تھا جو اعیانیت اور عمومیت کے درمیانی ارتقا کے زمانے میں ہو گئی تھی؛ وہ خودسری کے آخری عہد کی بابت یہ کہتا ہے کہ اس کی بنا محض قوت حیوانی پر تھی، اور یہ محض اتفاقاً وجود میں آگئی تھی۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ ابتدائی خودسروں مثلاً فالارس، پی سسترا توس، اور پولیکراتیس کے اقتدار کے قیام کیلئے بھی قوت حیوانی اتنی ہی درکار تھی جتنی زمانۂ مابعد کے خودسروں کے لیے۔ نیز موخرالذکر مثلاً دیونی سیوس، اور اگاتھوکلیس کے اقتدار کی بنا بھی وہی تنفر تھا جو طبقۂ ادنیٰ کو اعیان سے تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ زمانہ بدل گیا تھا، اور تعلیم پہلے سے زیادہ عام ہو گئی تھی لیکن خودسری کی ابتدا اور اُس کی ماہیت میں مطلق کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ خودسری کی تعریف کے لئے ارسطاطالیس: سیاسیات ۴، ۸، ۳ دیکھنا چاہیئے۔ ہم یہاں ناظرین کرام کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ ہیروڈوٹس ملوکیت اور خودسری میں مطلق کوئی امتیاز نہیں کرتا، اور یہ وہ امر ہے جو شائد بعض مرتبہ نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ دیکھو ۳، ۸۰، ۵، ۴۴؛ فقتیہ کے الفاظ، ۵، ۹۲۔ لفظ "بازیلیوس" سے یونانی اور "تیرانوس" سے غیر یونانی حکومت کا اظہار ہوتا تھا بعض مورخوں کے نزدیک گیگیس پہلا خودسر حکمران تھا۔ "راد ے: لدیہ" Radet: La Lydie ص ۱۴۶۔

اس نام کی ہنوز کوئی کافی وضاحت نہیں کی گئی؛ جہاں تک ہمیں معلوم ہے، سب سے پہلے یہ لفظ یونانی شاعر آرخی لاؤس کی نظموں میں ملتا ہے، جو ساتویں صدی ق م کی ابتدا میں تھا، اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ یہ ایشیائے کوچک کی کسی مقامی بولی سے اخذ کیا گیا ہو۔ ارسطاطالیس کی تعریف کے مطابق خودسر اُن فرماں رواؤں کو کہتے تھے جو مفادِ عامہ کی بجائے خود اپنی ذاتی اغراض کے لیے اپنا اقتدار کام میں لاتے تھے، اور اپنے افعال کے کسی دوسرے کے سامنے جواب دہ نہ تھے۔ باوجودیکہ یہ تعریف نہایت درجہ مبہم ہے، لیکن بایں ہمہ اس سے ہماری مطلب براری ہو جاتی ہے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ جملہ دستوری اقتدارات پر کسی نہ کسی قسم کی نگرانی ہوتی ہے، اور یہی وہ ذمہ داری ہے جس کی بابت ارسطاطالیس اپنی کتاب میں ذکر کرتا ہے۔ وہ شخص جو دستور کے منشار کے خلاف اقتدارِ اعلیٰ اپنے قبضے میں کر لیتا ہے، اور محض اپنے مفاد کی غرض سے دستوری اقتدار کی تخریب کرتا ہے وہی خودسر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم یونانی معنی میں ہم ایسے حاکموں کو خودسر کہتے ہیں جو گو اپنے قانونی حق کی بنا پر تخت پر بیٹھے ہوں، لیکن جنھوں نے مطلق العنانی سے حکومت کی ہو۔ عام طور پر اس لفظ کا اطلاق اُن فرماں رواؤں پر ہی ہو جاتا ہے جو ایسی مملکت میں امرِ مطلق بن جائیں جہاں اس سے قبل حکومت کا دارومدار شہریوں کی رائے پر تھا۔ جہاں تک ہماری معلومات کی دسترس ہے، یونان میں سب سے پہلا خودسر تقریباً ساتویں صدی ق م کے ابتدا میں برسرِ حکومت ہوا۔ خودسروں کی قوت کا انحصار اس امر پر تھا کہ وہ عوام الناس کے ارزل ترین طبقے کے قائم مقام بن کر اعیانیت کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ عوام الناس حکومت میں حصہ لینے کے اس قدر خواہشمند نہ تھے جتنے وہ بے قاعدہ اقتدار کے مخالف تھے؛ گویا وہ انصاف کے خواہاں تھے حقوق کے خواستگار نہ تھے۔

اگر اشراف مملکت کی دماغ داری برابر جاری رہتی تو اس کی مدافعت کی غرض سے عوام الناس اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے اور اُس کے واسطے کسی رہنما کی ضرورت پڑتی۔ اگر اس رہنما کے حوصلے بڑھے ہوئے ہوتے تو وہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر غیر محدود اقتدار غصب کر لیتا، اور اس طرح گویا ایک مضطرب قوم کی اضطراب ہی سے

خودسری کی ابتدا ہوتی۔ اس نئے طرز حکومت کے قیام کے بعد حاکم کی ذاتی قابلیت کی وجہ سے خودسری ایک مدت تک قائم رہ سکتی تھی، لیکن امرا اپنے حقوق کی حفاظت کرتے اور نیچے طبقے کے افراد یہ سمجھتے کہ خودسروں ہی نے اُن کو ایذا رسانوں کے مظالم سے نجات دی ہے۔ امتداد زمانہ سے امرا کی خلاف قانونی کارروائیاں لوگوں کے دلوں سے محو بھی ہو جاتیں تو پھر خودسروں کی مطلق العنانی ناقابل برداشت ہو جاتی اور عوام اُس کے خاتمے کی دعا مانگنے لگتے۔ اگر خودسر کے دشمن امرا کی مستقل بیچینی اور رہبران عوام کے نئے جوش کے مابین اتحاد عمل پیدا کر سکتے تو پھر خودسری حکومت کے دن شمار ہونے لگتے۔ بعض مرتبہ کسی خودسر خاندان کا بانی اپنی زندگی بھر اپنی مقتدر حیثیت قائم رکھتا تھا جس سے دوسری یا تیسری پیڑھی تک خودسری قائم رہتی تھی۔ لیکن اگر پہلے فرماں روا کے وارث کی تربیت بحیثیت ایک ولی عہد کے ہوئی تھی، تو عام طور پر وہ اس تندہی اور کاوش سے حکومت نہیں کر سکتا تھا جو خودسری کی بقا کے لیے لازمی تھیں؛ اور اگر بالفرض بیٹا تخت پر متمکن ہو بھی گیا تو پوتے کا زوال لازمی تھا۔ الغرض تاریخ یونان کے مطالعے سے ہم کسی مملکت میں ایسی خودسری سے دوچار نہیں ہوتے جو ایک صدی سے زائد قائم رہی ہو۔

وہ خودسر جنھیں حکومت وراثتاً نہیں ملی، بلکہ جنھوں نے خود اس کی بنیاد ڈالی کم از کم چست و چالاک ضرور ہوتے تھے، اور عام طور پر اپنی تنومندی کیساتھ ہی انھیں اپنے عہد کے ترقی یافتہ رجحانات کا صحیح اندازہ بھی ہوتا، یعنی انھیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ تجارت کے لیئے کون کون سے راستے موزوں ترین ہیں؛ بیرونی ممالک سے تعلقات قائم رکھنے میں کس قسم کے فوائد مضمر ہیں، اور علوم و فنون کی ترویج سے ملک میں کس طرح ترقی ہو سکتی ہے۔ جب کبھی انکے ذریعے سے اُن کے شہر کو کوئی خاص کامیابی ہوتی تو اس سے اُن کی اور انکے شہر دونوں کی عزت بڑھتی اور اُن کے اقتدار کی حفاظت کا ایک جدید عنصر پیدا ہو جاتا، یہی وجہ تھی جس کے سبب سے خودسرانہ خاندان کا بانی، یا اُس کا دوسرا فرماں روا اپنے دربار اور اپنے شہر دونوں کے لیئے ایک خاص اثر پیدا

کرلیا تھا جس کی مثالیں کورنتھ، ایتھنز اور سرقوسہ کی تاریخ میں ملتی ہیں لیکن خود سروں کی ظاہری حالت کیسی ہی خوش آیند کیوں نہ ہو اُن کی حکومت کی بنیاد جبر و اشتداد ہی پر ہوتی جس کی وجہ سے رعایا کی اخلاقی حالت لازماً خراب ہو جاتی، چنانچہ مذہبی اور سیاسی مصلح ہمیشہ خود سری کی مخالفت پر کمر بستہ رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یونان کا اول ترین خود سر اندریاس یا اورتاغورس تھا جو ساتویں صدی ق م میں سکیون پر حکومت کرتا تھا۔ ہم رفتہ رفتہ اُس کے خاندان کا حال بیان کریں گے اور ساتھ ہی کیپسی لوسی خود سران کورنتھ، تھیاگنیس خود سر میگارا، پی سستراتوس، پولیکراتیس، لیگدامیس ساکن ناکسوس اور تھراسی بولوس خود سر ملطیہ کا بھی تذکرہ کریں گے۔ ان کے علاوہ فلیوس، کرلیسیا، خالکیس اور مشرقی یونان کے دیگر مقامات میں بھی خود سروں کا دور دورہ رہا۔ اٹلی اور سسلی کے بلدیات میں ابتدائی زمانے سے ہی خود سرانہ حکومت ہمارے سامنے آتی ہے، لیکن اُن کا ذکر مناسب موقع پر کیا جائیگا۔

اعیانی سرگروہوں اور حوصلہ مند عوام کے باہمی جھگڑے نوآبادیوں کے قیام کے ذریعے سے بھی طے ہوتے تھے، لیکن اس سے صرف چند روز کے لیئے امن ہو جاتا تھا۔ اگر برا نے شہر کے ایسے طبقے کا کوئی فرد، جسے زیادہ اختیارات حاصل نہ تھے، کسی نوآبادی کے قیام میں حصہ لیتا، تو وہ نئے شہر کا زمیندار اور امیر بنجاتا تھا۔ اس طرح مادر بلد کو بےچین عنصر سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا اور اعیانیوں کو موقع ملتا کہ بجائے ہدف حملہ بننے کے وہ بیسیوں بلکہ سیکڑوں برس تک نوآبادیاں قائم کرکے زمام حکومت اپنے ہی ہاتھ میں رہنے دیں؛

اب ہم ان عناصر یعنی اعیانیت، مقننوں، خود سروں اور حوصلہ مند عوام کے اثرات کا، جو تاریخ یونان پر درجہ بدرجہ پڑتے رہے، مطالعہ کریں گے۔ یہ تاریخ دراصل ان یونانی مملکتوں کی تاریخ ہے جن میں تبدیلی کی اہلیت تھی اور جن کا تمدن ترقی پذیر تھا۔ ہم دیکھیں گے کہ اس سے اسپارٹا کو بہت ہی کم تعلق ہے؛

باب بست و یکم

یونانی نوآبادیوں کا قیام

اس باب میں ہم آباد کاری کے مسئلے پر غور کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ یونانی قوم رفتہ رفتہ بحیرۂ روم کے سواحل پر کس طرح پھیل گئی[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ یونانی نوآبادیوں کی ابتدا کا اصلی راز یہاں کی مملکتوں کے اُس اندرونی ارتقا میں مضمر تھا

---

[1] راؤل روشیت (''یونانی نوآبادیوں کے قیام کی انتقادی تاریخ''
Raoul Rochette : Histoire critique de l'etablisse -
ment des colonies grècques چار جلد، پیرس ۱۸۱۵ء) افسانوں
اور واقعی تاریخ میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ ہرمان ''مملکت قدیمہ'' Hermann :
Staatsalter thuemer (اشاعت چہارم) اور بوسولٹ ''تاریخ یونان'' Busolt :
Gr. G. جلد ۱، میں یونانی آبادکاری کی انتقادی تاریخ کا اجمالی نقشہ دیا ہوا ہے:
۱، کرتیوس کے مضمون ''انتشار قوم یونانی'' (روئداد انجمن علمیہ پروشیہ برائے مطالعۂ تاریخ
و فلسفہ'' ۱۸۸۲ء)
E. Curtius : Die Griechischen in der Diasposa
Sitzungsber. der Koenigl preussr Akad d. Wiss. Phil-hist
Kl. 1882 میں یونانی نوآبادی کی تاریخ کی ایک نہایت عمدہ تمہید دی ہوئی ہے۔ ہرمان نے
اپنی کتاب ''مملکت قدیمہ'' کی ۸۶ میں مختلف نوآبادیوں کی مرکب آبادی کے مسئلے پر زور دیتے ہوئے
طوسی وید ش ۱، ۲۷ کا اقتباس دیا ہے جس میں ان کو انجمن سرمایۂ مشترکہ سے تشبیہ دی گئی ہے مغربی
بلاد کیلئے ا، میلتزر ''تاریخ اہل قرطاجنہ'' جلد ۱ برلن ۱۸۷۹ء
O. Meltzer : Geschichte der
Karthager کے بعض فقرے نہایت عمدہ ہیں۔ محض اختصار کیلئے میں نے اس باب کے حواشی میں متقدمین
کی تحریروں سے وہ نقل نہیں کئے جن میں مختلف نوآبادیوں کے قیام کا ذکر ہے۔

جس پر ہم اس کتاب کے ایک باب میں بحث کر چکے ہیں۔ یونانی نوآبادیاں مختلف اطراف
وجوانب میں صدیوں تک قائم ہوتی رہیں، لیکن آٹھویں صدی ق م کے ابتدائی زمانے
سے لے کر چھٹی صدی ق م کے اوسط تک کا زمانہ اس تحریک کا سب سے عمدہ اور
شاندار زمانہ تصور کرنا چاہیئے۔ سب سے پہلے جن بلدیات سے وہاں کے باشندے
دیگر ممالک میں بھیجے شروع ہوئے وہ ایسے بلدیات تھے جو بحیرۂ ایجین کے سواحل
اور جزائر پر واقع تھے [۱] ہمارے نزدیک ان نوآبادیوں کی دو مختلف نوعیں
تھیں، یعنی ایک تو وہ بستیاں جو تجارتی شاہراہوں پر آباد ہوئیں اور دوسرے وہ

---

[۱] یونان کے بحری ممالک کی تاریخ میں بحری سیادت کی تاریخ بھی شامل ہے جس کی سنوی جدول زمانۂ قدیم کے بعض مورخوں مثلاً کاستور، الیفوردس، سوسی بیوس (؟) نے تیار کی ہے اور جسکی نقل دیودوروس نے (یوسے بیوس کے حوالے سے) اپنی تصنیف میں ثبت کی ہے؛ یہ نقشہ ڈِنڈورف Dindorf کی "دیودوروس"، جلد ۲، صفحہ ۱۱۶ میں ملیگا۔ اس فہرست میں سترہ مملکتوں کے نام دیئے ہوئے ہیں اور اس کی ابتدا جنگ ٹروا سے ہوتی ہے، جس کے بعد بحری سیادت کی سرداری کا طرۂ امتیاز لدیوں، پیلاسگیوں، تھریسیوں، رھوڈزیوں، افروجیوں، قبرسیوں، فنیقیوں، اور مصریوں کو حاصل ہوا۔ اس طرح ہم تقریباً آٹھویں صدی ق م تک پہنچ جاتے ہیں، جسکے وسط سے (اٹھارہ سال تک) ملطیوں کو بحری سیادت حاصل رہی، پھر یہ درجہ بدرجہ کاریائیوں، لسبوسیوں اور فوکیائیوں کو یکے بعد دیگرے پہنچی؛ چھٹی صدی ق م سے ۵۱۵ ق م تک ساموس، لکدمونی (۵۱۵–۵۰۵ ق م)، ناکسوس (۵۰۵–۴۹۵ ق م)، ایریتریائی (۴۹۵–۴۸۵ ق م) اور ائی گیناوالے (۴۸۵–۴۸۰ ق م) برسر اقتدار رہے۔ بعض مرتبہ کسی خاص مملکت کے بحری اقتدار کا خاتمہ اسکی فیصلہ کن بحری شکست سے ہوجاتا ہے۔ درحقیقت یہ فہرست اسی لیئے کارآمد ہے کہ اس سے اس قسم کی شکستوں کے حالات معلوم ہوجاتے ہیں؛ ورنہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں خالکیس اور کورنتھ کا ذکر تک نہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مختلف یونانی مملکتوں کی بحری اہمیت کی تاریخ کے لیئے یہ بالکل بیکار ہے۔ مقابلہ کیا جائے ہائنے Heyne کا مضمون روئداد انجمن علمیہ گیوٹنگن جلد ۱ و ۲ میں Nov. Comm. Soc. Goeting؛ گڈون: قدیم اقوام کی سیادت بحری Goodwin: De Potentiae Veterum gentium maritimae epochis گیوٹنگن ۱۸۵۵ء

باب ۲۱ آبادیاں تھیں جو اُن مقامات پر قائم ہوئی تھیں جہاں تجارتی تعلقات پیدا ہونے کے بعد تہذیب و تمدن کی ترویج ہو رہی تھی۔ ہم اس سے قبل دیکھ چکے ہیں کہ اوزان اور سکوں کے معیاروں میں ایک طرف تو آئی گینوی معیار غالباً فنیقیہ سے آیا اور دوسری جانب یوبیائی معیار کی ترویج یونان میں بابل سے ایشیائے کوچک کے راستے سے ہوئی؛ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ یونان سے مشرق کی طرف دو مختلف تجارتی شاہراہیں تھیں، ایک تو جنوبی راستہ جو فنیقیہ ہو کر ایشیا سے یونان کی دوریائی ریاستوں کو مربوط کرتا تھا اور دوسرا شمالی راستہ جو ایشیائے کوچک سے ایونیائی ساموس ہو کر ایونیائی یوبیہ کو ملاتا تھا۔ لیکن یہاں یہ واضح ہونا چاہیئے کہ یہ دونوں دھارے بہت جلد ایکدوسرے کے ساتھ مل گئے۔

نفس آبادکاری پر بحث کرنے سے پہلے بعض آبادیوں کی مقامی تنظیم کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ایشیائے کوچک کی یونانی بستیوں کو جن کی آبادی مرکب تھی، خاص امتیاز حاصل تھا۔ ہیروڈوٹس کے بیان کے مطابق[۵۳] بعض ایونیائی تارکان وطن نے کاریائی عورتوں سے شادی کر لی تھی اور چند ایونیائی بلدیات پر گلاؤکوس اور ہپولوخوس کے خاندانوں کے لسیائی النسل کے فرماں روا حکمرانی کرتے تھے۔ ایک طرف تو ملطیہ، تیوس، پرنتھوس اور ملطی نوآبادیوں میں اٹیکائی قبیلوں کے نام سے سننے میں آتے ہیں، اور دوسری جانب دیگر مقامات میں قبیلوں کے نام ان سے بالکل جداگانہ ہیں، اور ایفی سوس کے متعلق تو خاص طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے[۵۴] کہ یہاں کے آبادکاروں اور اصلی باشندوں کے مابین ایک عہدنامہ مرتب ہوا تھا۔

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ ادرحال کی ف، فلوئے گل کی تصنیف "کورش اور ہیروڈوٹس" V. Floigl : Cyrus and Herodotus لائپزگ ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۴۱۔

۵۳ ایونیائیوں کی شادی کاریائی عورتوں سے، ہیروڈوٹس ۱، ۱۴۶/۱۴۷۔

۵۴ ایفی سوس، پوسانیاس ۷، ۲، ۸؛ استیفان ساکن بیزنطہ۔

ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا یہ نتیجہ نکالنا بجا اور درست ہے کہ دوسرے قبائل میں ایک قبیلہ یہاں کے اُن باشندوں کا تھا جو ارتیمس کے تیخانے کے گرد رہتے تھے۔ ایونیائیوں کا مذہبی مرکز پوسیڈون کا بت خانہ تھا جو راس میکالے پر واقع تھا۔ پوسیڈون کی پرستش تو دراصل پیلوپونیز سے ہی رائج کی گئی تھی، لیکن سب سے مشہور معبود جیسے ایفی سوس کا ارتیمس، کلاروس کا اپولو اور ساموسی ہیرا سب کے سب دیسی معبود تھے جنھیں یونانی جامہ پہنا دیا گیا تھا۔ ایشیائی اور یورپی ایونیائی دراصل دیلوسی اپولو کی پوجا کی وجہ سے باہمدگر منسلک تھے۔ جزیرۂ دیلوس جہاں کا موسم ہمیشہ معتدل رہتا تھا، سورج کے دیوتا کے نام پر معنون تھا اور ایونیائی ملک کے تقریباً وسط میں واقع تھا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں لیتو کے بطن سے اپولو اور ارتمیس پیدا ہوئے اور جہاں تھےسیوس نے اُن نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں سے جنھیں وہ کریٹ سے بچا کر لایا تھا، اپولو کے اعزاز میں قربان گاہ کے سامنے ناچ نچوایا تھا اور سب سے اچھے رقّاص کو مقدس کھجور کی ایک شاخ بطور انعام کے دی تھی۔ معبود دیلوس کے تعلقات ایتھنز اور ملطہ کے حدود سے آگے ہیپر بوریانی ملک تک پھیلے ہوئے تھے۔

میدان سیاسیات میں ایونیائی بلدیات کے اندر وہی ردّ و بدل ہوا جس کا ذکر بیسویں باب میں کیا جا چکا ہے، یعنی ملوکیت کی جگہ امرا کی حکومت قائم ہو گئی۔ واضح ہو کہ مختلف بلدیات میں تبدیلی حکومت کی بابت جو کچھ معلومات ہمیں حاصل ہیں وہ سب جزوی ہیں، اور تسلسل واقعات کے لحاظ سے اُنکی مطلق کوئی سنوی بنیاد نہیں ہے۔ ملطہ میں[۵۵] ایپی منیس کو از سر نو دستور کے ترتیب دینے کا کام تفویض کیا گیا، اس کے بعد کبھی تو زمام حکومت کسی نہ کسی خود سر کے ہاتھ میں آجاتی اور کبھی عاملانہ اقتدار ایک منتخب شدہ پری تانے یا صدر کو تفویض کیا جاتا۔ کولوفون کے امرا اپنی شہسواری کے لیے ممتاز تھے[۵۶] اور ان کی ناقابل تسخیر قوّت

[۵۵] ملطہ وہ بیان مسلسل، Con.Narr. ۴۴، Verf ؛ Nic.Dam. 54M.
ارسطا طالیس: سیاسیات ۵، ۴، ۵؛
[۵۶] کولوفون، اشترابو ۱۴، ۳، ۶۴۳۔

باب ۱۲

ضرب المثل تھی؛ یہاں ایک ہزار کی ایک مجلس کے ذریعے سے حکومت کی جاتی تھی جس کے ارا کین کا انتخاب شہر کے مالکان اراضی کرتے تھے۔ واضح ہو کہ کولوفون ہی ایسا بلدیہ نہ تھا جہاں شہسواری امرا کی شان تھی بلکہ بعض دیگر بلدیات میں بھی یہی قاعدہ جاری تھا۔

یہاں صرف چند چیدہ چیدہ واقعات بیان کئے جائیں گے۔ ساتویں صدی ق م کے اختتام کے قریب ملطہ میں اعلیٰ ترین اختیارات ایک خودسر مسمی تھراسی بولوس کو حاصل تھے[ش۵] جو امرا کے خاندانوں میں سے ایک کا رکن تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب اس کے دوست پری اندر نے اس سے دریافت کرایا کہ کورنتھ پر حکومت کرنے کا بہترین طریقہ کونسا ہے، تو وہ اس کے فرستادہ ایلچی کو ایک اناج کے کھیت میں لے گیا اور بغیر کچھ کہے ہوئے اپنی چھڑی سے جتنی اونچی اونچی بالیاں تھیں سب توڑ ڈالیں۔ اس کے انتقال کے کچھ عرصے کے بعد تک ملطہ میں بدامنی رہی اور امیروں غریبوں کے مابین مناقشے برپا ہوتے رہے جن میں فریقین نے اپنے اپنے نام پلوتس اور خیرومانخ یا اے نوتائے اور گرگیتھائے رکھے۔ ان دونوں فریقوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے ایتھنز کا مقدس زیتون کا درخت مرجھا گیا جس کے باعث خانگاہ کی طرف سے انھیں کفارے کا حکم ملا۔ اس پر ملطیون نے جزیرہ پاروس کے باشندوں کو ثالث مقرر کیا۔ پاروسی سفرا نے ملطہ آتے ہی اراضی مزروعہ کا دورہ کرکے ان لوگوں کے نام یاد کر لئے جن کے کھیتوں کی حالت عمدہ تھی اور یہ فیصلہ سنا دیا کہ شہر کا انتظام ان لوگوں کے سپرد کیا جائے جن کی کاشت اچھی ہے، اسلئے

ش۵ تھراسی بولوس، ہیرو ڈوٹس ۱، ۲۰ - ۲۲؛ ۵، ۹۲؛ ۵، ۸؛ Plut. Qu. Gr. ۳۲؛ Ath ۱۲، ۵۲۴۔ مشتبہ تسلسل واقعات کے لئے ڈنکر ۶، ۲۹۰۔ ارسطاطالیس ("سیاسیات" ۳، ۸، ۳ اور ۵، ۸، ۷) کے نزدیک یہ صلاح پری اندر نے تھراسی بولوس کو دی تھی۔ دراصل اس چھوٹے سے قصے سے خودسری حکومت کی ماہیت معلوم ہوتی ہے۔

کہ جب اُنھوں نے اپنی ذاتی مملوکات کا انتظام بحسن و خوبی انجام دیا ہے تو یقین ہے کہ وہ شہر کے معاملات بھی اسی عمدگی سے طے کریں گے۔ تاجروں (ائے نوتائے) اور صناعوں میں جو باہمی تنازعہ چلا آتا تھا اس کا بھی تصفیہ اس طرح ہوا کہ بجائے اُن کے سیاسی اختیارات ایسے زمینداروں کو مل گئے جو اپنی زمینداری کا انتظام عمدہ طور پر کرتے تھے۔ ان اصلاحات نے ملطیہ کی مرفہ الحالی میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ باب ۲۱

اسیطرح ساموس میں چھٹی صدی ق م میں امرا اور عوام کے مابین تنازعہ ہوگیا۔ شہر پرنتھوس میگارا اور اُسکی نوآبادی پیرنتھ کے درمیان حائل تھا لہذا میگاری اُسپر کسی نہ کسی طرح سے قبضہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ یہ خبر سن کر ساموس کے گیوموروئی یا حکمران امرا نے پرنتھوس کی مدد کے لیئے تیس سہ طبقہ کشتیاں روانہ کیں۔ اور دونوں نے میگاریوں کو شکست دے کر وہاں کے چھ سو باشندوں کو قید کرلیا۔ لیکن ساموسی بیڑے میں صرف عمومی ہی عمومی تھے جنھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر قیدیوں کو انقلاب کے لیئے اپنا آلہ کار بنانا چاہا یعنی انھیں مسلح کرکے ساموس کی جمعیت عوام میں بھیج دیا اور ان کے ذریعے سے گیوموروئی کا قتل عام کرادیا۔ اس کے بعد عرصہ دراز تک ساموس میں عمومی طرز کی حکومت ہوتی رہی، لیکن جب پولیکراٹیس یہاں خودسر ہوا ہے تو بجائے عمومیت کے از سر نو اعیانیت قائم ہوچکی تھی؛

ایشیائی ایولیائیوں کی قوت و اقتدار کا مرکز جزیرہ لسبوس تھا یہاں بھی ملوکیت کا خاتمہ ہوگیا، لیکن حکومت کی باگ پنتھی لوسیوں کے ہاتھ ہی میں رہی۔ ان اعیانیوں کی زندگی کے حالات اور اُن کے اور عوام کے باہمی مناقشوں کے متعلق اکثر و بیشتر معلومات اُن کے قومی شاعر الکائیوس کے اشعار اور ادبی تاریخ سے اخذ کیئے گئے تھے۔ یہاں خودسر حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی اور جو تنازعے برپا ہوئے اُن میں پٹاکوس ساکن متی لنہ کا نام نہایت

۵۸ Pauly' R. Enc. ۵۷۔

باب ۱۲

حمتانہ ہے۔ پتاکوس کو عوام نے تقریبًا سنہ ۵۹۰ ق م میں آئی سیمنے تیس یا حکمران منتخب کیا؛ اُس نے اپنا دور حکومت نہایت عمدگی سے پورا کیا اور بجائے اس کے کہ نئے نئے قوانین جاری کرے صرف چند قواعد بنانے پر ہی اکتفا کیا جن میں سب سے قابل یادگار وہ قانون ہے جس کی رو سے اگر کسی شخص سے نشے کی حالت میں کوئی جرم سرزد ہوتا تو وہ معمولی حالت سے نسبتہً زیادہ سزا کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے ایتھنز سے صلح کرنے کے بعد جن باشندوں کو جلا وطن کیا تھا اُنھیں واپس بلا لیا اور تقریبًا دس سال حکومت کر کے اپنے عہدے سے مستعفی ہو گیا۔ پتاکوس فی الواقع عقلائے یونان کے زمرے میں شریک ہونے کا اہل تھا اور اس کا چال چلن اور عام خصائل اتنے قابل تعریف سمجھے جاتے تھے کہ اس کے استعفے کے بعد کسی شخص نے اُسے کوئی ایذا نہیں پہنچائی[59]۔

بر اعظم میں جس قدر ایولیائی شہر تھے اُن میں سب سے ممتاز شہر کیمے تھا[60]۔ یہاں ہم آٹھویں صدی ق م میں ایک بادشاہ مسمی اگامیمنون سے دوچار ہوتے ہیں جس کی بیٹی کی شادی میدا اس شاہ افروجیہ سے ہوئی تھی۔ اس جگہ ابتداءً اعیانی اصول کے مطابق حکومت کی جاتی تھی، لیکن ایک شخص مسمی فئی دون کی تحریک پر ان تمام اشخاص کو جنھیں گھوڑے پر فوجی خدمت بجا لانے کی مقدرت و استطاعت تھی، شہری حقوق دے دیئے گئے اور اس طرح اماریت قائم ہو گئی۔ بالآخر پروحے کھیوس نے ایک قانون منظور کرایا جس کی رو سے سیاسی اختیارات ایک ہزار آدمیوں کی ایک مجلس کو تفویض کر دیئے گئے۔ اس کے بعد جنگ ایران تک کوئی سیاسی تبدیلی عمل میں نہیں آئی؛

دوریائی بلدیات کی تاریخ میں کوئی امر قابل تذکرہ نہیں ہے؛

یورپ کی بحری مملکتوں میں سے میگارا اور کورنتھ کا ذکر اس کے بعد کیا جائیگا اور ایتھنز کے تذکرے کے لیئے ایک مختص باب کی ضرورت ہو گی۔

---

[59] پتاکوس کے لیئے پاؤلی کی محیط المحیط Pauly's R. Enc. ملاحظہ ہو۔

[60] کیمے کے لیئے خاص طور پر Herakl. Pont. ۱۱ ملاحظہ کیا جائے؛

لہذا یہاں ہم صرف یوبیہ کے شہروں کا بیان کریں گے۔ خوبصورت اور زرخیز جزیرۂ یوبیہ میں علاوہ چند چھوٹے چھوٹے قصبوں کے دو شہر یعنی خالکس اور ایرتیریا اُس خاکنائے پر واقع ہیں جو جزیرے کو برّ اعظم سے ملاتی ہے؛ انہیں سے خالکس تو خاکنائے کے تنگ حصے کی ایک سطح مرتفع پر، اور ایرتیریا خاکنائے کے ذرا چوڑے حصے پر جنوب کی جانب ایک میدان میں واقع ہے۔ بادشاہوں کے زمانے میں ہم امفی داماس کا نام سنتے ہیں؛[۱۱] اس حکمران کی موت کے بعد جو ادبی مقابلے ہوئے اُن میں ہسیود کو انعام ملا تھا۔ تھوڑی مدت کے بعد خالکس[۱۲] میں ایسے اعیان برسر اقتدار ہوئے جنھیں گھوڑے پالنے کا شوق تھا اور اسی وجہ سے اُنھیں ہیپوبوتائے یا "اسپ پرور" کا لقب دیا جاتا ہے؛ اس عہد میں اور امارت کے دور میں یہ قاعدہ تھا کہ پچاس برس کی عمر سے پہلے کسی شخص کو کوئی عہدہ نہیں دیا جاتا تھا۔ خالکس اور اُسکے ہمسایوں میں ہمیشہ نزاعیں اور لڑائیاں رہا کرتی تھیں جنکی وجہ سے اُسکی قوت و اقتدار میں بہت کچھ ترقی ہوگئی۔ اگر ہم اس روایت کو باور کریں کہ ایک مرتبہ ارتیمس امارنتھیا کے تہوار کے میلے میں جو جلوس نکلا تھا اُسمیں گھوڑوں کی ساٹھ جوڑیاں، چھ سو مبارز اور تین سو ہوپ لیت تھے، تو ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ شہر ایرتیریا کی آبادی نہایت ہی گنجان ہوگی۔ کارسٹوس اور ستیرا کے علاوہ (جہاں دریوپی قوم رہتی تھی) جنوبی یوبیہ کے بیشتر حصے پر اُسی کا قبضہ تھا، اور یہ دونوں بلدیات بھی

---

۱۱ امفی داماس کے لیے ہسیود: "اعمال و ایام" Hesiod: Op. et D. صفحہ ۱۰؛ Plut. conv. sept: ۶۵۲ وغیرہ؛

۱۲ خالکس؛ ہیروڈوٹس ۵، ۷۷؛ استرابو ۱۰، ۱، ۷، ۴۴؛ ارسطاطالیس: "سیاسیات" ۴، ۳، ۲؛ Pont Harakl ۳۱ (میول)۔ جنگ میدان لیلانتی کیلئے مقابلہ کرو ک، ف، ہرمان: K. Fr. Hermann: Gesammelte Abhandlungen "مجموعہ مقالات" اور دوندورف: Dondorff: De ribus Chalcidensium "معاملات خالکس" ہالے ۱۸۵۵ء اس جنگ سے جن اقوام کا تعلق تھا انکے مجموعوں کیلئے ہولم: "جنگ طویل" (کتاب یادگار ہفتادسالگرہ اکرتیوس) Holm. Lange Fehde; Abh. Zu E. Curtius 70 Geburstag

خالکس میں متعدد دستکاریاں رائج تھیں، اور کورنتھی یہاں سے بہت سا خام پیداوار اپنے ملک کو لیجاتے تھے؛